

دعوت و عزیمت

حصہ پنجم

مذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

ایہ بار دین، اشاعتِ کتاب و سنت، اسرار و مقاصد شریعت کی تشریح و تبیین، تہذیب و ارشاد اور ہندوستان میں ملت اسلامی کے تحفظ اور تقویت کے بقا کی ان مہم پر آفریں کوششوں کی روداد جن کا آغاز حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے اختلاف و عقائد کے تراجم ہوئے

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

مجلس نشریات اسلام

۱۔ کے ۳، ناظم آباد، مینشن، ناظم آباد، کراچی ۱

تاریخ دعوت و عزیمت حصہ پنجم

تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

اجیار دین، اشاعت کتاب و سنت، اسرار و مقاصد شریعت کی توضیح و
تبیق، تربیت و ارشاد اور ہندوستان میں ملت اسلامی کے تحفظ اور تشخص
کے بقا کی ان عہد آفریں کوششوں کی روداد، جن کا آغاز حکیم الاسلام
حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے اخلاف و خلفاء کے ذریعہ ہوا،

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

مجلس نشریات اسلام

۱۔ کے۔ ۳۔ ناظم آباد منیشن۔ ناظم آباد کراچی۔ ۱۵

جملہ حقوق طباعت و اشاعت پاکستان میں
بحق فضل ربی ندوی محفوظ ہیں۔

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

اپنی حیات میں مندرجہ ذیل اداروں کے ذمہ دار رہے

- ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
- رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند
- صدر مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ
- صدر مجلس انتظامی و مجلس دارالمصنفین عظیم گڑھ
- رکن عربی اکادمی دمشق
- رکن مجلس شوریٰ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ
- رکن مجلس تاسیس رابطہ عالم اسلامی مکہ معظمہ
- رکن مجلس عاملہ مؤتمر عالم اسلامی بیروت
- صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ
- صدر رابطۃ الادب الاسلامی العالمیہ
- رکن مجلس انتظامی اسلامک سینٹر جنیوا
- سابق وزیٹنگ پروفیسر دمشق یونیورسٹی و مدینہ یونیورسٹی
- صدر آکسفورڈ سینٹر فار اسلامک اسٹڈیز آکسفورڈ یونیورسٹی آکسفورڈ

نام کتاب _____ تاریخ دعوت و عزیمت (حصہ پنجم)

تصنیف _____ مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

طباعت _____ احمدیاد پرنٹنگ پریس، کراچی

صفحات _____ ۴۴۸ صفحات

ٹیلیفون : ۶۶۰۱۸۱۴

اسٹاکس، مکتبہ ندوۃ قاسم سینٹر اردو بازار کراچی

ناشر

فضلہ ربیہ ندویہ

مجلس نشریات اسلام ۱۔ کے۔ ۲۔ ناظم آباد مینشن، ناظم آباد کراچی ۴۶

تاریخ دعوت

و

عزیمت

حصہ پنجم

اردو _____ لکھنؤ و کراچی

عربی بنام "رجال الفكر والدعوة في الاسلام" الجزء الرابع

انگریزی بنام "SAVIOURS OF ISLAMIC SPIRIT VOL. IV"

فہرست عناوین

تاریخ دعوتِ عزیمتِ حقیم

پیش لفظ	۱۴-۹	ایران میں علوم عقلیہ کا غلبہ اور اس کا ہمایہ
باب اول عالم اسلام بارہویں صدی ہجری میں	۱۵	۳۵ ممالک پر اثر
بارہویں صدی کے اسلامی ممالک کے حالات	۱۵	۳۸ عام اخلاقی، معاشرتی اور اعتقادی حالت
۱۸ اور انقلابات کے مطالعہ کی اہمیت	۱۵	باب دوم ہندوستان ۴۲-۶۴
۱۹ ہندوستان پر ایران کے ثقافتی و ذہنی اثرات	۱۸	۴۲ سیاسی حالت
۲۰ سلطنت عثمانیہ کی عظمت و اہمیت	۱۹	۴۳ اورنگ زیب عالمگیر
عالم اسلام کی سیاسی حالت	۲۰	۴۵ اورنگ زیب کے کمزور جانشین
سلطنت عثمانیہ بارہویں صدی میں	۲۰	۴۷ شاہ عالم بہادر شاہ اول (۱۱۳۳ھ)
حجاز کی صورت حال	۲۲	۵۰ فرخ سیر
۲۴ چین	۲۴	۵۱ محمد شاہ بادشاہ (۱۱۶۱ھ)
ایران	۲۵	۵۷ شاہ عالم ثانی
نادر شاہ افشار	۲۶	۵۸ علی دروہانی حالت
ایران نادر شاہ کی وفات کے بعد	۲۸	۶۱ اخلاقی و معاشرتی پستی
افغانستان اور احمد شاہ ابدالی	۲۹	۶۲ اعتقادی کمزوری اور شرک بدعات کا زور
افغانستان احمد شاہ ابدالی کے بعد	۳۰	باب سوم شاہ صاحب کے اجداد و والد بزرگوار
عالم اسلام کی علمی و دینی حالت	۳۰	۶۵-۹۶
بارہویں صدی کے اہل کمال	۳۱	۶۵ شاہ صاحب کے اجداد
عالم اسلام کے علمی ادبی و روحانی ذوق پر ایک نظر	۳۲	۶۶ شجرہ نسب

۱۰۹	شاہ صاحب کے مشائخ و اساتذہ عزمین	۶۷	خاندان کی ہندوستان آمد
۱۱۳	شاہ صاحب کا درس حدیث	۶۸	زہنگ کا قیام
	حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی زبانی	۶۹	شیخ شمس الدین مفتی سے شیخ وجیہ الدین تک
	حضرت شاہ صاحب کے بعض خصائص	۷۱	شاہ صاحب کے دادا شیخ وجیہ الدین شہید
۱۱۷	وسمولات	۷۵	شاہ صاحب کے نانا شیخ محمد پھلتی
۱۱۸	وفات	۷۶	شاہ صاحب کے عم محترم شیخ ابوالرضا محمد
۱۲۸	مدفن	۷۸	والد بزرگوار حضرت شاہ عبدالرحیم
	بابت ۵ شاہ ولی اللہ صاحب کے تجدیدی	۸۱	تعلیم
	بابت ۱۰ کارنامے، اصلاح عقائد و دعوت	۸۶	اخلاق و شامل و سمولات
	إلى القرآن ۱۳۰ - ۱۶۸	۸۷	حمیت اسلامی و دور اندیشی
	شاہ صاحب کے دائرۃ تجدید کی وسعت	۸۸	ازدواج و اولاد
۱۳۰	اور تنوع	۸۸	وفات
۱۳۲	عقائد کی اہمیت		حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب شاہ ولی اللہ صاحب
	عقیدۂ توحید کی از سر نو تبلیغ و تشریح کی	۸۹	کی نظریں
۱۳۵	ضرورت		ہندوستان کے عربی النسل خاندان ایمان کی
	مرض کا علاج اور اصلاح حال کا مؤثر	۹۰	خصوصیات و دعاویات
۱۴۰	طریقۂ اشاعت قرآن	باب چہارم مختصر حالات زندگی ۹۷ - ۱۲۹	
۱۴۸	شاہ صاحب کے بعد کے اردو تراجم	۹۷	ولادت
۱۵۰	درس قرآن	۹۹	تعلیم
۱۵۰	۱۰ الفوز الکبیر	۹۹	شاہ صاحب کا پڑھا ہوا نصاب
۱۵۲	مشاعر توحید کی علمی تنقید و تحقیق		والد ماجد کی شفقت و تربیت اور اجازت
	عقائد کی تعلیم و تشریح کتاب و سنت	۱۰۲	و خلافت
	کی روشنی میں اور صحابہ و سلف کے	۱۰۳	شادی
۱۶۳	مسلك کے مطابق	۱۰۵	دوسرا عقد
		۱۰۷	سفر حج

باب ششم مرقیہ شریعت اسلامی کی مربوط و متعلقات باب ششم ترجمانی اور اسرار و مقاصد حدیث کی نقاب کشائی "حجۃ الشربالغہ" کے آئینہ میں ۲۱۵ — ۲۲۸	باب ششم حدیث و سنت کی اشاعت و ترویج اور فقہ و حدیث میں تطبیق کی دعوت دہی ۱۶۹ — ۲۱۲
۲۱۵ "حجۃ الشربالغہ" کا امتیاز و انفرادیت ۲۱۷ موضوع کی نزاکت ۲۱۸ مستقل تالیف کی ضرورت اور علمائے ۲۱۹ منتقدین کی ابتدائی کوششیں تہبیدی و بنیادی مضامین تکلیف ۲۲۱ و مجازات ۲۲۳ اعمال کی اہمیت اور ان کے اثرات ۲۲۴ ارتقا قات ۲۲۵ ارتفاق کی اہمیت شہری و اجتماعی زندگی کی اہمیت اور ۲۲۶ ان کی شکلیں مکاسب اور وجوہ معاش کی محمود و ۲۲۸ مذموم شکلیں ۲۳۰ سعادت اور اس کے اصول چہارگانہ ۲۳۱ عقائد و عبادات ۲۳۳ سیاسیات ملی اور انبیاء کی ضرورت ۲۳۴ بعثت مقرونہ ایرانی و رومی تمدن میں اخلاقی و ایمانی قدروں کی پامالی اور انسانیت ۲۳۵ کی زبوں حالی ۲۳۷ بعض دوسری مفید بحثیں	حدیث کی اہمیت اور ہر ملک اور ہر دور میں اس کی ضرورت ۱۶۹ حدیث امت کے لئے صحیح میزان و معیار ۱۷۰ تاریخ اسلام میں اصلاح و تجدید کی تحریکیں ۱۷۲ علم حدیث سے وابستہ ہیں ۱۷۶ علم حدیث اور عرب ۱۷۷ ہندوستان میں علم حدیث کا عروج و زوال ۱۸۰ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا کارنامہ ۱۸۱ ایک مجدد کی ضرورت حدیث کے بائے میں شاہ صاحب کے ۱۸۲ خیالات و جذبات ہندوستان میں علم حدیث سے بے اعتنائی کا شکوہ ۱۸۶ خدمت و اشاعت حدیث کی سرگرمی ۱۸۹ شاہ صاحب کی تصنیفی خدمات ۱۹۲ تطبیق بین الفقہ و الحدیث ۱۹۶ اجتہاد و تقلید کے درمیان نقطۂ اعتدال ۲۰۴ قرون اولیٰ میں مسلمانوں کا طرز عمل ۲۰۵ تقلید کی جائز اور فطری شکل ۲۰۸ مذاہب اربعہ کی خصوصیت ۲۱۰ ہر زمانہ میں اجتہاد کی ضرورت ۲۱۳

<p>باب نہم سیاسی انتشار اور حکومتِ مغلیہ کے دور احتمار میں شاہ صاحب کا مجاہدانہ وقائدانہ کردار ۲۴۵ - ۳۲۲</p>	<p>حدیث و سنت کا مقام اور ان کے بارے میں اہمیت کا طرز عمل ۲۳۸ فرائض و ارکان کے اسرار و حکم ۲۳۹ کتاب کی جامعیت ۲۴۴ احسان و تزکیہ نفس ۲۴۴ جہاد ۲۴۶</p>
<p>۲۴۵ تین نوخیز جنگجو طاقتیں ۲۴۵ مرہٹے ۲۸۱ سکھ ۲۸۴ جاٹ ۲۸۹ دہلی کی حالت ۲۹۱ حلقہ نادری نامساعد و زلزلہ انگیز حالات میں ۲۹۱ تدریس و تصنیف کی یکسوئی سیاسی انتشار اور حکومتِ مغلیہ کے دورِ احتمار میں مجاہدانہ وقائدانہ کردار ۲۹۴ ۲۹۵ شاہ صاحب کا احساس و اضطراب مغل بادشاہوں اور ارکانِ سلطنت کو ۲۹۸ نصیحت و مشورہ ۳۰۵ نواب نجیب الدولہ ۳۱۱ احمد شاہ ابدالی</p>	<p>باب ہشتم نظامِ خلافت کی ضرورت و افادیت، خلفائے راشدین کی خلافت کا ثبوت اور ان کے احسانات کتاب "ازالۃ الخفایہ عن خلافت الخلفاء" کے آئینہ میں ۲۴۷ - ۲۴۹ کتاب "ازالۃ الخفایہ کی اہمیت و انفرادیت ۲۴۹ "حجۃ اللہ" اور "ازالۃ الخفایہ" کا باہمی تعلق ۲۵۱ چند قدیم تصنیفات ۲۵۵ اسلام میں خلافت کی حیثیت و مقام ۲۵۸ خلافت کی جامع و مانع تعریف ۲۶۱ خلفائے راشدین کی خلافت پر قرآن سے استدلال ۲۶۳ کتاب کے دوسرے قیمتی مضامین ۲۶۹ وفاتِ نبوی کے بعد کے تغیرات و فتن کی نشاندہی ۲۷۲ کتاب کی طباعت و اشاعت ۲۷۳</p>
<p>باب دہم امت کے مختلف طبقات کا اعتساب اور ان کو دعوتِ اصلاح و انقلاب ۳۲۲ - ۳۲۳</p>	<p>۲۷۲ کتاب کے دوسرے قیمتی مضامین ۲۷۳ وفاتِ نبوی کے بعد کے تغیرات و فتن کی نشاندہی کتاب کی طباعت و اشاعت</p>

۳۵۸	حدیث کی تدریس و ترویج	۳۲۳	شاہ صاحب کا امتیاز
۳۶۱	نصرت سنت و رد شیعہ	۳۲۵	مختلف طبقات امت سے خصوصی خطاب
	انگریزی اقتدار کی مخالفت اور	۳۲۶	سلاطین اسلام سے خطاب
۳۶۵	مسلمانوں کا ملی تحفظ	۳۲۸	امراء و ارکان دولت سے خطاب
۳۷۳	مردان کار کی تربیت	۳۲۹	فوجی سپاہیوں کو خطاب
۳۷۳	حضرت سید احمد شہیدؒ	۳۳۰	اہل صنعت و حرفت سے خطاب
	مولانا عبدالحی بڑھانویؒ اور مولانا		شاخ کی اولاد یعنی پیرزادوں سے
۳۷۷	محمد اسماعیل شہیدؒ	۳۳۱	خطاب
	مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب و شاہ	۳۳۳	غلط کار علماء سے خطاب
۳۷۹	محمد یعقوب صاحبؒ		دین میں تنگی پیدا کرنے والے واعظوں
۳۸۰	اجلہ علماء و اساتذہ کبار	۳۳۴	اور کچھ نشیں زاہدوں سے خطاب
۳۸۲	شاہ رفیع الدین دہلویؒ		عام امت مسلمہ سے جامع خطاب
۳۸۵	شاہ عبد القادر دہلویؒ	۳۳۶	امراض کی تشخیص اور علاج کی تجویز
۳۸۷	شاہ محمد عاشق پھلتی	۳۳۹	اصلاح رسوم و تطہیر معاشرہ
۳۹۰	خواجہ محمد امین کشمیری ولی اللہیؒ	باب یازدہمؑ فرزندان گرامی قدر، خلفائے عالی مرتبت، نامور معاصر ۳۴۳-۳۹۷	
۳۹۱	شاہ ابوسعید حسنی رائے بریلویؒ		
	ایک نامور معاصر و مصلح شیخ محمد بن		
۳۹۲	عبدالوہابؒ	۳۴۳	لائق فرزندان و جانشین
باب دوازدہمؑ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی تصنیفات ۳۹۸-۴۱۵		۳۴۴	عجیب مماثلت
		۳۴۶	حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ
۳۹۸	کتب و رسائل	۳۵۴	شاہ صاحب کے خصوصی کاموں کی توسیع
	انڈیکس - مرتبہ از محمد فیاث الدین ندکا ۴۱۷	۳۵۵	و تکمیل
			اشاعت و تبلیغ قرآن

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

میش لفظ

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين

وخاتم النبیین محمد وآله وصحبه اجمعین ومن تبعهم باحسان

و دعا بدعوتهم الى يوم الدين

مصنف کتاب کا قلب تاریخ دعوت و عزیمت کے پانچویں حصہ کی تسوید سے
فاریغ ہو کر پیش لفظ کی ان سطور کے لکھتے وقت جذبہ حمد و شکر سے معمور اور اس کا قلم اپنے
اور کاتب کے خالق کے حضور میں سر بسجود ہے کہ اس نے اس سلسلہ کو اس حصہ تک جو حکیم الاسلام
حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور ان کے اخلاف و خلفاء کی دینی و علمی خدمات اور ان کے
مجددانہ و مجاہدانہ کارناموں کی تاریخ درویشیاد سے مخصوص ہے پہونچانے کی توفیق عطا فرمائی
محرم ۱۳۷۲ھ (ستمبر ۱۹۵۲ء) میں چند تقریروں کی ایک مختصر یادداشت کو سامنے
رکھ کر جب تاریخ دعوت و عزیمت کے سلسلہ کا آغاز کیا گیا تھا، اور اس کو سیدنا امام حسن بھٹائیؒ
اور خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے شروع کیا گیا تھا، تو اس وقت اس کا تصور
کرنا بھی مشکل تھا کہ یہ سلسلہ پہلی دوسری صدی کے مصلحین و مجددین سے لے کر تمام درمیانی
مراحل اور عالم اسلام کی زمانی و مکانی وسعت و رقبہ کو طے کرتا ہوا گیارہویں بابویں صدی

کی دو عظیم تجدیدی شخصیتوں حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ تک پہنچ سکے گا، عمر کی بے ثباتی، صحت کے نشیب و فراز، حوادث کی کثرت، مشاغل کے ہجوم، عزم و ہمت کی کوتاہی، اسفار کے تسلسل، نئی نئی ضرورتوں اور محرمات کے پیش آنے، پھر نگاہ کی اس کمزوری اور معذوری کے باوجود کہ مصنف مسلسل چودہ سال تک براہ راست مطالعہ اور خود لکھنے سے معذور رہا، یہ سلسلہ اس منزل تک پہنچے گا، یہ محض قدرت و توفیق الہی کا کرشمہ ہے جس پر مصنف خدا کا جتنا بھی شکر ادا کرے کم ہے، مصنف اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کر سکتا کہ قرآن مجید کی اس آیت کے ذریعہ یہ فرض ادا کرنے کی کوشش کرے :-

رَبِّ اَوْزِعْنِي اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ	اے پروردگار! مجھے توفیق عطا فرما کہ
الَّتِي اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ	جو احسان تو نے مجھ پر اور میراں باپ
وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ	پرکئے ہیں ان کا شکر کروں اور ایسے
وَاَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ	نیک کام کروں کہ تو ان سے خوش
الصَّالِحِينَ ۝	ہو جائے اور مجھے اپنی رحمت سے
(النمل - ۱۹)	اپنے نیک بندوں میں داخل فرما۔

نیز حدیث کے یہ الفاظ دہرائے :-

الحمد لله الذی بعزته وجلاله	اس خدا کا شکر ہے جس کی عزت و جلال
تتم الصالحات۔	سے نیک کاموں کی توفیق تکمیل ہوتا ہے۔

اس جلد پر حقیقتاً صالحین کے تذکرہ کے اس سلسلہ کا اور اس حیثیت سے اس عمل صالح کا اتمام ہوتا ہے کہ یہ حصہ بارہویں صدی ہجری کی ان اصلاحی و تجدیدی کوششوں اور کارناموں پر مشتمل ہے جن کے مبارک اثرات ابھی تک باقی ہیں اور کم سے کم برصغیر ہند کے

دینی ادارے، علوم دینیہ کے مراکز، اسلام کی سر بلندی کی کوششیں اور تحریکات، اور دینی، علمی و تصنیفی سرگرمیاں ان ماسعی کے نتائج سے ابھی تک متمتع ہو رہی ہیں، اور ان کے سایہ میں اپنا سفر طے کر رہی ہیں، اور اس لئے بھی یہ بات خلاف واقعہ نہیں ہے کہ مصنف سیرت سید احمد شہیدؒ (۱-۲) کی تالیف کے ذریعہ جو ۱۹۳۹ء میں پہلی بار شائع ہوئی تھی، اس سلسلہ کو تیرہویں صدی کے آخر تک (اور جہاں تک اس تحتی بڑا عظم کا تعلق ہے) چودھویں صدی کی کئی دینی شخصیتوں اور داعیوں (جن میں حضرت مولانا محمد ایاس صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں) کی سوانح مرتب کر کے اس سلسلہ کو اپنے زمانہ تک پہنچا چکا ہے، اس طرح درحقیقت "تایخ دعوت و عزیمت" کا چھٹا حصہ بھی اور ساتویں حصہ کا بڑا حصہ بھی مرتب ہو چکا ہے اب یہ اس کے بعد کے مصنفین اور تحقیقی کام کرنے والوں کا کام ہے کہ تیرہویں صدی ہجری کے عالم اسلام کے علمبرداران اصلاح و دعوت اور دینی قائدین کی خدمات اور کارناموں پر روشنی ڈالیں جو عالم اسلام کے مختلف حصوں میں پیدا ہوئے، اور انھوں نے دعوت و اصلاح اور جہاد فی سبیل اللہ کا کام انجام دیا، پھر چودھویں صدی ہجری کی (عالم اسلام کے پیمانہ اور سطح پر) اصلاحی علمی و فکری اور دعوتی کوششوں کا جائزہ لیں اور اس کی روئیداد مرتب کریں کہ "تایخ دعوت و عزیمت" کا موضوع کسی خاص عہد اور ملک سے مخصوص نہیں، اس کا سلسلہ دعوتی و اصلاحی کوششوں، فکر اسلامی کی تجدید، علوم دینیہ کے احیاء و اشاعت اپنے اپنے زمانہ کے مغالطوں اور تحریفات کا پردہ چاک کرنے اور دین کی حقیقت، روح اور جوہر کو بے نقاب کرنے، اپنے اپنے زمانہ کے فتنوں اور ضلالتوں کے مقابلہ اور ان کے ازالہ کی کوششوں کے ساتھ اس وقت تک چلتا رہے گا، جب تک دین

باقی ہے اور یہ دنیا قائم ہے اس لئے کوئی شخص بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس نے اس موضوع کا حق ادا کر دیا، اور اس سلسلہ کو اختتام تک پہنچا دیا کہ حدیث کے الفاظ میں :-

یجمل هذا العلم من کل خلف	اس علم کے ہر نسل میں ایسے عادل
عدولہ ینفون عنه تحریف	و متقی حامل و وارث ہوں گے جو
الغالبین، وانتقال المبطلین	اس دین سے غلو پسند لوگوں کی تحریف
وتأویل الجاہلین	اہل باطل کے غلط انتساب و دعویٰ
	اور جاہلوں کی دور از کار تاویلات کو
	دور کرتے رہیں گے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی اصلاح و تجدید کا دائرہ چونکہ اپنے اندر بڑی وسعت اور تنوع رکھتا تھا، اور اس میں علمی و فکری رنگ غالب تھا، اس کے حدود میں تدریس و تصنیف، اشاعت کتاب و سنت، تطبیق بین العقل والنقل اور توفیق بین المذاهب الفقہیۃ، اسرار و مقاصد شریعت کی توضیح، آنے والے عقلی دور کی رعایت، تربیت و ارشاد، ہندوستان میں اسلامی اقتدار کی حفاظت، سیاسی تبدیلیوں اور ابھرتی ہوئی طاقتوں کا حقیقت پسندانہ جائزہ اور ان میں ملت کے تحفظ اور شخص کے بقا کی ممکنہ تدبیریں، علوم اسلامیہ میں مجتہدانہ فکر و نظر اور اس کی طبقہ علماء کی طرف منتقلی کی کوششیں سب شامل تھیں، اس لئے مصنف کو اس میں اس مطالعہ و فکر و نظر کی ضرورت پیش آئی جو کم حصوں میں پیش آئی تھی، اسی کے ساتھ دوسری مصروفیتیں اور

لے مشکوٰۃ شریف۔

ذمہ داریاں بھی عنان گیر رہیں، پھر بھی خدا کا شکر ہے کہ اس حصہ کی تکمیل میں وہ طویل وقفہ نہیں ہوا، جو اس سے پہلے دو حصوں کے درمیان عموماً پیش آتا تھا۔

مصنف اپنے اُن عزیز رفقاء کے کار و معاونین کا شکر گزار ہے، جنہوں نے مآخذ کی فراہمی بعض طویل فارسی و عربی عبارتوں کے ترجمہ اور کتاب کی تسوید و تبیین اور نظر ثانی میں مدد کی، نیز مطبوعہ اور قلمی کتابوں اور ان کے ایڈیشنوں کی تحقیق میں ان کی محنت اور کوشش شامل ہے، ان میں مولوی شمس تبریز خاں رفیق، مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، مولانا محمد برہان الدین سنبھلی، استاد تفسیر حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء، مولوی عتیق احمد صاحب مدرس دارالعلوم ندوۃ العلماء، مولانا ابوالوہار خان صدائے ستارہ، استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء، مولوی سید محمد تقی صاحب نقوی ناظر کتب خانہ ندوۃ العلماء، اور مولوی محمد ہارون سلار، نچارج شعبہ مخطوطات کتب خانہ ندوۃ العلماء، اور عزیز می مولوی نثار الحق ندوی خاص طور پر قابل ذکر و شکر ہیں، عزیز گرامی مولوی نور الحسن راشد صاحب کاندھلوی خاص طور پر شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے شاہ صاحب کے خاندانی حالات و اخلاف کے سلسلہ میں بعض قیمتی معلومات فراہم کیں، اور بعض مآخذ کی نشاندہی کی، عزیزان مولوی غفران ندوی و مولوی غیاث الدین ندوی نے حسب سابق کتابت و طباعت کی تکمیل اور اندکس کی تیاری میں پوری ذمہ داری اور انہماک کے ساتھ حصہ لیا، فجزاہم اللہ خیراً۔

آخر میں مصنف کی یہ دعا اور تمنا ہے کہ یہ حصہ کسی درجہ میں بھی (یہ تو کہنے کی جرات نہیں کی جاسکتی کہ اس بلند و بالا شخصیت کے شایان شان ہو جس سے اس کا تعلق ہے) موضوع و مقصد کے لحاظ سے مفید، ہمت آفریں، فکر انگیز، مزید مطالعہ اور تحقیق کے لئے محرک اور سعی و جہد کے لئے شوق انگیز ہو کہ اس دور انقلاب اور اس عہدِ پرفتن

اس سے خاص طور پر رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔

وما ذلک علی اللہ یعزیز

ابواحسن علی ندوی

۹۔ بے نظیر بڈنگ، بابئی کٹرہ، بمبئی

۱۲ ربیع الثانی ۱۴۰۴ھ
۱۶ رجب ۱۴۰۴ھ
دوشنبہ

باب اوّل

عالم اسلام بارہویں صدی ہجری میں

بارہویں صدی کے اسلامی ممالک کے حالات اور انقلابات کے مطالعہ کی اہمیت
تاریخ دعوت و حریت کی جلد چہارم کے آغاز میں (جو مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی
(۹۷۱ھ - ۱۰۵۳ھ) کی سوانح حیات ان کے عہد اور ان کے عظیم تجدیدی و انقلابی کارنامہ کی شرح و تفصیل
کے ساتھ مخصوص ہے) دسویں صدی ہجری کے (جس میں حضرت کی ولادت ہوئی اور آپ کا ذہنی و علمی
نشوونما ہوا) تاریخی مطالعہ کی اہمیت بیان کرتے ہوئے مصنف نے لکھا تھا:-

”ہم کو اس تاریخی حقیقت کو بھی پیش نظر رکھنا ہوگا کہ ایک عہد اس عہد کی دنیا، اور
انسانی معاشرہ ایک بہتے ہوئے دریا کی طرح ہوتا ہے جس کی ہر موج دوسری موج سے
مربوط و متصل ہوتی ہے، اس لئے کوئی ملک خواہ وہ باقی دنیا سے کتنا ہی کٹا ہوا اور الگ تھلگ
زندگی گزار رہا ہو، گرد و پیش کی دنیا میں پیش آنے والے اہم واقعات، انقلابات، باہم
نیروآزماقتوں اور طاقتوں، تحریکوں سے یکسر غرضناز اور غیر متعلق نہیں رہ سکتا، خاص طور پر
جب یہ واقعات، انقلابات اس کے ہم جنس، ہم مسلک اور ہم عقیدہ پڑوسی ممالک میں
پیش آ رہے ہوں، اس بنا پر اس تاریخی جائزہ میں ہندوستان کے دائرہ کے اندر محدود رہنا
درست نہیں ہوگا، ہم کو دسویں صدی ہجری کی یورپی دنیا، اسلام اور خاص طور پر

گرد و پیش کے مسلم ممالک پر بھی نظر ڈالنی ہوگی، جن سے اگرچہ ہندوستان کے سیاسی روابط نہ تھے، لیکن دینی، تہذیبی اور علمی روابط تھے، اور وہاں جو سرد و گرم ہوا میں چلتی تھیں ان کے چھوٹے بڑے مسافرت کے باوجود ہندوستان تک بھی پہنچ جاتے تھے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ اور ان کے تجدیدی کارنامہ پر روشنی ڈالنے کے سلسلے میں اس تاریخی حقیقت کو پیش نظر رکھنے اور اس اصول پر عمل کرنے کی اور بھی زیادہ ضرورت ہے کہ ان کی ذہنی و علمی تربیت میں حجاز مقدس کا بنیادی حصہ تھا، جہاں انھوں نے (۱۱۴۳ھ - ۱۱۴۴ھ) ایک سال سے زیادہ قیام فرمایا، اور اس وقت کے فن حدیث میں مرجع خلافت اور امام فن شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم کروی مدنی سے فن حدیث کی تکمیل کی، جن کے حلقہ درس میں بلاد و امصار کے طالبین حدیث مجتمع تھے، اور علمائے حرمین سے (جو مختلف ممالک اسلامیہ اور عربیہ سے تعلق رکھتے تھے) ان کی طویل صحبتیں تھیں، اس وقت حجاز سلطنت عثمانیہ کی تولیت اور انتظام میں تھا، اور شرفائے مکہ سلاطین آل عثمان کے نائب کی حیثیت سے امارت کے منصب پر فائز تھے، حج کے علاوہ بھی (جو ہر سال عالم اسلام کے بہترین دل و دماغ اور شمع حرم کے پروانوں کی ایک جگہ جمع کر لیتا ہے) اس دور میں حرمین شریفین اور خاص طور پر مدینہ طیبہ علم حدیث کا سب سے بڑا مرکز بنا ہوا تھا، جہاں اس علم کے شائقین دنیا کے گوشہ گوشہ سے اکٹھا ہوتے تھے، وہاں بیٹھ کر پورے عالم اسلام کی روحانی، علمی، اخلاقی، تمدنی، معاشرتی اور سیاسی حالت کا جائزہ آسانی سے لیا جاسکتا تھا، ان تمام حیثیتوں سے مختلف ممالک اسلامیہ و عربیہ کی ترقی و انحطاط اور عروج و زوال کا آسانی اندازہ کیا جاسکتا تھا، اور وہاں کی مختلف شخصیتوں، باکمال افراد، اصلاحی تحریکوں و دعوتوں اور لے تا بیخ دعوت و عزیمت، حصہ چہارم ص ۲۲۷، شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے آخر میں حجاز پہنچے تھے، اور ۱۱۴۵ھ کے آغاز میں مراجعت فرمائی، شاہ صاحب نے دو حج کئے۔

انتظار انگیز کوششوں اور سازشوں سے واقفیت حاصل کی جاسکتی تھی، بلکہ عالم اسلام کی بعض جگہاں کی رفتار اور قلب اسلام کی دھڑکنوں کو ٹٹا جاسکتا تھا، اور شاہ ولی اللہ صاحب کے بیدار مغز اور درد مند دل رکھنے والے انسان نے جس کو تدبیر الہی تجدید و احیاء دین کے کارِ عظیم کے لئے تیار کر رہی تھی، اس سے ضرور فائدہ اٹھایا اور اثر کیا ہوگا، اور انھوں نے اس سے اپنے فکر و نظر کی توسیع اور اپنی دعوت اور فلسفہ کی آفاقیت میں پورا کام لیا ہوگا۔

مزید برآں ہندوستان صدیوں سے وسط ایشیا کی تورانی و افغانی نسل کے ترک تازوں کی جولان گاہ اور سیاسی و انتظامی حیثیت سے ان کے زیر اثر رہ چکا تھا اور وقتاً فوقتاً اسکے نظم و نسق کے ڈھانچہ اور اس کی حکومتوں کے اثر پذیر حیم میں وہیں سے تازہ اور گرم خون آتا اور اس کے ذریعہ اسی انتظامیہ اور فوجی طاقت میں نئی توانائی اور رعنائی پیدا کرتا تھا، اور جب ہندوستان میں مدت دراز سے حکومت کرنے والا خاندان "پیری و صدعیب" کی منزل پر پہنچ جاتا، تو دورہ خیر یا دورہ بولان کے راستہ سے ایک تازہ دم عسکری طاقت ہندوستان میں قدم رکھتی، اور اس سلسلہ حکومت میں جس کا ایک ہی دین (اسلام) ایک ہی مذہب (اہل سنت و جماعت) ایک ہی آئین (شرع محمدی) ایک ہی زبان (ترکی و فارسی) اور ایک ہی تہذیب (عربی، ایرانی، ترکی، ہندوستانی اثرات کا آمیزہ) تھی، طاقت کا ایک انجکشن دیتی اور اس کو زندگی کی ایک نئی قسط عطا کر دیتی۔

پھر اس حقیقت کو بھی نہیں بھولنا چاہئے کہ بابر کے تسخیر ملک اور سلطنت مغلیہ کے قیام کے بعد سے افغانستان اور اس کے اہم ترین صوبے کابل و قندھار عظیم ہندوستانی مسلمان سلطنت کا ایک حصہ اور اس کا بیرونی قلعہ اور بالاحصار "بے ہن" شاہ صاحب ہی کے عہد میں نادر شاہ ایران کی ہندوستان میں آمد اور دہلی پر حملہ ہوا، اور آپ ہی کے عہد میں والی قندھار احمد شاہ ابدالی نے کئی بار ہندوستان کا رخ کیا، اور بالآخر ۱۷۴۷ء (۱۱۷۱ھ) میں پانی پت کے

میدان میں مرہٹوں کو شکست فاش دے کر واقعات کا دھارا اور تاریخ کا نئخ بدل دیا، اور سلطنتِ مغلیہ کو سنبھلنے، اور ہندوستان کے مسلم معاشرہ اور طبقہٴ امر کو نیا کردار ادا کرنے کا موقعہ دیا، جس کو وہ اپنی نالہلی سے ادا نہیں کر سکے، یہ سب واقعات نہ صرف شاہِ صاحب کے عہد کے ہیں، بلکہ آخر الذکر واقعہ میں ان کی رہنمائی شامل ہے، یہ دونوں حملہ آور ایران و افغانستان سے تعلق رکھتے تھے، اس لئے شاہِ صاحب کے عہد اور بارہویں صدی کے جائزہ میں ان دونوں کے حالات اور انقلاباتِ سلطنت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

ہندوستان پر ایران کے ثقافتی و تہذیبی اثرات

پھر جس طرح ہندوستان پانچویں صدی ہجری سے سیاسی اور فوجی حیثیت سے ترکستان و افغانستان کے زیر اثر رہا ہے، اسی طرح وہ علمی، ادبی، ثقافتی، تہذیبی اور فکری حیثیت سے کم و بیش ایران کے زیر اثر رہا ہے، وہاں کا ادب و شاعری، تصوف کے سلاسل و طرق، اور آخر میں وہاں کا نصابِ درس اور طریقہٴ تعلیم، اور وہاں کے علماء اور اساتذہٴ فن کی تصنیفات ہندوستان کے ذہن و دماغ پر سایہٴ فگن رہی ہیں، بالخصوص ہمایوں کے ایران جانے اور وہاں کی مدد سے سلطنتِ ہندوستان کے دوبارہ حصول کے بعد سے، پھر دورِ اکبری میں امیر فتح الشیرازی اور حکیم علی گیلانی کی آمد کے بعد سے ہندوستان اپنے نصابِ طریقہٴ تعلیم معیارِ فضیلت کے تعین اور معقولات و علومِ حکمت کے میدان میں ایران کا کلتیہٴ خوشہ چیں بلکہ بلج گزار اور غاشیہ بردار بن گیا، اور اس سلسلہ میں حقیقتاً ایران کا ہندوستان پر اقتدارِ اعلیٰ قائم ہو گیا، اس حقیقت کے پیش نظر ہم اس تاریخی جائزہ میں ایران اور اس میں پیش آنے والے واقعات سے کسی طرح صرف نظر نہیں کر سکتے۔

لہٰذا اس کی تفصیل بعد کے ابواب میں آئیگی۔

سلطنت عثمانیہ کی عظمت و اہمیت

افغانستان و ایران کے پڑوسی ملکوں کے ماسواہم اس سلطنت عثمانیہ سے بھی (جس نے دسویں صدی کے اوائل سے خلافت کا منصب نبھال رکھا تھا) آنکھیں نہیں بند کر سکتے جس کا مستقر اگرچہ جزائری اعتبار سے ہندوستان سے بہت دور یورپ اور ایشیائے کوچک میں واقع تھا، لیکن تقریباً تمام عرب ملک (مصر، شام، عراق، یمن، نجد و حجاز اور شمالی افریقہ کا ایک بڑا حصہ) اس کے ماتحت تھے، حرم و مقلات مقتدرہ کے پاس بان و متولی ہونے، خلافت اسلامی کے حامل و امین ایک بڑی طاقت اور ہمنشاہی کی حیثیت سے بھی اور مغرب اور مخالف اسلام طاقتوں کی نگاہ میں اسلامی طاقت کا نشان اور بہت سے اسلامی ممالک کا محافظ و پاسبان ہونے کی بناء پر بھی تمام دنیا کے مسلمان اس کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھتے تھے، اور وہاں پیش آنے والے واقعات سے نہ صرف دلچسپی رکھتے تھے، بلکہ اثر لیتے تھے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسا عالمی ذہن رکھنے والا انسان جس کی تاریخ اسلام پر گہری نظر تھی، سلطنت عثمانیہ سے صرف نظر نہیں کر سکتا تھا، وہ خلافت کی شرعی حیثیت اور سیاسی و اجتماعی اہمیت کے رمز آتھا تھے، اور دین و اخلاق اور صالح معاشرہ اور صحت مند تمدن و معیشت کے لئے آزاد حکومت و غیر فاسد سیاسی طاقت کو ضروری سمجھتے تھے، اور مسلمانوں کو نہ صرف اپنے ملک بلکہ باطالعالم پر ایک مؤثر اور صاحب امر و نہی طاقت کے طور پر دیکھنے کے آرزو مند تھے، وہ مسلمانوں کی سب سے بڑی سلطنت کے عروج و زوال اور اس کے داخلی سکون و انتشار کی طرف سے کیسے آنکھیں بند کر سکتے تھے، خصوصاً جبکہ وہ ایک سال سے زائد اس کے محبوب ترین اور محرز ترین دائرہ حکومت حجاز میں کھلی پہلی آنکھوں بیدار دماغ اور حساس دل کے ساتھ قیام کر چکے تھے، اور اس کے مقبوضات اور زیر انتظام ملکوں مصر و شام و عراق سے آنے والوں کی زبانی ان اثرات کا جائزہ لے چکے تھے، جو سلاطین آل عثمان ان کے وزراء

شیوخ اسلام اور علمائے ترکی کے رجحانات و نفسیات کے نتیجے میں ان ملکوں کے علمی و دینی حلقوں پر پڑ رہے تھے، اس لئے ہمیں بارہویں صدی ہجری (اٹھارویں صدی عیسوی) میں سلطنت عثمانیہ، اس کے اپنے پڑوس کے عیسائی مغربی ممالک سے تعلقات، شکست و ریخت، عزت و نصب اور سیاسی طاقت کے مدوجز پر بھی ایک جمالی نگاہ ڈالنی ہوگی۔

عالم اسلام کی سیاسی حالت

ہم پہلے اس وقت کے عالم اسلام کی سیاسی حالت، حکومتوں کے انقلابات اور اہم حوادث پر نظر ڈالیں گے، پھر عالم اسلام کا علمی، دینی، اخلاقی و روحانی جائزہ لیں گے۔

سلطنت عثمانیہ بارہویں صدی میں

شاہ صاحب ۱۱۱۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۱۶۶ھ میں انھوں نے وفات پائی، اس عرصہ (۶۲ سال) میں سلطنت عثمانیہ کے تخت پر پانچ سلاطین مصطفیٰ ثانی (م ۱۱۱۵ھ) احمد ثالث (م ۱۱۳۴ھ) محمود اول (م ۱۱۶۶ھ) عثمان ثالث (م ۱۱۷۱ھ) اور مصطفیٰ ثالث (م ۱۱۸۶ھ - ۱۱۸۹ھ) آئے اور گئے۔

شاہ صاحب کے زمانہ شعور اور فکر و عمل میں احمد ثالث، محمود اول، عثمان ثالث اور مصطفیٰ ثالث نے عمان سلطنت و خلافت بنیالی، لیکن اہم مدت (شاہ صاحب کے آخری پانچ سال کا زمانہ) مصطفیٰ ثالث کے عہد میں گزری۔

مصطفیٰ ثالث نے سولہ برس آٹھ مہینے حکومت کی ان کے زمانہ میں سلطنت عثمانیہ اور روس کے درمیان جنگ چھڑی، سلطنت عثمانیہ کو اس جنگ (۱۷۶۹ء) میں شکست ہوئی جس میں روس کا کوئی

کارنامہ نہ تھا، لیکن حوادث اور انتظامات کی کمی کو دخل تھا، انفسٹن روسی جنرل نے قسطنطنیہ پر بھی حملہ کا ارادہ کیا، لیکن اس کو باز رکھا گیا، مصطفیٰ انہاں نے فوج کی تقویت اور عسکری اصلاحات کی طرف بھی قدم اٹھایا اور کچھ فوجی کامیا بیاں بھی حاصل کیں، روس نے صلح کے لئے کچھ شرطیں پیش کیں، جو توہین آمیز تھیں، بخارست میں ۱۳ شعبان ۱۱۸۶ھ (شاہ ولی اللہ صاحب کی وفات کے دس سال بعد) ۹ نومبر ۱۷۷۹ء میں کانفرنس ہوئی، جس میں کچھ شرطیں پیش کی گئیں، سلطنت عثمانیہ نے ان کو ٹھکرا دیا، اور ترکی افواج کو جنگ شروع کرنے کا حکم دیا، جنگ کے نتیجے میں روس کو شکست فاش ہوئی، روسیوں کی مرعوبیت کا یہ حال تھا کہ عثمانی افواج جب بازار حق (اب جو TOBULKHIN کہلاتا ہے) سے گزریں تو شہر کی پوری آبادی شہر چھوڑ کر چلی گئی، مؤرخ ہمر (HEMER) لکھتا ہے کہ "عثمانیوں نے آگ پر چڑھی ہوئی ہانڈیاں پائیں جن میں گوشت تھا" ۸ ذی قعدہ ۱۱۸۷ھ (۳۱ جنوری ۱۷۷۴ء) کو سلطان مصطفیٰ ثالث نے وفات پائی، مؤرخین اس کے عدل اور امور خیر کی خواہش و کوشش کی تعریف کرتے ہیں، اس نے اپنے زمانہ میں بہت سے مدارس اور خانقاہیں قائم کیں۔

شاہ شجاع کا عہد شباب تھا کہ سلطنت عثمانیہ میں مطبعوں کا رواج ہوا، اور پہلا مطبعہ قسطنطنیہ میں قائم ہوا، اسی عہد میں نجد و حجاز میں شیخ محمد بن عبدالوہاب (۱۱۱۵-۱۲۰۶ھ) کی تحریک نے فروغ پایا، عثمان ثالث کے

۱۷ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ الدولة العلیة العثمانیة " از محمد فرید بک المامی۔ طبع بیروت

۱۸ تاریخ الدولة العلیة العثمانیة " ۳۲۹-۳۳۰

۱۹ بعد میں سعود بن عبدالعزیز (۱۱۶۳-۱۲۲۹ھ) امیر نجد نے اسی دعوت مجاہدانہ جوش اور فوجی تنظیم کی طاقت سے ۱۲۱۵ھ میں حجاز اور جزیرۃ العرب کے بڑے حصہ پر قبضہ کر لیا، ۱۲۲۳ھ میں خدیو محمد علی والی مصر کی کوشش سے اس حصہ پر دوبارہ ترکی سلطنت کا مکمل قبضہ ہوا، نجدی امیر عبداللہ بن سعود بن عبدالعزیز قسطنطنیہ بھیج دیئے گئے، جہاں وہ قتل کر دیئے گئے۔

زمانہ میں علی بے (الملقب بـ شیخ البلد) مصر کی حکومت و انتظامات پر پورے طور پر حاوی ہو گئے، انھوں نے روسی جہز کے ساتھ جو بحریہ پرستیں تھا، سازش کر لی اور شرط کی کہ وہ ذخائر اور اسلحہ سے ان کی مدد کرے گا تا کہ مصر خود مختار ہو جائے اس کی مدد سے علی بے عترہ، نابلس، قدس، یافہ اور دمشق پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوا، وہ اناطولیہ کے حدود کی طرف رخ کرنے کی تیاری کر رہا تھا کہ ملوک سزادوں میں سے ایک سردار محمد بے مشہور بابی الذہب نے اس کے خلاف علم بغاوت بلند کیا جس کی وجہ سے علی بے کو مصر واپس آنا پڑا، اور اس نے شکست کھائی، اس اندوہناک جنگ اور انتشار کے نتیجہ میں بیروت پر روسی جہازوں نے آتش باری کی جس سے تین سو کے قریب مکانات برباد ہو گئے، مصر میں محرم ۱۱۸۶ھ میں علی بے اور محمد بے کی فوجوں کا مقابلہ ہوا، ابو الذہب کامیاب ہوا، اور علی بے گرفتار ہوا، اور زخمی حالت میں اس نے انتقال کیا، اس کا سر کاٹ کر چار روسی افسروں کے ساتھ عثمانی گورنر خلیل پاشا کے پاس بھیج دیا گیا جس نے ان کو قسطنطنیہ روانہ کر دیا، اور مصر دوبارہ سلطنت عثمانیہ کے کئی قبضہ میں آ گیا۔

حجاز کی صورت حال

شاہ صاحب نے جب حجاز کا سفر کیا، اور حرمین شریفین میں طویل قیام فرمایا، تو اس وقت سلطان محمود اول (۱۱۴۳ھ - ۱۱۶۱ھ) کی سلطنت و خلافت کا زمانہ تھا، اس وقت حجاز میں سلطنت عثمانیہ کے نائب و نمائندہ امیر حجاز (جو شریف مکہ کہلاتے تھے) محمد بن عبداللہ بن سعید بن زید بن محسن الحسینی (م ۱۱۶۹ھ) والی حجاز تھے، جو اپنے والد کی وفات پر ۱۱۴۳ھ میں امارت حجاز لے بعض کتابوں میں ان کا نام محمد بن عبداللہ بھی آیا ہے، شاید نقلی مائمت سے بچنے کے لئے ادباً ایسا کیا گیا۔

پر متعین ہوئے، ان کا زمانہ خانہ جنگیوں اور امارت کے لئے خاندانی کشمکش کا زمانہ تھا، ۱۱۳۵ھ میں ان کے چچا مسعود بن سعید نے ان کو ہٹا کر امارت حجاز پر قبضہ کر لیا، لیکن ۱۱۳۶ھ میں انھوں نے دوبارہ یہ منصب حاصل کیا، لیکن پھر چچا نے ان کو معزول کر دیا، اور ۱۱۶۵ھ تک حین حیات وہی اس پر قابض و متصرف رہے، ان کے زمانہ میں حجاز میں سکون اور امن و امان قائم رہا، مورخین ان کو بیدار مغز اور سیاسی سوجھ بوجھ کا آدمی بتاتے ہیں۔

بارہویں صدی کے اس عہد وسطیٰ میں راستوں کی بد امنی، بدوؤں کی غارتگری، اور بد انتظامی کی شکایت تاریخ کی کتابوں اور حج کے سفر ناموں میں عام طور پر ملتی ہے، جو سلطنت کے مرکز (قسطنطنیہ) کی دوری، ترکوں کی حجاز کے اندرونی معاملات میں امکانی حد تک دخل دینے سے احتراز کی پالیسی اور شرفائے مکہ کے (جو مسلم النسب حسنی سادات میں سے تھے) معاملہ میں ضرورت سے زیادہ محاذ و مروت، عربوں کے معاملہ میں غلو کی حد تک احترام و عقیدت، اور ان کی زیادتیوں سے لے کر امراء مکہ کا (جو حسنی سادات میں سے منتخب ہوتے تھے) احساس کی وجہ سے ان کو اشراف کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا) سلسلہ جو تھی صدی ہجری کے ثلث اول سے شروع ہو گیا تھا، پہلے شریف مکہ کا تقریباً سی خلیفہ المطیع للشر (۱۱۳۲ھ تا ۱۱۳۳ھ) کے عہد میں ہوا، سلطان سلیم کے شام و مصر پر قبضہ اور جریر میں خیرین کو اپنی تولیت و انتظام میں لینے کے وقت تک شرفائے مکہ کا تقریباً تھوڑے ملک خاندان کے فرمانروائوں کی طرف سے ہوتا تھا، سلطان سلیم نے اس وقت کے شریف کو اتید بركات العوان کے نرزدید ابوی کو اپنے منصب پر برقرار رکھا، اور وہ بدستور امیر مکہ رہے، اس کے بعد سے یہ سلسلہ شریف حسین کی امانت تک جاری رہا جنھوں نے (جون ۱۹۱۶ء) شبان ۱۳۳۵ھ میں عثمانیوں کے خلاف بغاوت کی اور جنوری ۱۹۲۶ء میں سلطان ابن سعود کے قبضہ کے بعد حجاز سے بے دخل ہوئے۔ لے الا اعلام ج ۸ ص ۱۱۱-۱۱۲ (بحوالہ خلاصۃ الکلام و عنوان المجد)

وتذیل شفاء الغرام لأخبار البلد المحرم ج ۲ ص ۳۰۹-۳۱۰ باب ولایة مکة

چشم پوشی کی سیاست، پھر مزید برآں امارت حجاز کے موروثی اور ایک ہی خاندان میں محدود ہونے کا قدرتی نتیجہ تھا، یقینی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ شاہ صاحب نے ان غیر اطمینان بخش حالت، منصب امارت کے لئے رقیبانہ و حویفانہ کشاکش اور نظم و نسق کی کمزوری کو اپنی چشم بصیرت سے دیکھا بھی ہوگا، اور دینی حمیت سے معمور قلب سے محسوس بھی کیا ہوگا، چچا بختیگر کی منصب امارت کے لئے محرکہ آرائی جو ۱۲۹۵ھ میں پیش آئی، عجیب نہیں کہ ان کے زمانہ قیام میں ہوئی ہو، اور انھوں نے اس سے دور رس نتائج اور اخلاقی زوال کے شواہد اخذ کئے ہوں۔

یمن

یمن میں بھی تقریباً اسی طرح کا نظام نافذ تھا کہ سیاسی و خارجہ پالیسی کے اعتبار سے سلطنت عثمانیہ کے ماتحت، اور والی ترکی (گورنر) کے جو سلطنت کی طرف سے متعین کیا جاتا تھا، موجود ہونے کے ساتھ وہاں امامت کا نظام نافذ تھا، جو یمن میں تیسری صدی ہجری کے وسط سے چلا آ رہا تھا، اور جس پر نسابادات اور مذہباً زیدی شیخ حضرات فائز ہوتے تھے، اہل یمن ان کے لئے علامہ محمد ابو زہرہ نے اپنی کتاب "تاریخ المذاهب الإسلامية" میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ زیدی شیعہ فرقوں میں اہل سنت و جماعت سے قریب تر اور معتدل ہیں، انھوں نے اللہ کو مرتبہ نبوت تک نہیں پہنچایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد صرف ان کی افضلیت کے قائل ہیں وہ صحابہؓ کی تکفیر نہیں کرتے، ان کا یہ بھی خیال ہے کہ جس امام کی آپ نے وصیت فرمائی تھی، اس کی تعیین نام و شخصیت سے نہیں کی تھی، بلکہ اوصاف بیان کئے تھے، جو حضرت علیؓ پر منطبق ہوتے ہیں، علامہ ابو زہرہ کی تحقیق ہے کہ اس فرقہ کے بانی امام زید ابن امام زین العابدینؓ شیخین (حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ) کی امامت کے قائل تھے، اور ان کی خلافت کو صحیح مانتے تھے (۲۹۹-۳۰۰)

ہاتھ پر خلافت کی بیعت کرتے تھے اور وہ امام کہلاتے تھے، جو اس منصب پر فائز ہو اس کا
 درجہ اجتہاد تک پہنچا ہوا ہونا، اور اپنے مذہب کا مسلم و متبرع عالم ہونا مفروضہ سمجھا جاتا
 تھا، یمن سلطان سلیمان قانونی ابن یاؤز سلیم کے زمانہ حکومت میں سلطنت عثمانیہ میں شامل
 ہوا، اس وقت اثنا عشریہ کے فرزند و جانشین السید المظہر (ابن الامام شرف الدین) (م ۹۹۰ھ)
 حاکم و امام یمن تھے، ترکی حاکم اور قائمندان پاشا اور ان کے درمیان جنگ ہوئی، اور یمن
 سلطنت عثمانیہ کے زیر نگین ہو گیا، لیکن ترکوں نے حجاز کی طرح یہاں بھی امارت کا نظام
 قائم رکھا، اور ایک طرح کی داخلی خود مختاری دے دی، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب جب
 حجاز میں تھے تو اس وقت یمن میں الامام المنصور با اللہ المحیین بن المتوکل علی اللہ
 قاسم بن حسین امام یمن تھے، جن کا عہد امامت و حکومت ۱۱۳۹ھ سے ۱۱۶۱ھ تک قائم رہا،
 مذہب زیدی کی حکومت اور فروغ کے باوجود رعایا زیادہ تر سنی اور مذہب شافعی تھی، یمن
 بارہویں اور تیرہویں صدی میں علم حدیث کا اہم مرکز رہا ہے، جہاں بارہویں صدی میں محمد بن
 اسماعیل الامیر (م ۱۱۴۲ھ) صاحب نیل السلام، اور تیرہویں صدی میں علامہ محمد بن
 علی الشوکانی (م ۱۲۵۹ھ) صاحب نیل الادوار پیدا ہوئے، حجاز کے قیام میں شاہ صاحب
 قرب مکانی اور روابط علمی کی بناء پر علمائے یمن کی تصنیفات اور ان کی محدثانہ خدمات سے
 ضرور واقف ہوں گے۔

ایران

ایران میں خاندان صفوی کی سلطنت پر دو صدیاں گزر چکی تھیں، اور قانون قدرت

لے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو البرق الیمانی فی الفتح العثماني "از علامہ قطب الدین بہرولی (مینی) حنفی

کے مطابق اس پر پیری و اضمحلال کا وہ دور آگیا تھا جو فلسفی مونتسکیو ابن خلدون کے بقول آنے کے بعد جانے کا نام نہیں لیتا۔^{۱۱۳۰} ان الہم اذا اخل بدولة لا يرتفع۔ اس حالت کو دیکھ کر ہمایہ ملک افغانستان نے فائدہ اٹھایا، اور اپنے حوصلہ مند حکمران محمود خاں غلزئی کی قیادت میں ۱۱۳۱ھ میں ایران پر حملہ کیا اور اصفہان کو فتح کر لیا، حسین شاہ گرفتار ہوا، افغانوں نے باقی ملک کو بھی فتح کر لے کا ارادہ کیا، لیکن ان کی تعداد اس قدر نہ تھی کہ پورے ملک کو اپنے قبضہ میں رکھ سکتے، محمود خاں تین سال سلطنت کرنے کے بعد ۱۱۳۶ھ میں راہی ملک بھاگوا، اس کے جانشین اشرف خاں کے زمانہ میں ملک میں بدظمی پھیل گئی، اس وقت روس کے فرمانروا پیٹر اعظم نے ایران کے شمالی اضلاع پر حملہ کیا، صلح کے نتیجے میں ایران کو اپنے بہت سے زرخیز اور اہم اضلاع سے دستبردار ہونا پڑا، شاہ ایران قید میں تھا، خوش قسمتی سے اس کے شاہزادہ طہاسب کو ایک لائق صاحب عزم و نظم قائد مل گیا، جو خاندانی طور پر معمولی حیثیت کا مالک ہونے کے باوجود اپنی صلاحیتوں کی بناء پر اس گروہ میں شامل تھا، جو نئی سلطنتوں کی بنیاد رکھتے ہیں، یہ نادر شاہ افشار تھا۔

نادر شاہ افشار

نادر نے طہاسب کو اس کے آبائی تخت پر بٹھا دیا، دولت صفویہ زوال سے دوچار تھی، اور اس کے دوبارہ عروج کے آثار نہ تھے، سارے ملک میں افشار اور بے اعتمادی پھیلی ہوئی تھی، نادر نے اس صورت حال سے فائدہ اٹھا کر ایک نئی عسکری طاقت کی تنظیم کی، اس کی حوصلہ مندی اور مردانگی نے ایرانیوں میں ایک نئی روح پھونک دی، وہ آندھی پانی کی طرح اٹھا اور سارے ملک پر چھا گیا، اس نے ۱۱۳۳ھ میں افغانوں کو ایران سے بالکل بے دخل کر دیا، ۱۱۳۶ھ میں اس نے

لہ جب کسی سلطنت پر بڑھ چلے گا اور آسمانے تو پھر اس کی جوالی واپس نہیں آتی۔ (مقدمہ ابن خلدون)

کام لینے کا عادی بن گیا، انجام کار اس نے اپنے گرانقدر محسولوں اور جابرانہ تحصیلات سے ملک کو تباہ کر ڈالا۔ ۱۷۷۷ء میں نادر شاہ اپنے ہی قبیلہ کے ایک آدمی کے ہاتھ سے مارا گیا۔

ایران نادر شاہ کی وفات کے بعد

نادر شاہ کی موت کے بعد ایران میں ابتری پھیل گئی، اور طوائف الملوکی کا دور دورہ ہوا۔ اس کی فوج کے سالار اپنی اپنی سلطنت کے قیام کا خواب دیکھنے لگے، اس کی وفات کے بعد اس کا بھتیجہ علی قلی عادل شاہ (۱۷۷۷ء-۱۷۸۲ء) تخت نشین ہوا، اس نے اپنے خاندان کو قتل کروادیا۔ صرف شہزادہ شاہ رخ مرزا بچا جس کی عمر اس وقت چودہ برس تھی، عادل شاہ ایک سال کے اندر اندر اپنے بھائی ابراہیم کے ہاتھوں معزول ہوا، اور اندھا کر دیا گیا، لیکن ابراہیم کی فوج میں بغاوت ہو گئی، فوجی افسروں نے اس کو شکست دے کر قید پھر قتل کر دیا، اس کے بعد عادل شاہ کو بھی قتل کر دیا گیا، اس کے بعد زند خاندان ایران پر غالب آیا، اور کریم خاں زند (۱۷۶۳ء-۱۷۹۷ء) نے امیش برس تک ایران پر حکومت کی، اس نے شیراز کو اپنا پایہ تخت بنایا، وہ انصاف اور رحم دلی کی صفات سے متصف تھا، اس نے ایران کو خوریز جنگوں کے بعد سکون و آرام کا موقعہ دیا، اس لئے اس کی موت پر بڑا سوگ منایا گیا، متعدد کمزور جانشینوں کے بعد لطف علی کے عہد میں خاندان زند کا زوال مکمل ہو گیا، لطف علی (۱۷۹۷ء-۱۸۰۹ء) میں قتل ہوا، اور ایران کا تخت خاندان قاجار کے لئے خالی ہوا، چونکہ یہ عہد شاہ صاحب کے بعد کا ہے اس لئے ہم اس سے تعرض نہیں کرتے۔

افغانستان اور احمد شاہ ابدالی

اٹھارویں صدی سے پیشتر افغانستان کا ایک حصہ ایران کے ماتحت تھا، دوسرا ہندوستان کے ماتحت اور تیسرے حصہ پر بھارت کے خاندان حکمران تھے۔ ۱۷۷۱ء میں قندھار آزاد اور محمد خاں ہو گیا۔ ۱۷۷۴ء میں نادر شاہ نے افغانوں کو قندھار کی حکومت سے بے دخل کیا، اور افغانستان نیز مغربی ہند پر قبضہ کر لیا۔

اس وقت ایک شخص احمد خاں نامی جنگی قیدی کی حیثیت سے اس کے پاس لایا گیا، نادر شاہ اس سے بہت متاثر ہوا اور اس کو اپنے ذاتی خدمت گاروں میں شامل کر لیا، احمد خاں برابر ترقی کرتا گیا، اور بادشاہ کا اعتماد اس نے بیش از بیش حاصل کیا، نادر کے قتل پر اس نے افغانی صوبوں کی حنان حکومت سنبھال لی، وہ ابدالی قبیلہ کے دُڑانی (سدوزئی) شاخ سے تعلق رکھتا تھا، اس نے دُڑدوراں کا لقب اختیار کیا، اور اسی نسبت سے اس کا خاندان دُڑانی کہلایا۔

احمد شاہ نے دُڑانی خاندان کی حکومت اور دُڑانی سلطنت کی بنیاد رکھی، اس کی وفات پر افغان سلطنت مشرقی ایران (مشہد) پورے افغانستان، مکمل بلوچستان اور مشرقی سمت میں کشمیر اور پنجاب پر مشتمل تھی، وہ حقیقتاً اٹھارویں صدی کے وسط کے عظیم بانیان سلطنت، آزمودہ کار اور عالی ہمت سپہ سالاروں، اور خدا ترس و کریم النفس حکمرانوں میں شامل کئے جانے کے قابل اور بحیثیت مجموعی (ماحول) ابتدائی زندگی اور بے سرو سامانی کو سامنے رکھتے ہوئے (عبقری (GENIUS) شخصیتوں میں شمار کئے جانے کا مستحق ہے، ۱۷۷۴ء سے ۱۷۷۹ء تک اس نے محمود غزنوی کی طرح ہندوستان کو اپنی ترک تازیوں کا میدان بنایا، اس کے تدبیر

مکرمی صلاحیت، مذہبیت، علم دوستی اور شرافتِ نفس کا اعتراف اس کے متعدد نامور معاصرین نے کیا ہے، اس نے عرصہ دراز کے بعد افغان علاقہ کو جو اس وقت چھوٹی چھوٹی اکائیوں پر مشتمل تھا، ایک مضبوط طاقت میں مسلک کر کے ایک بڑی اور مضبوط اکائی میں تبدیل کر دیا۔

افغانستان، احمد شاہ ابدالی کے بعد

احمد شاہ ابدالی نے ۱۱۸۶ھ (۲۳ اکتوبر ۱۷۷۲ء) کو قندھار میں وفات پائی، افسوس کہ عالمگیرِ عظیم کی طرح اس کے جانشین بھی کمزور و نااہل تھے (اور یہ المیہ اکثر عظیم بانیانِ سلطنت اور کامیاب فاتحین و حکمرانوں کے ساتھ پیش آیا ہے) تیمور شاہ کو جو اس کا جانشین اور اس نوخیز اور عظیم سلطنت کا وارث ہوا، اپنے نامور اور صاحبِ عزم باپ سے کوئی نسبت نہ تھی، بیش سال کمزوری کے ساتھ سلطنت کرنے کے بعد جس میں اس جو اس سال سلطنت کے اندر زوال کے آثار نمایاں ہو چکے تھے، ۱۱۹۳ھ میں اس نے انتقال کیا، اس کے فرزند محمود کی بادشاہی کے زمانہ ہی میں سلطنتِ بارک زئی خاندان میں منتقل ہو گئی، جو انقلابِ افغانستان ۱۱۹۵ھ تک افغانستان میں حکمران رہا۔

عالم اسلام کی علمی و دینی حالت

عالم اسلام کا سیاسی و انتظامی جائزہ لینے کے بعد اب ہم اس کا علمی و دینی جائزہ لے کر تفصیل بابِ نہم میں احمد شاہ ابدالی کے تذکرہ میں آئیں گے۔ ۱۱۹۵ھ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "بیت سید احمد شہید" حصہ اول "دہلی خاندان کا زوال اور اس کے ابواب" ص ۴۲۲-۴۲۳ ۱۱۹۵ھ اسی خاندان کے حکمرانوں سے حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کے رفقاء کو سابقہ پڑا، اور اسی کی آخری شلخ ظاہر شاہ پر ۱۱۹۵ھ میں ختم ہوئی۔

لیتے ہیں کہ اس کا شاہ صاحب کی زندگی ان کے موضوع و ذوق اور ان کے کار تجدید و اصلاح سے قریبی تعلق ہے۔

بارہویں صدی کے اہل کمال

مسلمانوں کی علمی و فکری تاریخ، اور ان کی تصنیفی و تحقیقی سرگرمیوں کی طویل روداد کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی علمی و فکری زندگی و نشاط، اور ان کی تصنیفی و تحقیقی سرگرمیاں، سیاسی عروج اور سلطنتوں کی ترقی و فتوحات سے مربوط و وابستہ نہیں رہی ہیں، جیسا کہ اکثر غیر مسلم اقوام و ملل کی تاریخ میں نظر آتا ہے کہ ان کے سیاسی زوال، انقلاب سلطنت اور بد نظمی و انتشار کے ساتھ ان کو علمی زوال اور قحط الرجال سے بھی واسطہ پڑتا ہے، سلطنتوں کی ہمت افزائی و سرپرستی، اور قوموں میں خود اعتمادی و احساس برتری کے فقدان کے ساتھ ان کے ذہن و فکر کے سوتے خشک، مسابقت کا جذبہ سرد، اور حکمرانیت عمل کمزور پڑ جاتے ہیں۔

مسلمانوں کا معاملہ اس سے مختلف ہے، بارہا ان کے سیاسی زوال اور اندرونی انتشار کے زمانہ میں ایسے ممتاز اہل کمال پیدا ہوئے، جو دور زوال و انحطاط کی پیداوار نہیں معلوم ہوتے، ساتویں صدی کے آخر میں سقوط بغداد اور تاتاریوں کے ان حملوں کے بعد جنہوں نے مشرقی دنیائے اسلام کو زیر و زبر کر دیا تھا، اور ان ممالک میں خاک اڑ گئی تھی جو صدیوں سے علم کا مرکز چلے آ رہے تھے، آٹھویں صدی کے اوائل ہی میں شیخ الاسلام تقی الدین ابن قتیق العید (م ۷۷۵ھ) جیسے محدث علامہ علاء الدین اباجی (م ۷۸۵ھ) جیسے اصولی و منکلم، شیخ الاسلام ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) جیسے امام و مجتہد، علامہ شمس الدین الفہمی (م ۷۸۵ھ) جیسے محدث و مؤرخ، اور علامہ ابو حیان نحوی (م ۷۸۵ھ) جیسے ماہر فن علماء نظر آتے ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ علوم دینیہ میں کمال پیدا کرنے اور ان کی خدمت و اشاعت کے محرکات اس امت کے اندرون اور باطن میں پائے جاتے ہیں نہ کہ بیرون (حکومتوں کی سرپرستی و قدر دانی) میں اور وہ محرکات ہیں رضائے الہی کا حصول، نیابتِ انبیاء کے فرض کی ادائیگی اور دین کی حفاظت کی ذمہ داری کا احساس اس لئے یہ عہد اگرچہ مجموعی طور پر سیاسی انتشار کا مہد ہے اور بڑی بڑی مسلم حکومتوں حتیٰ کہ سلطنت عثمانیہ کے زوال کے آثار شروع ہو گئے تھے، ملکوں پہاگ کہ مرکز اسلام حجاز تک میں حکومت و لہارت کے حصول کے لئے باہمی کشمکش اور نبرد آزمائی تھی، لیکن مصر، شام، عراق، حجاز و یمن، ایران و ہندوستان میں ہر جگہ علماء درس و تدریس میں مشغول علمی ذوق رکھنے والے تصنیف و تالیف میں سرگرم اور شائع طریقت تزکیہ نفس و اصلاح باطن میں نہک اور کمالات روحانی اور ترقیات باطنی سے آراستہ و متصف تھے اور ان میں سے بعض بعض نے ایسا امتیاز پیدا کیا تھا کہ اس کی نظیر ماضی قریب میں بھی دور تک نہیں ملتی۔

فن حدیث کو لیجئے تو اس میں علامہ ابوالحسن السندی الکبیر (م ۱۳۸۵ھ) جیسے محدث نظر آتے ہیں جنہوں نے مدت تک حرم شریف میں حدیث کا درس دیا، مصلح رستہ پران کے حواشی الہوامش السنۃ کے نام سے مشہور ہیں، مولانا محمد حیات سندھی (م ۱۳۶۳ھ) بھی اسی عہد کی زرب و زینت ہیں، شام میں شیخ اسماعیل العجلونی المشہور بالجراح (م ۱۳۶۲ھ) پایہ کے محدث تھے، ان کی کتاب "كشف الخفاء ومزيل الالباس، عما اشتھر من الأحادیث علی السنۃ الناس" (ج ۱-۲) بڑی مفید اور جامع کتاب ہے، جو ضعیف و موضوع احادیث کا غالباً سب سے بڑا مجموعہ ہے، کتاب سے ان کی وسعت نظر اور انصاف کا اندازہ ہوتا ہے، ضعیف و موضوع احادیث کے علاوہ وہ حدیثیں بھی ہیں جو زبان زد خلایق ہیں اور ان کی تخریج عام طور پر معلوم نہیں۔

لہٰذا یہ کتاب مکتبۃ التراث الاسلامی حلب نے شائع کی ہے۔

تدیس حدیث کا بڑا مرکز حرمین شریفین تھے، جہاں شیخ ابوالطاهر الکوردی، و شیخ
حسن الجیمی درس دیتے تھے، یمن میں سلیمان بن یحییٰ الابدلی (م ۱۱۹۶ھ) دیار یمن کے محدث جلیل
اور اپنے عہد کے بڑے خادم و ناشر حدیث تھے، محمد بن احمد السفارینی (م ۱۱۸۵ھ) حدیث اور
اصول کے بڑے عالم اور الذہبی المصنوعات فی الکما دیت الموضوعات کے مصنف تھے، یمن
میں الامیر محمد بن اسماعیل الحسینی الصنفانی (م ۱۱۸۲ھ) جلیل القدر محدث و محقق تھے جن کی یادگار
مجموع المرام کی مشہور شرح ہے۔ اسلام آباد تنقیح النظائر کی شرح تو ضیع الافکار ہے اسی صدی
میں علامہ محمد سعید السبیل (م ۱۱۷۵ھ) کا نام نظر آتا ہے، جن کے اوائل کتب حدیث پر
شیوخ حدیث کی اجازت حدیث کا اکثر و بیشتر اعتماد و انحصار ہے، محمد بن عیسیٰ نے علامہ محمد بن
عبد الباقی الزرقانی (م ۱۱۷۲ھ) کو خاتمة المحدثین بالدیار المصریۃ لکھا ہے۔

علی بن عمر کثرت تدیس و افادہ و کثرت تصنیف و تالیف کے لحاظ سے شیخ عبد الغنی ابن ابی
(م ۱۱۷۳ھ) اس عہد میں نمایاں ہیں، جن کے تلامذہ اور تشرعین کثرت سے نظر آتے ہیں اور ان کو
الاستاذ الاعظم کا خطاب دیتے ہیں، ان کی تصنیفات کی تعداد دو سو تیس بتائی جاتی ہے اسی عہد
میں علامہ اسماعیل حقی (م ۱۱۷۴ھ) بھی تھے، جو زوج البیان فی تفسیر القرآن کے مصنف ہیں،
جو تفسیر حقی کے نام سے مشہور ہے، بغداد کے علماء میں عبد الشرح جبین الشویدی (م ۱۱۷۴ھ)
صاحب تصانیف کثیرہ ہیں۔

جاء ازہر مصر، جاء الزیتونہ تونس، اور جامعة القروین فاس کے قدیم مدارس کے

لے الاوائل النبلیۃ فی اوائل کتب الحدیث لے ان معلومات کا اخذ البدیع الطالع بحاسن من

بعد القرن السابع (تصنیف علامہ محمد بن علی الشوکانی صاحب نیل الاوطار) اور سلك الدرر فی اعیان

القرن الثانی عشر للہرادی ہے۔ لے سلك الدرر، البدیع الطالع۔

علاوہ مدارس میں دمشق کے مدرسہ حافظیہ، المدارس الشلیہ اور المدارس العزازیہ کے نام ملتے ہیں، طرق میں سے نقشبندی، خلوتی، شاذلی، قادری، رفاعی کا بار بار تذکرہ آتا ہے اور ان کے شاخ ترک سے لے کر اندونیشیا تک پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں۔

عالم اسلام کے علمی ادبی و روحانی ذوق پر ایک نظر

اس زمانہ کے اہل علم پر غالب ذوق ادب، شاعری، علم مجلسی اور الفاظ و لطائف کا ہے، اس میں بھی کوئی بڑا تفوق اور ندرت نہیں معلوم ہوتی، سب سے اور توانی کی کثرت اور تکلفات عام ہیں، ترکی حکومت کے اثرات علمی و ادبی حلقہ پر بھی نمایاں ہیں، کوئی بڑا محقق اور صاحب نظر ڈھونڈنے سے نظر آتا ہے، مراد کی کئی سلک الدرر کی چار جلدیں قصائد، غزلیات اور ابیات و مقطوعات سے بھری ہوئی ہیں، مکاشفات، خوش عقیدگی اور کرامات کا بہت تذکرہ ملتا ہے، سلطنت عثمانیہ کے ماتحت ممالک کے علماء اور اہل کمال دار الخلافہ (قسطنطنیہ) جاتے ہیں اور حکومت کے مناصب پر فائز ہوتے ہیں، مستحولات، حساب و ہندسہ، علوم بلاغت، فقہ و حدیث نصاب کے اہم اجزاء ہیں، تعویذ و نقوش کا رولج عام ہے، بعض علماء نے فقہی متون قدوری وغیرہ کو نظم کیا ہے، متعدد عرب اہل علم فارسی اور ترکی سے بھی واقف تھے، سلطنت کی زبان ہونے کی وجہ سے ترکی سے (بالخصوص شام میں) لوگوں کو مناسبت تھی، ترک علماء کی ایک بڑی تعداد تھی، جو شام میں مقیم تھی، وہ فصیح عربی بولتے تھے، جامع اموی دمشق میں مسند درس پر بیٹھنا بڑے فخر

لے سلک الحدیث ملے ملتے اور پہیلیاں ملے ترک مزاج و فطرت سیاسی، منظم اور فوجی قوم (MARTIAL RACE) ہیں، ان کے طویل دور اقتدار میں علماء ابوالسعود طائشگیری زادہ، خلیفہ حلبی جیسے چند ممتاز عالم و محقق و مصنف نظر آتے ہیں۔

کی بات سمجھی جاتی تھی، بعض شائخ و علماء فتوحات مکہ کا، اور بعض اساتذہ "فصوص الحکم" کا درس دیتے تھے، شرح جامی، اور مختصر المعانی شام میں بھی پڑھی جاتی تھی، تصوف کا مذاق عام تھا، حتیٰ کہ علماء و محدثین میں بھی شیخ عبدالغنی النابلسی اور متعدد علماء و شائخ و محدث الوجود کا ذوق رکھتے تھے۔

ایران میں علوم عقلیہ کا غلبہ اور اس کا ہمسایہ ممالک پر اثر

دسویں صدی ہجری کی ابتدا ہی میں اسماعیل صفوی (۹۰۵-۹۳۰) نے ایران میں عظیم الشان صفوی حکومت قائم کی، اور پہلی مرتبہ شیعیت کو ملکی مذہب بنایا، اور سنی مذہب کو تقریباً ایران سے مٹا کر رکھ دیا، ایران جس نے امام مسلم، امام ابو داؤد، امام نسائی، امام ابن ماجہ، جیسے مسلم امام فن اور ایوان حدیث کے چار ستون، دوسری طرف بلند پایہ فقیہ اور تبحر عالم علامہ ابواسحاق شیرازی، امام احرار ابوالمعالی عبدالملک جوینی، اور حجة الاسلام ابو حامد محمد الغزالی جیسی سرآمد روزگار شخصیتیں پیدا کیں، تقریباً سواد سو برس کی باجبروت سلطنت میں اس کا رابطہ حدیث و فقہ اور علوم نافذ سے منقطع ہو کر رہ گیا، شاہان ایران کا رجحان فلسفہ و حکمت کی طرف زیادہ تھا کہ شیعیت کو شروع ہی سے اعتزال و عقلیت اور فلسفہ سے مناسبت رہی ہے، مشہور حکیم دریا منی داں خواجہ نصیر الدین طوسی (م ۷۴۲ھ) مصنف "شرح اشارات ابن سینا" جو خود شیعوں اور معتزلی تھے، ہلاکو خاں کے خاص مہتمم و مشیر تھے، اس شاہی تقرب و اعتماد کی وجہ سے پوری تاتاری قلمرو میں (جس میں ترکستان، ایران و عراق

۱۔ ملاحظہ ہو "سلک الدرد" ۱-۲-۳-۴

۲۔ ملاحظہ ہو: تاریخ اخبار آثار خواجہ نصیر الدین طوسی، شائع کردہ طہران یونیورسٹی۔

شامل تھے) فلسفہ و حکمت و ریاضیات کا رُحمان غالب آگیا، صفوی سلطنت کے دوسرے ہی حکمران شاہ طہاسب (م ۹۸۴ھ) کے زمانہ ہی میں میر غیاث الدین منصور (م ۹۴۸ھ) کا ستارۂ اقبال بلند ہوا، جو ایک اشراقی حکیم اور فلسفی، اور شیراز کے مدرسہ منصور یہ کے بانی تھے، شاہ طہاسب صفوی کے زمانہ میں ان کو عرصہ تک منصب صدارت تفویض رہا، ہندوستان تک ان کے تلامذہ اور تلامذہ کے تلامذہ پھیل گئے، انھیں کے شاگرد امیر فتح الشیرازی (م ۹۹۶ھ) ہوئے، ان کے آخر میں ہندوستان آئے، اکبر نے ان کو صدارت کا منصب یا، انھوں نے ہندوستان کے نصاب درس اور طریق تعلیم پر عقلیت کی ایسی گہری چھاب لگا دی جو تیرہویں صدی ہجری تک باقی رہی، مولانا آزاد بلگرامی کے بقول وہی صدر الدین شیرازی، میر غیاث الدین منصور اور فاضل مرزا جان (م ۹۴۴ھ) کی تصنیفات ہندوستان لائے اور ان کو داخل نصاب کیا۔

گیارہویں صدی کے وسط میں میر باقر داماد (م ۱۰۴۱ھ) کی شخصیت ابھری جس نے ایران سے لے کر ہندوستان تک کے علمی و تعلیمی حلقہ پر اپنی ذہانت، عقلیت و ادبیت کا سکہ قائم کر دیا، شاہ عباس صفوی (م ۱۰۳۸ھ) کے دربار میں وہ نہایت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، ان کی کتاب "الافق المبین" درسی حلقوں کی بلند پروازیوں کا منتہی سمجھا جانے لگا، ان کے بعد ہی علامہ صدر الدین شیرازی (م ۱۰۵۵ھ) کی شخصیت نمایاں ہوئی، جو اشراقی حکیم اور آزاد خیال فلسفی تھے، ان کی دو کتابیں "الاسفار الاربعۃ" اور شرح "ہدایۃ الحکمة"

لے انھوں نے شہاب الدین سہروردی مقبول کی کتاب "ہیاکل النور" کی شرح "اشراق ہیاکل النور" کے نام سے لکھی ہے، اس میں محقق دؤنی کا بہت رد کیا ہے۔

معروف بعد از، عالمگیر شہرت رکھتی ہیں ایران کے نسلی ذوق نے جو صدیوں سے رائی کا پرست، اور نبات کا بیگز بنانے کا عادی تھا، اس عقلی رجحان کا پورا ساتھ دیا، اور عقلی مویشگافیاں، اور دعاوی و مفروضات کی بھول بھلیاں ایران کی مغربی سرحد سے لے کر ہندوستان کی مشرقی سرحد تک پھیلا دیں، جو کہ کوہِ کندن و کاہِ برآوردن کے مراد تھیں، دسویں صدی کے عجم سے بارہویں صدی کے عرب تک تدریسی و تصنیفی حلقہ پر علومِ حکمت کی حکومت قائم تھی، اور ان مصنفین کی جہالتوں کے سمجھنے اور ان کے شوش و تحشیہ کے سوا اظہارِ کمال، بلکہ اپنی ذہانت کا ثبوت دینے کا کوئی ذریعہ نہ تھا، اور ان کی افادیت میں ادنیٰ قیل و قالِ جہالت و جہالت کا ثبوت دینا تھا۔

ایران کا اثر قدرتی طور پر افغانستان پر اور افغانستان کے بھی مغربی شہر ہرات پر پڑا وہاں اس شہر کے ایک عالم قاضی محمد اسلم ہروی کابل (مسلطہ) منطق و حکمت میں اساتذہ ایران اور ائمہ فن کے اس ملک میں سفیر تھے ان کے صاحبزادہ قاضی محمد زادہ شہر پور زادہ (مسلطہ) نے اس کمال میں اور چار چاند لگائے، انھوں نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ ہندوستان میں گزارا، شرحِ مواقف، شرحِ تہذیب، اور رسالہ قطبہ پر ان کے قین جواشی نے جو زواہد ثلاثہ کے نام سے مشہور ہیں، ہندوستان کے درس و تدریس کے حلقوں میں بڑی مقبولیت حاصل کی، علومِ عقلیہ میں اس کمال کے باوجود وہ فقہ و حدیث اور علومِ دینیہ میں پایہ بلند نہیں رکھتے تھے، یہاں تک کہ شرح و قایہ جیسی فقہ کی متوسط کتاب کے درس میں بھی ان کو اپنے اوپر پورا اعتماد نہیں تھا، شاہ عبدالعزیز صاحب کے

لے صدر ہندوستان کے نصابِ درس میں گیارہویں صدی ہجری سے داخل ہے اس کے حصول اور اس میں

مہارت کے بغیر طالب علم فایز التحصیل اور فاضل نہیں سمجھا جاتا تھا۔ لے صحیح زادہ

ملفوظات میں ہے کہ :-

امیر شہر وقایہ می خواند بے حضور ایک امیر میرزا ہد سے شرح وقایہ
جد بزرگوار سبق نمی فرمود۔ پڑھتا تھا (لیکن فقہ میں اپنے اوپر
اعتماد نہ ہونے کی وجہ سے) وہ
اس وقت تک سبق نہیں پڑھاتے
تھے جب تک کہ دادا صاحب (شاہ
عبد الرحیم صاحب جو معقولات میں
خود ان کے شاگرد تھے) نہ آجائے۔

اس کے مقابلہ میں معقولات میں ایسا تو غلّ تھا کہ فرماتے تھے :-

تقریر مرزا جان جان من است مرزا جان کی تقریر تو میری جان ہے
و تقریر اخوند جان جان من است اور اخوند کی تقریر میری جان جانان
ایران کا یہ اثر نہ صرف افغانستان اور ہندوستان پر بلکہ شام و عراق تک پڑ رہا تھا
اور وہاں بھی معقولات کے علماء کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا، اور ان علوم کا
ذہن پر رعب اثر تھا، اور اس کی کتابیں نصاب تعلیم میں شامل ہوتی جاتی تھیں۔

عام اخلاقی، معاشرتی اور اعتقادی حالت

علی اشغال کثرت التعداد اہل کمال، سلاسل و طرق کی مقبولیت، حدیث نبوی
سے اعتناء اور سے حکام کی دینداری اور ان مسلم حکومتوں کی موجودگی میں جن کا

عقیدہ اسلام پر اور عمل زندگی کے بہت سے شعبوں اور عائلی قانون میں شریعت پر تھا، مدارس آباد اور مسجدیں مہمور تھیں، جمہور اور عوام اسلام پسند، دین دوست، علماء کے قدردان، مشائخ اور بزرگوں کے معتقد، دین کے ارکان و فرائض پر عامل تھے، اور ان کے دل حمیت اسلامی بھی خالی نہ تھے، عالم اسلام میں عمومی طور پر مجبورو تنزل پایا جاتا تھا، اخلاق و معاشرت میں فساد آچکا تھا، اہل عجم اور غیر مسلموں کے بہت سے شعائر اور ان کے عادات مسلمانوں نے اختیار کر لئے تھے، حکام میں خود سری، اور سلطنتوں میں مطلق العنانی پائی جاتی تھی، امراء اور اعیانہ کا طبقہ دولت اور تمول کے بڑے اثرات سے متاثر اور بہت جگہ "مترفین" کے اخلاق و رجحانات کو اختیار کر چکا تھا، معاشرہ کے بہت سے طبقوں پر کسل مندی، تعطل، سرکار دربار سے وابستگی اور تعلق و خوشامد کی عادت غالب آگئی تھی، بہت سے حلقوں میں توہمات کا زور تھا، توحید خالص کے حدود سے تجاوز، اولیاء کی تقدیس اور حد سے بڑھی ہوئی تعظیم اور قبر پرستی، اور کہیں کہیں شرک جلی کے نونے بھی نظر آتے تھے۔

امریکی مصنف ڈاکٹر لو تھراپ اسٹاورڈ (LOTHROP STODDARD) نے اپنی شہرہ آفاق

کتاب (NEW WORLD OF ISLAM) (جدید دنیا کے اسلام) میں اٹھارویں صدی کی اسلامی دنیا کا نقشہ کھینچا ہے جس میں اگرچہ کہیں کہیں مبالغہ اور بے اعتدالی پائی جاتی ہے، لیکن مجموعی طور پر وہ اس وقت کے عالم اسلام کی یکسر غلط تصویر نہیں ہے، اور اس میں اس کے وہ بہت سے گوشے آگئے ہیں جو اندر رہنے والوں اور ہر وقت کے دیکھنے والوں کو اکثر نظر نہیں آتے۔

لے نامور مسلمان مفسر و مورخ امیر خلیفہ ارسلان نے اس کتاب کے عربی ترجمہ (جو "حاضیہ العالم الاسلامی" کے نام سے شائع ہوا ہے) کے شہرہ آفاق حواشی میں عالم اسلام کا ارمی جائزہ اور تصویر کشی کی تصویب و تحسین کی ہے، اور اس کو واقعہ کے مطابق بتایا ہے۔

اور نئے آنے والے اور پہلی بار دیکھنے والے کو اپنی طرف مٹھت کر لیتے ہیں اس کی صحت کی پوری ذمہ داری لئے بغیر اس کا یہاں نقل کرنا غلط اور بے محل نہ ہوگا، وہ لکھتا ہے:-

”اٹھارویں صدی تک اسلامی دنیا اپنے صنعت کی انتہا کو پہنچ چکی تھی، مسیح قوت کے آثار کسی جگہ نہیں پائے جاتے تھے، ہر جگہ جمود و منزل نمایاں تھے، آداب و اخلاق قابلِ نفرت تھے، عربی تہذیب کے آخری آثار منقود ہو کر ایک قلیل تعداد و حیثانہ عشرت میں اور عوام و حیثانہ مذلت میں زندگی بسر کرتے تھے، تعلیم مردہ ہو گئی تھی، اور چند رسکائیں جو ہونک زوال میں باقی تھیں وہ افلاس و غربت کی وجہ سے دم توڑ رہی تھیں، سلطنتیں مطلق العنان تھیں، اور ان میں بد نظمی اور خون ریزی کا وعدہ دورہ تھا، جگہ جگہ کوئی بڑا خود مختار جیسے سلطانِ ٹمک یا ہند کے شاہانِ منلیہ کچھ شاہی شان قائم کئے ہوئے تھے، اگرچہ صوبہ جات کے امراء اپنے آقاؤں کی طرح آزاد سلطنتیں جو ظلم و استعمار بالبحر پر مبنی تھیں، قائم کرنے کے بہت کوشاں تھے، اسی طرح امراء متواتر سرکش، مقامی رئیسوں اور قطاعِ الطریق کی جماعتوں کے خلاف جو ملک کو آزار پہنچاتے تھے، برسرِ پیکار تھے، اس منہوس طرز حکومت میں رعایا لوٹ مار اور ظلم و پامالی سے نالاں تھی، دیہاتیوں اور شہریوں میں محنت کے محرکات منقود ہو گئے تھے، لہذا تجارت و زراعت دونوں اس قدر کم ہو گئی تھیں کہ محض سیرتق کے لئے کی جاتی تھیں۔

مذہب بھی دیگر احمد کی طرح پستی میں تھا، تصوف کے طفلانہ توہمات کی کثرت نے خالص اسلامی توحید کو ڈھک دیا تھا، عوام و جہال تمویذ، گندے اور ملائیں پھنس کر گندے فقرا اور دیوانے درویشوں سے اعتقاد رکھتے تھے، اور بزرگوں کے مزاروں پر زیارت کو جاتے تھے، لوہان کی پرستش بارگاہِ ایزدی کے شیخِ دولی کے طور پر کی جاتی تھی

کیونکہ ان جہاں کا خیال تھا کہ خدا ایسا برتر ہے کہ وہ اس کی طاعات بلا واسطہ نہیں ادا کر سکتے، قرآن مجید کی اخلاقی تعلیم کو نہ صرف پس پشت ڈال رکھا تھا، بلکہ اس کی خلاف ورزی بھی کی جاتی تھی، "افیوت اور شراب خوری عام ہو رہی تھی، زنا کاری کا زور تھا، اور ذلیل ترین احوال قبیحہ کھلم کھلا بے حیائی کے ساتھ کئے جاتے تھے۔"



باب دوم

ہندوستان

سیاسی حالت

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی ولادت سلطان اورنگ زیب عالمگیر کی وقت (۱۱۱۳ھ) سے چار سال پہلے (۱۱۱۴ھ میں) ہوئی، عالمگیر اس تختی بڑا عظم کا اس ملک کی معلوم و محفوظ تاریخ کی روشنی میں اشوک کے بعد اگر اس کی سلطنت کی وسعت و عظمت سے متعلق بیانات صحیح اور قابل اعتماد ہیں، ہندوستان کا سب سے بڑا فرمانروا، اور اس کی سلطنت ہندوستان میں قائم ہونے والی سلطنتوں میں سب سے زیادہ وسیع تھی، کیمبرج ہسٹری کے مصنفین لکھتے ہیں کہ:-

”اس کی حکومت غزنی سے چٹاگانگ تک اور کشمیر سے کرناٹک تک وسیع تھی۔“

دوسرے مؤرخ لکھتے ہیں:-

”قدیم زمانہ سے انگریزوں کے عروج تک ہندوستان میں اتنی طویل و عریض حکومت

کبھی قائم نہیں ہوئی تھی۔“

اسی کے عہد میں اور اسی کے ایاء پر میر خیل نے صدیوں کے بعد پہلی مرتبہ آسام کو (جو اپنی زبان،

تہذیب، مذہب اور نسل میں ہندوستان سے الگ ایک آزاد منطقہ رہا ہے) فتح کر کے ایک بار سلطنتِ بنگالہ میں شامل کر لیا، تمام مغربی اور غیر مسلم ہندوستانی مؤرخین کے ان تنقیدی اختلافی تبصروں کے باوجود جن کا محرک دراصل اورنگ زیب کی حمیت و حمایتِ اسلام ہے، اس کی بے نظیر قوتِ ارادی، استقلالِ طبیعت، انتظامی صلاحیت، سادہ بلکہ زاہدانہ زندگی اور شجاعت و بہادری ایک مسلم تاریخی حقیقت ہے۔

اورنگ زیب عالمگیر

اورنگ زیب نے زمامِ سلطنت ہاتھ میں لینے کے بعد اپنی پوری توجہ عہدِ اکبری کے مخالفِ اسلام اثرات کو مٹانے، شیعیت کے اثر کو کم کرنے (جس کا بڑا مرکز جنوب تھا، اور اسی لئے اس نے اپنی زندگی اور توانائی کا بڑا حصہ اس کی تسخیر میں صرف کیا) ایران کے ان جوہریت آمیز تہذیبی اثرات کو جو دورِ اکبری میں قائم ہو گئے تھے اور جو ایرانی تقویم، افشاری نوردوز کی شکل میں پائے جاتے تھے، ختم کرنے کے اقدامات کئے، مختصراً شریعی عہد قائم کیا، تاکہ وہ خلقِ خدا کو منہیات و محرمات سے منع کرے، حکومت کی بیش قرار نامشروع آمدنیاں موقوف کیں، سرود و رقاصی اور بھردک درشن کو بند کیا، شریعی قاضی مقرر کئے اور ان کو اعلیٰ اختیارات دیئے، پوری سلطنت میں شریعی قانون و آئین جاری کرنے اور قاضیوں کی آسانی کے لئے مسائل فقہیہ کی تدوین و ترتیب کا بیڑا اٹھایا جس کے نتیجے میں "فتاویٰ عالمگیری" کے نام سے ایک ایسا مجموعہ تیار ہوا جو مصر تا شام و ترکی میں بھی

۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: "آثر مالگیری" از محمد ساقی مستعد خان ۳۹-۴۰، کلکتہ ۱۸۸۱ء، نیز وقائعِ سر دیاست

ڈاکٹر برنیر DR. BERNIER ۲۹۴ ۲۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: تاریخِ دہلیت و حریت، حصہ چہارم ۳۲۳-۳۲۴

۳۔ ملاحظہ ہو: سینیٹل لین پول کی کتاب "اورنگ زیب" AURANGZEB، اور ظہیر الدین فاروقی کی کتاب

AURANGZEB & HIS AGE، نیز جاوہر ناتھ سرکار کی کتاب HISTORY OF AURANGZEB، اور مولانا علی گڑھ

(جہاں وہ الفتاویٰ الہندیۃ کے نام سے مشہور ہے) قانون اسلامی کا ایک بڑا اور مستند ماخذ
سمجھا گیا، کونش و آداب کے غیر اسلامی اور غیر موحدانہ طریقے منسوخ کئے، اور سلام مسنون کا اہولہ
کیا قصر مختصر بقول اقبال ہے

شعلہ توحید را پروا نہ بود

چوں براہیم اندرین نبت خانہ بود

نصابی و انقلابی کارناموں کے ماسوا جو دینی قدر و قیمت کے حامل ہیں اس کی
سب سے نمایاں صفت اس کی بیدار مغزی، استعدادی، فرض شناسی اور امور سلطنت میں جز و کل
سے واقفیت اور نظم و نسق پر نگلی طور پر حاوی ہونے کی کوشش ہے جو اس خداداد وسیع
سلطنت کے فرماں روا کے لئے شرط اول ہے اس نے اپنے والد شاہجہاں بادشاہ کو ایک خط
میں لکھا تھا، اور تاریخ اس کی تصدیق کرتی ہے کہ کابل و جودی کا الزام مجھ پر عائد نہیں ہو سکتا
ایک انیر کو جواب دیتے ہوئے (جس نے یہ شورہ دیا تھا کہ شہنشاہ کا روبر سلطنت میں محنت ثاقہ
سے کام نہ لیں کہ اس سے اندیشہ ہے کہ لن کی صحت پر بڑا اثر پڑے) کہا تھا کہ مجھ کو پردہ کار
نے دوسروں کے واسطہ محنت کرنے کے لئے بھیجا ہے اور شیخ سعدی کا یہ شعر پڑھ لے

الانما بغفلت نہ خشی کہ نوم

حوام است بر چشم سالار قوم

مملکت کی اس وسعت کے باوجود اس کے نظم و نسق پر بذات خود مطلع اور حاوی ہونا
اسی شخص کا کام ہے، جو آہنی عزم، فولادی جسم، صددرجہ کا احساس ذمہ داری اور خوت خدا
رکھتا ہو، حیرت کی بات یہ ہے کہ اس کی نظر جتنی ملکی کلیات اور مہات سلطنت پر تھی اتنی ہی

جزئیات پر وہ دکن میں تھا، مگر شمال مغرب اور مشرق کی خبر رکھتا تھا، اپنی ذاتی اطلاعات اور پرچہ نویسوں کی مدد سے امور انتظامی کی باریک سے باریک تفصیلات جانچتا تھا، جس کی وجہ سے عمال سلطنت جہاں بھی رہتے چوکتا اور مستعد رہتے، وہ ادنیٰ ادنیٰ محضوں کا تقرر خود کرتا تھا، اس کا یہ شعر اس کے دل کی صحیح ترجمانی اور اس کے احساس ذمہ داری اور اس کے نتیجہ میں اس کی مشکلات کی صحیح تصویر ہے، وہ اکثر اپنا ہی یہ شعر پڑھتا تھا۔

غم عالم فراوان است و من یک غنچہ دل دارم

چساں در شیشہ ساعت کنم ریگ بیابان را؟

کبھی کبھی یہ شعر بھی پڑھتا اور اس پر اس کا مل تھا۔

من نمی گویم زیاں کن یا بفکر سود باش

لے ز فرصت بے خبرا در ہر چہ باشی زود باش

اورنگ زیب کے کمزور جانشین

لیکن اورنگ زیب کے بعد اس کے عظیم اور پر جلال تخت پر (جو حاجی دین بننے کے بجائے حامی دین اور بادم ملت کے بجائے خادم ملت بن گیا تھا) اس کی اولاد میں وہ لوگ آئے جنہوں نے گویا قسم کھائی تھی کہ عالمگیر سے حمایت و حفاظت اسلام، احیاء دین اور اجراء سنت کی جو غلطی ہوئی تھی، وہ اس کی تلافی کریں گے، نیز اس نے سلطنت کے حدود میں جو توسیع کی تھی، ہندوستان کے نظم و نسق کو اپنی بیدار مغزی مستعدی، اور فرض شناسی جو استحکام بخشا تھا، عوام اور فتنہ پردازوں پر جو رعب و اثر قائم کیا تھا، وہ اپنی تعیش پسند

کاہلی و نااہلی، اندرونی اختلاف و کشمکش، خود غرض و جاہ پسند ارکانِ سلطنت و وزراء پرکلی اعتماد، اور امور سلطنت سے غفلت کے ذریعہ اس گناہ کا جو عالمگیر اعظم سے سرزد ہوا تھا، مسلسل کفارہ ادا کرتے رہیں گے، چنانچہ یہ مغل سلطنت ہی نہیں، ملتِ اسلامیہ ہی نہیں، ہندوستان کی قسمتی تھی کہ اس کے تحت سلطنت پر یکے بعد دیگرے کمزور و نااہل حکمران آتے رہے اور تاج کی یہ بواجبی اور خدا کی شان بے نیازی و کبر یائی کا ظہور تھا کہ اس کا پہلا ہی جانشین (شاہ عالم بہادر شاہ اول) اپنے نامور باپ کا بالکل ضد تھا۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے عہد (۱۱۱۳ھ - ۱۱۷۶ھ) میں اوزنگ زیب کے بعد گیارہ مغل بادشاہ تخت نشین ہوئے جن کے نام حسب ذیل ہیں :-

۱۔ محمد معظم بہادر شاہ (ملقب بشاہ عالم بہادر شاہ اول)

۲۔ معز الدین جہاندار شاہ۔

۳۔ فرخ سیر ابن عظیم اشان۔

۴۔ نیکو سیر۔

۵۔ رفیع الدرجات ابن رفیع القدر۔

۶۔ رفیع الدولہ بن رفیع القدر۔

۷۔ محمد شاہ ابن جہاں شاہ۔

۸۔ احمد شاہ ابن محمد شاہ۔

۹۔ عزیز الدین عالمگیر ابن جہاندار شاہ۔

۱۰۔ محی السنہ بن کام بخش بن عالمگیر۔

۱۱۔ شاہ عالم ابن عزیز الدین۔

گویا نصف صدی کی مدت میں گیارہ بادشاہ تخت نشین ہوئے، ان میں سے کسی کی مدت حکومت صرف دس مہینے، کسی کی چار مہینے سے کم، کسی کی سلطنت برائے نام، کسی کی چند دن کی حکومت رہی، ہم یہاں پر اس کے جانشین اول شاہ عالم بہادر شاہ، فرخ سیرابن عظیم الشان، محمد شاہ اور شاہ عالم ثانی کے عہد اور ان اہم واقعات و حوادث پر تبصرہ کریں گے جنہوں نے ہندوستان کی تاریخ، اور ہندوستانی مسلمانوں کی تقدیر بنانے میں خاص حصہ لیا۔

شاہ عالم بہادر شاہ اول ۱۱۱۸ھ - ۱۱۲۲ھ

یہ عالمگیر کا سب سے بڑا بیٹا تھا جو دوسرے فرزند محمد اعظم شاہ کو شکست دے کر تخت نشین ہوا، عالمگیر کے مزاج و مسلک سے اس کے اختلاف کا سب سے بڑا اور پہلا ثبوت یہ ہے کہ اس نے شیعہ مسلک اختیار کیا، جو نہ صرف عالمگیر کے عقیدہ و مزاج و مذاق کے خلاف تھا، بلکہ پورے تیموری سلسلہ فرمانروایان سلطنت کے عقیدہ و مذہب اور طرز و مسلک کے خلاف تھا، اور اس سلطنت کے مصالح کے بھی مخالف تھا (جس کی سلمان آبادی کا نوٹے پچانوے فی صدی حصہ ہندوستان کے مشرقی حدود بنگالہ سے لے کر سلطنت کے مغربی حدود کابل و قندھار تک سنی فرقہ اور حنفی مذہب کا پیر و کار تھا) اور جس کی ہندوستان میں کامیابی اور مقبولیت کے کوئی امکانات نہ تھے، سیر المتاخرین کے مصنف غلام حسین طباطبائی کے بیان کے مطابق (جو خود اثناعشری فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں) اور جن کی شیعیت تاریخی و باطنی ۱۱۱۸ھ معزالدین جہاندار شاہ ۱۱۱۸ھ رفیع الدرجات ابن رفیع القدر مدت حکومت تین ماہ دس روز ۱۱۲۲ھ رفیع الدولہ ابن رفیع القدر ۱۱۲۲ھ محی السنۃ ابن کام بخش ابن عالمگیر۔

کے اندر سے بھی جھلکتی نظر آتی ہے) بہادر شاہ کے شیعہ مذہب اختیار کرنے، اس مسئلہ پر علماء اہل سنت سے مباحثہ و مناظرہ کرنے، خطبہ میں کلمہ علی ولی اللہ وصی رسول اللہ کے داخل کرنے کا حکم دینے پر لاہور میں جہاں بادشاہ کا قیام تھا، شورش برپا ہوئی، بلوا ہوا، انھوں نے خود اس کے دلچ نہ پکڑنے کا ذکر کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:-

بہادر شاہ بدستور اصرار پائے کار داشتہ بادشاہ بدستور اس بات پر اصرار کرتا رہا
در ترویج و تقویت مذہب شیعہ می کوشید اور مذہب شیعہ کی ترویج و تقویت میں
وعدت ہائے دراز در مباحثہ بعلماء و بازر ساعی و سرگرم رہا، مدتوں تک علماء
امامائے برآں مترتب نمی شد۔ کے ساتھ مباحثہ کا دروازہ کھلا رہا،
لیکن اس سے کچھ فائدہ مژ نہیں ہوا۔

اس تبدیلی کا نتیجہ عوام اور خود فوج میں نیم دلی بلکہ بددلی کی شکل میں نکلا، اور اس میں وہ مذہبی جوش نہیں رہا جو گزشتہ مغل بادشاہوں کے دور میں ایک بڑی قوتِ محرکہ تھی، اس حقیقت کا احساس بعض غیر مسلم مورخوں تک کو ہوا ہے، ڈاکٹر ستیش چندر لکھتے ہیں کہ حکومت کی پالیسی پر مذہب کا اثر کمزور پڑ گیا ہے۔

مولوی ذکاء اللہ صاحب تاریخ ہندوستان میں لکھتے ہیں:-

”نامگیری کے مرنے کے بعد سلطنت کے کاموں میں انقلابات عظیم ہو گئے تھے، اور تمام تعلقات کی صورت بدل گئی تھی، اور مرہٹوں سے جو سلطنت تیموریہ کے تعلقات تھے، وہ بالکل کا یا پٹ ہو گئے تھے،..... سلطنت مغلیہ کمزور ہو کر قریب المرگ تھی“

لے، سیر المتاخرین ج ۲ ص ۴۰

گرم تے دم تک اپنی نخوت و تکبر سے ہاتھ نہیں اٹھایا۔

وہ عالمگیر جو اورنگ آباد میں ہوتا تو دہلی کا کیا ذکر بہار و بنگال میں بھی کارکنانِ سلطنت پر اس کی ہیبت طاری رہتی، وہ جزئیاتِ سلطنت سے باخبر رہتا، اور ہر وقت مناسب حکام جاری کرنے میں ذرا سی تاخیر سے کام نہ لیتا، اب اس کے جانشین کا حال یہ تھا کہ بقول مؤرخ ہندوستان:

”باضابطہ و بے ضابطہ اہل کار میں فوارِ افتاد ہوتا، بادشاہ کی دستخط کا اعتبار نہیں رہا، بادشاہ اپنے متصدیوں سے فرمایا کرتا کہ سب اہل کار آپس میں مل گئے ہیں جو بہتر جانتے ہیں عمل میں لاتے ہیں، ہمارا فقط اعتبار رہ گیا ہے، خلق کے مطلب قبول کرنے کے سوا ہم کو کوئی اور چارہ نہیں ہے۔“

نیز وہ لکھتے ہیں:۔

”ظریف شوخ طبعوں نے اس کی تالیخ جلوس شہہ بے خبر کہی ہے راتوں کو جاگت، دوپہر دن چڑھے تک سوتا جس کے سبب سے خلق اللہ کو سفر کے دن تکلیف ہوتی کہ ان کو اپنے خمیوں کی مثل نہ ملتی۔“

نیز:۔

”تیسرا کام اس نے اپنے آئین کے خلاف یہ کیا کہ علماء و پرستار خطاب کیا، اور بابا عجوبوس کیا، پھر مزاج پر خفقان کا غلبہ ایسا ہوا کہ دارالسلطنت لاہور میں ۱۹ محرم ۱۱۲۲ھ ہجری کو جہان فانی سے رخصت ہوا۔“

طباطبائی بھی شاہ عالم بہادر شاہ کے اخیر عمر میں اختلالِ دماغ، کتوں کے مارنے کا حکم اور سحر کے اندیشہ کا ذکر کرتے ہیں۔

اس طرح عالمگیر کے پہلے ہی جانشین کے زمانہ اور صرف ۶ برس کی مدت سلطنت میں عظیم سلطنت مغلیہ کی چولیس ہل گئیں اور اس کی وہ ساکھ اور دھاک ختم ہو گئی جو مخالفت طاقتوں، فتنہ پردازوں اور عوام و خواص کے دماغ پر بار کے زمانہ سے بھی ہوئی تھی۔

فرخ سیر

فرخ سیر (۱۱۲۵ھ - ۱۱۳۱ھ) کے زمانہ میں حسین علی خاں، عبداللہ خاں (جن ہیں اول الذکر امیر الامراء کے لقب) اور ثانی الذکر قطب الملک کے لقب سے ملقب تھے) کا اقتدار بادشاہ اور پوری سلطنت پر قائم ہو گیا، فرخ سیر ان کے ہاتھ میں کھلونا تھا، آخر انھوں نے فرخ سیر کو قید کیا، پھر قید حیات سے بھی رہا کر دیا، مصنف "تاریخ ہندوستان" لکھتا ہے:-

"اگرچہ محمد فرخ سیر وسیع الاخلاق اور قدردان تھا، ہر ایک کی خدمت اور تردد کے مقابل میں چاہتا تھا کہ بقدر امکان منصب و عمدہ خدمات بخایت کر کے ہم چشموں میں متاثر کرے، مگر اختیار نہیں رکھتا تھا، اور نہ آزمودہ کار جو ان تھا، امور سلطنت سے بے خبر اور رسائی سے صوبہ بنگالہ میں باپ دادا سے دور نشوونما پایا، استقامت مزاج اور رئے صائب نہیں رکھتا تھا، اوروں کی رائے پر چلتا تھا، قسمت تلج و سلطنت مل گیا تھا، خاندان تیموریہ کا جو ہر شجاعت تھا، وہ اس کے خلاف جُبن ذاتی رکھتا تھا، صاحب غرض کی سخن کی تہہ پر نہ پہنچتا، ابتدا سے اپنی سلطنت کا مادہ فساد خود ہی بنا"۔
بادشاہ کے یہاں راجہ رتن سنگھ (دیوان بید عبداللہ خاں) تمام تصدیوں کے تعلق میں دخل دیتا، کسی کا اصلاً اعتبار و استقلال اس نے نہیں رکھا تھا، خصوصاً مقدمالی میں.....

بادشاہ کی عیاشی، خلوت نشینی علاوہ بے داعی کے زیادہ ہو گئی تھی، خلق اللہ کا رنج تھا۔
 بالآخر دونوں بھائیوں (قطب الملک و امیر الامراء) نے فرخ سیر کی آنکھوں میں
 سلائی پھیری اور قلعہ کے اندر مجلس خانہ میں جو قبر کی صورت تھا، بادشاہ کو قید کیا اور ۶ سال
 ۴ ماہ حکومت کر کے وہ اس دنیا سے رخصت ہوا، ان واقعات نے پورے ملک میں سخت منہ
 کے جانشینوں کی بے احترامی اور سلطنت کی بے اعتباری پیدا کر دی۔

محمد شاہ بادشاہ (۱۱۶۱ھ)

محمد شاہ نے ۲۹ سال ۶ مہینے حکومت کی اس کا عہد پُر از حوادث و واقعات ہے
 اسی کے زمانہ میں نادر شاہ کا دہلی پر تاریخی حملہ ہوا، لیکن اس وقت سلطنت پر حاوی اور اس کے
 سیاہ سپید کے مالک یہی دونوں سادات بارہہ قطب الملک عبداللہ خاں اور امیر الامراء
 حسین علی خاں تھے اس وقت اہل دربار کا تاثر یہ تھا کہ ان دونوں کے تسلط سے بادشاہ کو
 سوائے ناز جمعہ کے کسی احکام کے جاری کرنے کا مقدور نہیں..... دونوں بھائی تمام خاندان
 ایران و توران کی بے آبروئی پر کمر باندھے بیٹھے ہیں اور ترک منصب اور گوشہ نشینی میں رست گار
 نہیں اور تمام موروثی خانہ زادوں اور دور و نزدیک جاں نثار نوکروں کا دل نہایت افسردہ
 ہو رہا ہے کہ وارث تخت و تاج بے اختیار ہے اور ناز جمعہ اور اجرائے احکام شرع پر قادر
 نہیں، اگر وہ کے نزدیک سے کنارہ دریائے شوز تک ہنود بیت خانے بنا رہے ہیں، اور گاوٹ کشی کو
 منع کر رہے ہیں؟

”کل امور مالی و ملکی میں رتن چند کے اختیار سے جو سوائے قوم بارہہ اور قوم بقال

کے کسی پرنازش نہیں کرتا تھا، سب چھوٹے بڑے متفرق تھے، اور ہر دیار کے شرفاء و خواری
و بے اعتباری سے زیست کرتے تھے۔

”سیر المتاخرین“ کا مصنف طباطبائی لکھتا ہے:-

بادشاہ چون جوان بے عزم و کم جوت	بادشاہ چونکہ بے عزم اور کم جوت
بود مشغول عیش و طرب گردید و دایرہ	جوان تھا، عیش و عشرت میں مشغول
اشد ضرور بود توجہ می نمود.....	ہو کر صرف اسی کام پر توجہ دیتا
بایں سبب اندک اندک خوف و ہراس	جو اشد ضروری ہوتا، اس سبب سے
از دل امراء و رؤساء ہر فرقہ بلکہ	تھوڑا تھوڑا کر کے خوف و ہراس
عوام الناس برخواستہ ہر کس در داغ	ہر فرقہ کے امراء و رؤساء بلکہ عوام ان کا
خود خیالے می بخت و بجا خود نشسته	کے دل سے نکل گیا، ہر شخص اپنے
در باطن دم در استقلال می زد	دماغ میں ایک خیال بخت کئے ہوئے
	اپنی جگہ بیٹھا ہوا، اپنی آزادی و
	خود مختاری کا دم بھرتا تھا۔

اس وقت دربار و اراکین سلطنت میں نظام الملک آصف جاہ ہی کی ایک ایسی ہی تھی،
جو صاحب عزم، عالی ہمت ہونے کے ساتھ صاحب تخت کی وفادار، مخلص اور خیر خواہ تھی،
لیکن سادات اور ایرانی عنصر کسی طرح ان کی بات چلنے نہیں دیتا تھا، یہ دیکھ کر کہ ان کی
وفاداری اور خلوص کی کوئی قدر نہیں ہے، اور یہاں رہنا وقت ضائع کرنا، اور اپنے کو
ہر وقت خطرہ میں مبتلا کرنا ہے، انھوں نے عرصہ ہوا دکن کا رخ کیا تھا، اور دہلی کا میدان

اہلِ غرض کے لئے خالی ہو گیا تھا۔

اس کے بعد محمد شاہ پر تعیش کا وہ غلبہ ہوا کہ انھوں نے اس سے پہلے کے عیش پسندوں کو مات کر دیا، اور ان کے واقعات بھلا دیئے، ہندوستان کے مؤرخین لکھتے ہیں کہ :-
 ”محمد شاہ بادشاہ نے مذہب تو نہیں بدلا، لیکن شرب بدل دیا، ابرسیاہ
 ان کا نقیب قرار پایا، عام حکم تھا کہ ادھر ہمالیہ کے دامن سے گھٹا اٹھے،
 بادل گرے کہ میرا خیمہ و خگاہ مہراز و انہ ہوے“

می دید صبح کلاہ بستہ سحاب الصبوح الصبوح یا اصحاب

زالہ یارید بر شغ لالہ الدام الدام یا احباب

کا شور تھا۔

بالآخر امیر الامراء سید حسین اور قطب الملک نواب عبداللہ خاں (حسن علی خاں) سادات بادشاہ کے اقتدار کا خاتمہ اور زندگی کا جام لبریز ہوا، لیکن اس سے بھی سلطنت مغلیہ کی قسمت نہیں بدلی، اس لئے کہ بادشاہ حکمرانی کی ہر صلاحیت اور خطرات کے سمجھنے کی معمولی بصیرت سے بھی محروم تھا۔

سید ہاشمی فرید آبادی اپنی تاریخ ہند میں لکھتے ہیں :-

”بادشاہ گرسادات کے خاتمے اور محمد شاہ کی قوت و اختیار حاصل کرنے کی

ملک میں عام طور پر خوشی منائی گئی، لیکن یہ خوشی اگر جذبہ بادشاہ پرستی پر نہیں

بلکہ آئندہ نظم و نسق کی بہتری اور ملکی رفاہ و بہبود کی امیدوں پر مبنی تھی تو

اس کا انجام نیک و بالویسی کے سوا کچھ نہ تھا، کیونکہ اکبر و اورنگ زیب کا

نیا جانشین، درحقیقت اپنے اقبال مند اجداد کی شاہانہ صفات سے عاری تھا

اسے اپنے عیش و عشرت کے مشغلوں میں معاملات ملک پر توجہ کرنے کی فرصت نہ تھی، وہ محل سرائے شاہی کی بیگمات سے بھی زیادہ سلطنت کے حالات سے بے خبر اور اس کی خرابی کی طرف سے بے پرواہ تھا، حتیٰ کہ اس کی دادی (شاہ عالم بہادر شاہ کی ملکہ مہر پرور) کی نسبت ہم جا بجا پڑھتے ہیں کہ وہ بھی اپنے مدہوش پوتے کو بار بار اس خواب غفلت سے بیدار کرنے کی کوشش کرتی تھی، جس کا صریح نتیجہ زوال و ادبار تھا!

اس موقع پر ہم کو جادو ناتھ سرکار کی اس رائے کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیے جو انھوں نے محمد شاہ کی کمزوریوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے، وہ لکھتے ہیں:۔

”محمد شاہ اگرچہ عزت کا مستحق نہیں، مگر رحم کا مستحق ضرور ہے، حالات نے اسے ایسی جگہ لاکھڑا کیا تھا، جہاں کسی عبقری (GENIUS) کی ضرورت تھی، مگر وہ ایک معمولی انسان تھا، مؤرخ اسے اس بات پر ملامت کرتے ہیں کہ اس نے کاروبار حکومت انجام دینے کے بجائے تعیش میں اپنا وقت صرف کیا، لیکن حالات کی ٹریجڈی یہ تھی کہ اس کے جیسا آدمی اگر کاروبار حکومت پر پوری توجہ دیتا تب بھی وہ حالات کا رخ نہیں موڑ سکتا تھا، رفیع الدرجات اور رفیع الدولہ جیسے لوگ کٹھ پتلیوں کی طرح اپنی ذلت کے احساس سے بھی ماری تھے، لیکن محمد شاہ میں بدترین حالات، اور انھیں سدھارنے میں اپنی لاچاری دونوں کا احساس موجود تھا!“

۱۔ تاریخ ہند از فرید آبادی کتاب سوم ص ۳۶۱

غرض وہ سلطنت جو بابر کے عزم جہاں کشا اور اس کے استقلال اور جفاکشی سے قائم ہوئی تھی، اور جس کو اس کے جانشینوں نے اورنگ زیب تک اپنے جوہر شجاعت اور غیرت تیموری سے قائم رکھا تھا، اس عیش کو شی اور غفلت اور خود فراموشی کی منزل پر پہنچ گئی، جو ممدوشی اور مطلق العنان سلطنتوں کی تاریخ بلکہ تقدیر بن گئی ہے، اقبال نے صحیح کہا ہے۔

میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیر اہم کیا ہے

شمشیر و سناں اول، طاؤس و باب آخر

آخر اس کا نتیجہ وہی نکلا جس کو خود محمد شاہ نے۔

شامت اعمال ماصورت نادر گرفت

کے بلخ مصر میں ادا کیا، شاہ عالم میں نادر شاہ نے دہلی کا رخ کیا، اس نے اس سے پہلے محمد شاہ کو کٹی خط لکھے تھے، لیکن بقول مؤرخ :-

”یہاں ان دنوں عیش و عشرت کا زور شور تھا، محمد شاہ بہادر صاحب سر پر تھا۔

تن آسانی کے سوا کسی کام سے کام نہ تھا، ہر وقت ہاتھ میں جام اور نبل میں دل آرام تھا

کس کو داغ تھا کہ نامہ کا جواب لکھتا؟“

نادر شاہ کے حملہ کی تفصیلات ہندوستان کی تاریخوں میں پڑھی جائیں، اس کے حملہ کے بعد

دہلی کی جو حالت ہوئی (دہن میں رہے کہ اس وقت حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی عمر ۳۳ سال کی تھی)

اور وہ حجاز سے واپس تشریف لے چکے تھے) اس کا نقشہ مصنف تاریخ ہندوستان کی زبان سے سنا جائے۔

”نادر شاہ کے جانے کے بعد شہر مردوں سے پڑھا، اور زندوں سے خالی تھا مکانوں

پر دیوانی برستی تھی، محلے کے محلے جلے پڑے تھے، مردوں کی سڑانڈے بھی جھلکا ساتا تھا،

نکوئی کسی کو کفن دینے والا تھا، اور نہ گور میں دفن کرنے والا تھا، مگر ہندو مسلمان ایک ہو گئے، ڈھیروں میں جل کر خاکستر ہو گئے، یہ تو شہر کی کیفیت تھی، دربار کا حال یہ تھا کہ کچھ دنوں تو وہ بھاری غیند سوتا رہا، اور جب اٹھا تو اس کی آنکھوں میں اس قدر حیرت لگا ہوا تھا کہ دیکھنے سے گھٹن آتی تھی، خزانہ میں پھوٹا بادام نہ تھا، محاصل اور خراج کا کہیں پتہ نہ تھا، سپاہ تباہ اور خستہ حال تھی، اس پر مرہٹوں کا بھی خوف بالکل نہیں گیا تھا، جو صوبے ان کے قبضہ میں چلے گئے تھے، وہ ان کے ہاتھ سے تباہ ہوئے تھے، ان سب مصیبتوں اور آفتوں پر درباریوں کا جھگڑا نہ چکا، وہی ایک فریق تو رانی امیروں کا تھا، جن کے سر تاج آصف جاہ اور قمر الدین خاں وزیر تھے، دوسرا گروہ ان امیروں کا تھا، جو ان کو خارج کرنا چاہتا تھا، اور ان میں بادشاہ بھی شمار ہوتے، اگر بیچ میں مرہٹوں کا جھگڑا نہ آن پڑتا تو ان امیروں نے سلطنت کے ٹکڑے کر کے کبھی کے آپس میں تقسیم کر لئے ہوتے، اور خاندان تیموریہ کو بے نام و نشان کر دیا ہوتا۔

جب نادر شاہ ہندوستان سے چلا گیا تو اول اس کا اثر یہ ہوا کہ سلطنت دہلی سے تین زیمے صوبے بنگال، بہار، اڑیسہ علیحدہ ہو گئے، اور ان میں جدا ہی علی وردی خاں کی ایک ریاست قائم ہو گئی تھی۔

۲۶ ربیع الثانی ۱۱۶۱ھ (اپریل ۱۷۴۸ء) کو محمد شاہ مرض اسہال میں مبتلا ہو کر دنیا سے رخصت ہوا، اور بقول مصنف "تاریخ ہندوستان" کہ تیس سال سلطنت کر کے خاندان تیموریہ کی نباہی کے کنارہ پر پہنچا گیا۔

شاہ عالم ثانی

محمد شاہ کے زمانہ میں اگر سلطنت مغلیہ کو اخلاقی و انتظامی طور پر زوال ہوا، اور ہندوستانی معاشرہ اور طبقہ امراء کا رجحان الناس علیٰ دین ملوکہم کے اصول کے مطابق عیش و عشرت، تن آسانی اور لذت اندوزی کی طرف تیزی کے ساتھ ہوا، تو شاہ عالم ثانی کے زمانہ میں جو ۱۷۵۹ء میں تخت نشین ہوا، سیاسی طور پر زوال اپنے آخری مرحلہ تک پہنچ گیا، وہ اپنے ۴۴ سالہ عہد حکومت میں دوسروں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنا رہا، بکسر کی لڑائی میں اودھ کے نواب یر علی اللہ اور میر قاسم کی انگریزوں کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد ۱۷۶۴ء میں شاہ عالم نے انگریزوں کی طاقت قبول کر لی، اور ایک معاہدہ پر دستخط کر دیئے، جس کی رو سے وہ انگریزوں کا وظیفہ خوار ہو گیا، ۱۷۶۹ء میں اس نے انگریزوں سے ایک معاہدہ کیا، جس کی رو سے بنگال، بہار، اور اڑیسہ کی دیوانی کے اختیار حاصل کی تحصیل وصول کا انتظام ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھ میں کیا، شاہ عالم نے خود کو مرہٹوں کی پناہ میں دے دیا، اور الہ آباد اور کڑہ کے اضلاع اُن کی طرف منتقل کر دیئے۔

شاہ عالم ثانی کے عہد سے بہت پیشتر پورا ملک مرہٹوں، سکھوں اور دہلی و آگرہ اور اچھوتوں جاٹوں کے جم و کرم پر نئے جو آمدھی پانی کی طرح آتے اور پورے علاقہ کو تاراج کر جاتے، ملک میں کوئی طاقت امن و قانون قائم کرنے کے قابل نہ تھی، احمد شاہ ابدالی نے ۱۲ جنوری ۱۷۶۱ء کو پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کو شکست فاش دے کر ملک کو ان کے خطرہ سے محفوظ کر دیا، اس نے شاہ عالم کو دہلی بلانے کی بڑی کوشش کی اور اپنا آدمی بھیجا، مجبور ہو کر اس کی والدہ نواب زینت محل سے بھی خط لکھوایا، اگر سلطنت مغلیہ میں تھوڑی سی بھی جان اور شاہ عالم میں سلطنت کی

لے تفصیل کتاب کے باب نہم میں ملاحظہ ہو۔

صلاحیت ہوتی تو وہ جنگ پانی پت کے قیجہ سے فائدہ اٹھا کر ہندوستان میں اپنا اقتدار بحال کر لیتا لیکن سلطنت بے روح، اور بادشاہ عزم و ہمت ہی نہیں، حمیت اور غیرت سے بھی عاری تھا بقول اقبال۔

حمیت نام ہے جس کا گئی تیمور کے گھر سے

بادشاہ پورے دشا برس کے بعد ۱۷۷۱ء میں الہ آباد سے دہلی آیا، وقت گزر چکا تھا، اس لئے وہ پانی پت کی اس عظیم شان فتح اور مرہٹوں کی شکست سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکا وہ یہاں اگر نئے فتنوں، امراء کے جوڑ توڑ، روہیلوں کی نئی طاقت اور سکھوں کے حملوں سے دوچار ہوا، بالآخر نجیب الدولہ کے پوتے غلام قادر روہیلہ نے ۱۷۷۴ء میں دہلی پر قبضہ کر لیا، شاہی محل ٹوٹا، شہزادیوں کو کوڑے لگوائے اور سلطنت تیموری کے وارث مغل شہنشاہ کی آنکھیں نوک خنجر سے نکال لیں سلطنت مغلیہ اور اس کے مالک وارث کی بے حرمتی و بے آبروئی اس سے پہلے ایسی کبھی نہیں ہوئی تھی۔

۱۷۷۹ء میں سندھ میں غلام قادر کو بڑے دردناک طریقہ پر قتل کیا، اور شاہ عالم کو دوبارہ تخت پر بٹھایا، نو لاکھ روپیہ سالانہ اس کے اخراجات کے لئے مقرر کیا، متعدد دلڑائیوں کے بعد ۱۷۸۳ء میں لارڈ لیک انگریزی فوج کے ساتھ دہلی میں داخل ہوا، مرہٹوں کو نکال دیا، اور بادشاہ کی پیشکش ایک لاکھ روپیہ سال مقرر کر دی، شاہ عالم ۴۵ برس تخت نشین اور ۸ سال نابینا رہ کر ۱۷۸۷ء میں راہی ملک بھا ہوا۔

علمی و روحانی حالت

سیاسی انتشار، اجتماعی بد نظمی اور انحطاط کے باوجود یہ دور انفرادی طور پر علمی کمالات،

لے تاریخ ہندوستان۔ ج ۹ ص ۳۳۳، بعض انگریزی تاریخوں میں نو سے ہزار بیان کی گئی ہے۔

تدریسی تصنیفی انہماک روحانی کیسوٹی، باطنی ترقی اور نفوس کے تزکیہ و اصلاح کا دور تھا جس میں متعدد ایسی باکمال اور متاثر شخصیتیں پیدا ہوئیں جن کو اس دور انحطاط سے کوئی مناسبت اور جن پر حالات سے یاس و ہراس کا کوئی اثر نہیں معلوم ہوتا، کہتے ہیں کہ بہت سے علمی و ادبی شاہکار ان افراد کی کوششوں اور کاوشوں کا نتیجہ ہیں، جو کسی مریض میں مبتلا، یا کسی معذوری اور اندرونی صدمہ کا شکار تھے، علمائے لغیات اس کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ ایسی حالت میں قوت مقابلہ اور اس مجبوری کی تلافی کا عزم ابھرتا ہے اور آدمی سے ایسے کام کرا لیتا ہے جو معتدل (NORMAL) حالات میں نہیں ہوتا، ہندوستان کے اس دور کا علمی اور روحانی پہلو اور اس دور انحطاط میں ایسی قدآور شخصیتوں کا ظہور، ایک مریض اور برسر انحطاط معاشرہ کی اندرونی قوت مقابلہ کا ثبوت اور اسلام کی مرد آفرینی اور آدم سازی کی صلاحیت کی دلیل ہے۔

و فور علم، ذہانت، قوت تدریس اور حسن تصنیف کے لحاظ سے ہمیں اس دور میں مولانا محمد بن ابوسعید عرف ملا جیون امیٹھوی (۱۱۰۴ھ - ۱۱۷۳ھ) صاحب نورالانوار اور التفسیر الۃ حمیدیہ ملا محمد الشہر ندیلوی (م ۱۱۶۷ھ) صاحب شرح سلم مشہور بجد الشہ مولانا محمد حسن معروف ببلحسن فرنگی محلی صاحب شرح سلم مشہور ببلحسن (م ۱۱۹۹ھ)، مولانا رستم علی قنوجی (م ۱۱۷۸ھ) شیخ صفۃ الشہر آبادی (م ۱۱۵۷ھ) شیخ علی اصغر قنوجی (م ۱۱۷۳ھ)، مولانا غلام علی آزاد بگلوی (۱۱۱۲ھ - ۱۱۷۳ھ) مولانا غلام نقشبند لکھنوی (م ۱۱۷۳ھ) قاضی محب الشہر باری (م ۱۱۱۹ھ) مصنف سلم العلوم و سلم الثبوت (جنہوں نے تقریباً ایک صدی تک ہندوستان کے علماء و مدین کو ان دونوں کتابوں کی شرح و تحشیہ میں مشغول رکھا، اور ان کی کتابیں مصر تک کے علماء کبار اور اساتذہ ازہر کی مرکز توجہ رہیں) قاضی مبارک گوپاموی (م ۱۱۶۲ھ) مصنف شرح سلم معروف بقاضی، مولانا محمد اعظمی تھانوی مصنف کتاب اصطلاحات الفنون (جو اپنے موضوع پر بظہر کتاب

(ہے) اور سب سے اول و آخر میں ملا نظام الدین لکھنوی (م ۱۱۹۵ھ) جن کے ترتیب دیئے ہوئے درس کا سکہ ہندوستان سے بخارا اور سمرقند تک رواں ہے اور جن کو مصنف "نزہۃ الخواطر نے غیث الإفادۃ الہتون، العالم بالرحم المسکون، أستاذ الأساتذۃ و إمام الجہالین کے القاب سے یاد کیا ہے، جیسے سرآمد روزگار اور فخر بلاد و امصار عالم مدرس، مصنف اور پوری پوری علمی تحریک اور سلسلہ تدریس و تربیت کے بانی اسی صدی کے رجال و اعیان میں تھے۔
سلوک و طریقت کے لحاظ سے دیکھئے تو اس صدی میں حضرت مرزا مظہر جان جاناں (۱۱۹۵ھ - ۱۲۱۹ھ) سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کی ہستی موجود تھی، جن کے متعلق خود حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی شہادت ہے کہ ہر زمانہ میں ایسے بزرگ زیادہ تعداد میں پائے نہیں جاتے، چہ جائیکہ ایسے زمانہ میں جو فتنہ و فساد سے پُر ہے؟

سلسلہ قادریہ کے مشہور بزرگ اور ملا نظام الدین بانی درس نظامی کے مرشد حضرت سید عبدالرزاق بانسوی (م ۱۱۳۶ھ) سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے مجدد شاہ کلیم اللہ شہان آبادی (م ۱۱۳۴ھ) اور اسی سلسلہ کے ناشر و امام شاہ فخر الدین (شاہ فخر دہلوی) (م ۱۱۹۹ھ) سلسلہ قادریہ کے مشہور شیخ شاہ محمد غوث قادری لاہوری (م ۱۱۵۴ھ) سلسلہ نقشبندیہ کے شیوخ کا ملین شیخ محمد عابد ستامی (م ۱۱۶۰ھ) خواجہ محمد ناصر عندلیب (والد خواجہ میر درد) (م ۱۱۷۲ھ) شاہ منیب اللہ بالاپوری اور حضرت شاہ نور محمد بدایونی (م ۱۱۳۵ھ) اس عہد میں مسند آرا اور فیض رساں نظر آتے ہیں، غرض یہ زمانہ سلاسل ثلاثہ قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ کے شیوع و انتشار کا زمانہ تھا، اور تینوں سلسلوں کے شیوخ کا ملین موجود تھے، حضرت شاہ عبد العزیز

لے استفادہ "نزہۃ الخواطر" ۶۵۔ ۵۷ کلمات طبایات ۶۵۔ ۳۵ یہ اسمائے گرامی ان کے سین و وفات او
انتیازی خصوصیات "نزہۃ الخواطر" تصنیف مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی، جلد ششم سے اخذ کئے گئے ہیں۔

رحمۃ اللہ علیہ کا محفوظ ہے:-

دعہد محمد شاہ بادشاہ بست و دوزبگ محمد شاہ بادشاہ کے زمانہ میں بامیس
صاحب ارشاد از ہر خانوادہ در دہلی بزرگ حسب ارشاد مختلف خانوادوں
بودند و این چنین اتفاق کم می شود سے تعلق رکھنے والے دہلی میں موجود
تھے اور ایسا اتفاق کم ہوتا ہے۔

اخلاقی و معاشرتی پستی

لیکن ان نامور اہل کمال اور سچا نفس شیوخ کا ملین کی موجودگی میں واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان کا مسلم معاشرہ اور خاص طور پر طبقہ امراء سلطنت کے اثر سیاسی زوال دولت کی فلولانی اور ایرانی تہذیب کے اثر سے اخلاقی زوال کے نقطہ عروج کو پہنچ گیا تھا اور اسی وجہ سے وہ اس کردار کے ادا کرنے سے قاصر تھا جو طبقہ امراء نے ہر دور میں انقلاب سلطنت کے موقع پر ادا کیا ہے اسی طبقہ میں سے (جو SECOND LINE رہا ہے) وہ افراد سامنے آئے ہیں جنہوں نے اس خلا کو پُر کر دیا ہے جو سیاسی و انتظامی میدان میں پیدا ہو جاتا تھا، سید ہاشمی فرید آبادی نے صحیح لکھا ہے:-

”ہندوستان کی دولت و ثروت نے خود اس طبقہ امراء کو نہایت عیش پسند اور تن آسان بنا دیا تھا..... ہم ان امیروں کی ساری کوشش و قابلیت اولیٰ ہوا کے لئے سازش اور ریشہ دوانی میں صرف ہوتے دیکھتے ہیں انقلاب سلطنت اور حصول پادشاہی تو درکنار کسی مسلمان امیر کو اپنے اپنے مقام پر علانیہ خود مختاری کا اعلان کرنے کی بھی جسارت نہ ہوتی اور اس عرصہ میں ادھر تو نظم و نسق کی اندرونی خرابیاں

بڑھتی رہیں اور ادھر حکمران طبقہ کے افراد سے انتظام حکومت اور اشتراک عمل کی
صلاحیت ہی رفتہ رفتہ مفقود ہو گئی۔^{۱۵}

شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں:-

بخانہ قمر الدین خاں عورت خصل خیرا نواب قمر الدین خاں کے گھر میں عورتیں
از گلاب می گردند خانہ دیگر نواب برصد اخیر کا غسل گلاب کرتی تھیں دوسرے
روپیہ گل و پان برائے عورت می رفت۔^{۱۶} نواب کے گھر میں تین سو روپے کے پھول اور
پان عورتوں کے لئے جلاتے تھے۔

مولانا غلام علی آزاد بلگرامی آثار الکرام میں لکھتے ہیں کہ:-

”اورنگ آباد کے لوگ بالاتفاق بیان کرتے ہیں کہ امیر لاهور (حسین علی خاں) کے
عہد میں شہر کے اکثر لوگ اپنے گھر میں کھانا نہیں پکاتے تھے، امیر لاهور کی سرکار کے باورچی اپنا
حصہ بیچ ڈالتے تھے، پرتکلف پلاؤ کی ایک تعب چند پیسوں میں لوگوں کو مل جاتی تھی؛^{۱۷}

اعتقادی کمزوری اور شرک و بدعات کا زور

اس معاشرتی اور اخلاقی پستی سے زیادہ خطرناک اور خدا کی نصرت سے محروم اور حقیقی طاقت
سے عاری کرنے والی خرابی ضعیف الاعتقادی قرآن مجید کے اعلان ”الْاِیْمَةُ الْاِحْمٰیصُ“^{۱۸} کے
خلاف بکثرت عوام کی زندگی، مسلم معاشرہ میں بدعات کا زور، ہندوؤں اور شیعوں کے بہت سے رسوم
و عادات کی تقلید تھی، شرک جلی کی ایسی متعدد صورتیں بہت سے مقامات اور حلقوں میں پائی جاتی تھیں،

۱۵۔ تاریخ ہند کتاب سوم از مولوی سید ہاشمی فرید آبادی ۱۲۶۵-۱۲۶۶، حیدر آباد دہلی ۱۹۲۲ء۔

۱۶۔ ملفوظات عزیزی۔ ۱۷۔ آثار الکرام۔ ج ۱ ص ۱۷۱۔ ۱۸۔ الزمر۔ ۳

جن کی کوئی علمی توجیہ ممکن نہیں کھلی ہوئی قبر پرستی، مشائخ کے لئے مسجد، تعظیم، مزارات اور اس کے قرب جوار کا حرم کی طرح احترام، قبروں پر چادریں چڑھانا، مٹیں ماننا، بزرگوں کے نام پر قربانیاں کرنا، مزارات کا طواف، وہاں میلہ لگانا، تہوار منانا، گانا بجانا اور چراغاں کرنا، اور مختصر الفاظ میں ان کو قبلہ و کعبہ اور لمبا و ماویٰ سمجھنا، کوئی ایسا واقعہ اور منظر تھا جس کو دیکھنے کے لئے بہت دور جانے اور بہت دیر انتظار کرنے کی ضرورت ہوتی، شیخ سدو کا بکرا، سید احمد کبیر کی گائے، غازی میاں کے جھنڈے اور چھڑیاں، محرم کے تعزیئے، غیر اسلامی تہواروں کو شان و شوکت سے منانا، بیماریوں کے دفع کرنے میں ارواحِ خبیثہ اور بعض اوقات دیوی دیوتاؤں کی رضا جوئی اور خوف و چمک کی بیماری میں سیتلا کی تعظیم، اولیاء و صالحین کے لئے مٹیں ماننا اور قربانیاں کرنا، اولیاء اور نیک مسمیوں کے نام سے رونے کی نیت کرنا اور ان سے اپنی حاجت براری اور مقاصد کی تکمیل کو وابستہ کرنا، اور اس سلسلہ میں خاص دن، خاص کھانے (بی بی کی صحنک، مخدوم صاحب کا نوشہ وغیرہ) اور ان میں خاص آداب کی پابندی، یہ اور ایسے بہت سے عنوانات ہیں جن کے تحت توہمات، عقائد فاسدہ، رسوم جاہلیت اور التزامات اور پابندیوں کا ایک طویل سلسلہ ہے، علی بخش، حسین بخش، پیر بخش، مدار بخش، اور سالار بخش، نام عام تھے۔

ایک بڑے دائرہ میں عقیدہ توحید اس مفہوم میں محدود ہو کر رہ گیا تھا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی زمین و آسمان اور کائنات کا حقیقی خالق اور صانع ہے، اور وہی معبود حقیقی ہے اور بڑے بڑے اولوہی انجام دیتا ہے لیکن اس نے سلاطین عالم کی طرح اپنی سلطنت کے بہت سے شعبے اور محکمے اپنے مصلوب بندوں کے سپرد کر دیئے ہیں جو ان کے مالک و مختار ہیں اور سیاہ سپید کرتے رہتے ہیں، اب ان کو راضی کئے اور ان سے رابطہ قائم کئے بغیر اس سلسلہ میں کوئی کامیابی اور کار براری نہیں ہو سکتی، شرک صرف یہ ہے کہ خدا کے سوا کسی اور ہستی کو اس دنیا کا صانع و خالق اور مالک حقیقی سمجھا جائے

اور اس کو براہ راست عبادت و سجدہ کا (بلا توسل اور شفاعت کے خیال کے) مستحق سمجھا جائے۔
 غرض بارہویں صدی کا ہندوستان سیاسی، انتظامی، اخلاقی، اور بہت حد تک اعتقادی
 حیثیت سے انحطاط و پستی کے اس نقطہ پر پہنچ گیا تھا، جو اسلامی ملکوں کے زوال اور مسلم معاشرہ
 کی پستی کا افسوسناک اور خطرناک مرحلہ ہوتا ہے، مولانا یسلیمان ندویؒ نے اس مجموعی صور حال
 کا نقشہ اپنے ایک مضمون میں بڑی بلاغت و اختصار کے ساتھ کھینچا ہے، وہ لکھتے ہیں:-

”مغلیہ سلطنت کا آفتاب لب بام تھا، مسلمانوں میں رسوم و بدعات کا زور تھا،
 جھوٹے فقراء اور شلخ اپنے بزرگوں کی خانقاہوں میں مندریں بچائے، اور اپنے
 بزرگوں کی مزاروں پر چرخ جلائے بیٹھے تھے، مدرسوں کا گوشہ گوشہ منطق و حکمت
 کے ہنگاموں پر شور تھا، فقہ و فتاویٰ کی نفطی پریش ہر مفتی کے پیش نظر تھی، مسائل
 فقہ میں تحقیق و تدقیق مذہب کا سب سے بڑا جرم تھا، عوام تو عواماً خواص تک قرآن پاک
 کے معانی و مطالب اور احادیث کے احکامات و ارشادات، اور فقہ کے اسرار
 و مصارع سے بے خبر تھے۔“



لے اس تصور توحید اور نقطہ خیال کی توضیح، شاہ صاحب کے اعتقادی اصلاح و تجدید کے باب میں تفصیل سے
 آجنگی وہاں ملاحظہ کی جائے۔ لے مقالات سلیمانی ص ۱۴

باب شوم

شاہ صاحب کے اجداد و والد بزرگوار

شاہ صاحب کے اجداد

شاہ صاحب کے اجداد اولین کا زمانہ (جو شیخ خمس الدین معنی کے زمانہ سے شہر تنگ میں قیام پذیر ہے) ہندوستان کی علمی و تصنیفی تاریخ کا وہ عہد ہے جب یہاں تذکرے و تراجم کی تصنیف کا دور عام طور پر شروع نہیں ہوا تھا، زیادہ تر نامور مشائخ طریقت کے انفرادی تذکرے تھے جن میں محبوب الہی سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء کا تذکرہ سیر الاولیاء (مرتبہ امیر خد) خاص اقیار رکھتا ہے یا صلحاء و مشائخ وقت کے بے جملے تذکرے تھے جن میں دو کتابیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں، ایک شاہ محمد بن حسن غوثی مندوی کی گلزار ابرار (جس میں زیادہ تر بانڈو والوہ کے صلحاء و مشائخ کا تذکرہ ہے) دوسرے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی اخبار الاخیار، اہل کمال اور نامور اشخاص کے تذکروں کی کمی تھی جن میں مختلف خاندانوں کے برگزیدہ اشخاص یا مختلف علاقوں کی ممتاز شخصیتوں کا (جو کسی سلسلہ کی بانی یا اس کی اہم کڑی نہیں تھیں) تعارف و تذکرہ ہوا ان تذکروں میں بھی قدرتا مرکزی یا علاقائی دارالسلطنت اور اس کے اطراف اور ہندوستان کے مرکزی و تاریخی شہروں کی نامور شخصیتوں کا تذکرہ زیادہ ہے، جن کے حالات و کمالات سے واقفیت کے ذرائع مصنف کے

آسانی سے میسر تھے، شاہ صاحب کا خاندان شیخ شمس الدین مفتی کے وقت سے جد بزرگوار شیخ وجیہ الدین کے عہد تک رہتک میں رہا، جس کو یہ مرکزیت و اہمیت حاصل نہ تھی، اس لئے ان تذکروں میں بھی ان کے حالات و وقائع عام طور پر نہیں ملتے۔

یہ باب بالکل تشنہ رہتا اور شاہ صاحب کے تذکرہ نویس یا اس خاندان کی تاریخ لکھنے والے کو سخت زحمت پیش آتی، اگر خود شاہ صاحب اپنے اجداد کے تذکرہ میں امدادی مآثر الابداد کے نام سے ایک مختصر رسالہ خود قلم بند نہ فرماتے، اس میں بھی اجداد اولین کا تعارف و تذکرہ نہایت اجمال و اختصار کے ساتھ اور جدا مجید شیخ وجیہ الدین کا (بوجہ قرب زمانہ اور قلت وسائل) نسبتاً تفصیل کے ساتھ کرایا گیا ہے، انہیں اشارات کو لے کر مصنف حیات ولی مولوی حافظ محمد حرم بخش مرحوم دہلوی نے اپنی انشا پردازی سے بہت پھیلا کر لکھا ہے، جو کتاب کے ۱۳ صفحات میں آیا ہے، انہوں نے شاہ صاحب کے اس بنیادی تذکرہ میں (جو سب سے مستند اور قابل اعتماد ماخذ ہے) دوسری معاصر تاریخوں اور کتابوں سے جو مضامین اضافہ کئے ہیں ان میں صفحات تو علیحدہ رہے، کتاب اور مصنف کا نام بھی کہیں نہیں ہے، اس وجہ سے ہم صرف مآثر الابداد ہی پر اکتفا کریں گے۔

شجرہ نسب

شاہ صاحب نے جو فاروقی النسب ہیں، اس رسالہ کے شروع میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک اپنا شجرہ نسب درج کر دیا ہے، شمس الدین مفتی جو اس خاندان میں سب سے پہلے رہتک آئے، لہٰذا یہ رسالہ متوسط تقطیع پر دس صفحات میں آیا ہے، اور شاہ صاحب کے پانچ رسائل کے مجموعہ میں شامل ہے جس کا پہلا رسالہ ”انسان العیون“ ہے.... بطبوعہ مطبع احمدی دہلی، ”انفاس العارفین“ میں سات رسائل کا جو اضافہ ہے اس میں بھی شامل ہے۔

اور طرح اقامت ڈالی ان کے ایک بھائی سالار حسام الدین تھے، ان کی اولاد میں شاہ ارزانی بدایونی ایک بزرگ گزے ہیں، ان کے خاندان کے نسب ناموں سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے یہاں پر شیخہ نسب من وعن درج کیا جاتا ہے۔

”شاہ ولی اللہ بن ابی شیخ عبدالرحیم بن الشہید وجیہ الدین بن معظم بن منصور بن احمد بن محمود بن قوام الدین عرف قاضی قاذن بن قاضی قاسم بن قاضی کبیر عرف قاضی بدیع بن عبد الملک بن قطب الدین بن کمال الدین بن شمس الدین بن شیر ملک بن محمد عطا ملک بن ابوالفتح ملک بن عمر حاکم ملک بن عدل ملک بن فاروق بن جرجیس بن احمد بن محمد شہر یار بن عثمان بن بابان بن بہایوں بن قریش بن سلیمان بن عفان بن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن عمر بن الخطابؓ“

اس نسب نامہ میں کئی ناموں کے ساتھ ”ملک“ خطاب آتا ہے، شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں، ”یہ زمانہ قدیم میں غنطیمی لقب تھا، جیسے ہمارے زمانہ میں خان“

خاندان کی ہندوستان آمد

شاہ صاحب کی روایت کے مطابق ان کے خاندان کے پہلے بزرگوار جنہوں نے رتھک میں قیام اختیار کیا، (اور غالباً وہی ہندوستان میں سب سے پہلے آئے) وہ شیخ شمس الدین مفتی تھے، ان واسطوں اور پشتوں کی تعداد اور ان کی طبعی اور تقریبی عمروں کے حساب سے اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ شمس الدین مفتی ساتویں صدی کے آخر یا آٹھویں صدی ہجری کے اوائل میں ہندوستان آئے ہوں گے

لے الامداد فی آثار الابداد مشہور مجموعہ رسائل حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مطبوعہ مطبع احمدی دہلی انفاکس العربین مطبوعہ مطبع مجتہائی (۱۳۳۹ھ) میں الامداد فی آثار الابداد کا جو نسخہ شامل ہے (۱۵۰۰ - ۱۶۰۰) اس میں جو شیخہ نسب درج ہے اس میں متعدد غلطیاں اور نقائص ہیں جو غائب طبعات کی غلطی تصحیح کیے تو بھی کا نتیجہ ہے، مذکورہ بالا نسخہ مشہور مجموعہ رسائل تنہا قابل اعتماد ہے، اسی سے خبرہ نقل کیا گیا۔

جب تاتاریوں کے حملہ سے عالم اسلام کا مشرقی حصہ زیر و زبر خاندانوں کی عترتیں برباد ان کے علمی اند و ختے غارت اور ایران ترکستان کے نامی گرامی شہزاد راج و بے چراغ ہو چکے تھے، تالیخ فیروز شاہی اور دوسری تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی زمانہ میں عراق، ایران، و ترکستان کے شریف و نجیب خاندان اور ذی علم و باکمال خاندانوں کے کثرت سے ہندوستان آئے، جہاں ترکی النسل مسلمان خاندانوں کی حکومت تھی، اور جنہوں نے تاتاری حملہ آوروں کو ترکی بہ ترکی جواب دے کر ہندوستانی سرحدوں سے پیٹا اور اس ملک کو نہ صرف ان کی غارت گری سے محفوظ بلکہ اپنی دین پروری اور معارف نوازی سے دارالعلم اور ایک وسیع مدرسہ بنا دیا تھا، جہاں جا بجا درس کے حلقے، یاد الہی اور تزکیہ نفس کے مرکز، اور اہل قلم اور اہل تحقیق کے لئے سکونت و اطمینان کے ساتھ اپنا کام کرنے کے مواقع تھے۔

رہنٹک کا قیام

ایسا معلوم ہوتا ہے اور شاہ صاحب کے بیان سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ رہنٹک اُس وقت کی نئی اسلامی سلطنت کا ایک اہم شہر اور مغرب سے دہلی کی طرف آنے والی اسلامی افواج، مجاہدین، داعیان اسلام اور مشائخ و علماء کی دہلی سے پہلے کی ایک اہم منزل اور فرود گاہ تھی، شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ قریش کی نسل سے پہلے جو بزرگ اس شہر میں آئے، اور ان کی وجہ سے اسلامی شعائر کا غلبہ اور کفر و جاہلیت کا زوال ہوا، وہ شیخ شمس الدین مفتی ہی تھے، شاہ صاحب نے ان کی بعض کرامتوں کا بھی ذکر کیا ہے، جو ان کی بزرگی اور اس زمانہ کے حالات کے لحاظ سے باعث استعجاب نہیں، اس زمانہ میں جو صاحب علم و فضل

مسلمان اس شہر میں قیام کرتا تھا، اس کو قضا کا عہدہ اور شہر کا نظم و نسق بھی سپرد ہو جاتا تھا لیکن اس زمانہ میں اس کو قاضی و محتسب کے لقب سے یاد نہیں کرتے تھے۔

شیخ شمس الدین مفتی سے شیخ وجیہ الدین تک

شیخ شمس الدین مفتی کے انتقال کے بعد ان کی اولاد میں سب سے بزرگ فرد کمال الدین مفتی، ان کے بعد ان کے صاحبزادہ قطب الدین، ان کے بعد ان کے فرزند عبد الملک ان عہدوں پر فائز اور ان ذمہ داریوں کو پورا کرتے رہے، ان حضرات کے بعد قضا کا باقاعدہ ان اطراف میں تعین ہونے لگا، شیخ عبد الملک کے صاحبزادہ قاضی بدہ نے اپنے خاندان کی اس روایت اور وجاہت کو قائم رکھا، ان کے دو لڑکوں سے ان کی نسل چلی، اس خاندان کی شادیاں رہتک کے صدیقیوں اور سونی پت کے سادات میں ہوئیں، شیخ محمود کی (جو شاہ ولی اللہ صاحب کے جدِ خامس ہوتے ہیں) اور جنہوں نے عہدہ قضا ترک کر کے حکومت کے عہدوں کو سنبھالا، شادی سونی پت کے سادات میں ہوئی، جن سے ایک صاحبزادہ شیخ احمد پیدا ہوئے، شیخ احمد نے صغریٰ میں رہتک کو خیر باد کہا، اور شیخ عبد الغنی بن شیخ عبد الحکیم کے ساتھ سونی پت میں بود و باش اختیار کیا، شیخ عبد الغنی نے اپنی صاحبزادی سے ان کا عقد کر دیا، اور مدت تک ان کی تربیت کی، اس کے بعد وہ رہتک آئے، اور قلعہ کے باہر ایک عمارت بنائی، اور اپنے اہل تعلق کو مجتمع کیا، ان کے صاحبزادہ شیخ منصور وجاہت شجاعت اور حکومت کے فضائل کے جامع تھے، ان کی پہلی شادی شیخ عبد اللہ بن شیخ عبد الغنی کی صاحبزادی سے ہوئی، ان کے صاحبزادہ شیخ معزم اسم باسٹی اور باہمیت و وجاہت بزرگ تھے، شجاعت کا بڑا جوہر رکھتے تھے،

واقعات عجیبہ کا ان سے صدور ہوا، شاہ صاحب اپنے والد حضرت شاہ عبدالرحیمؒ کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ شیخ منصور کی ایک راجہ سے جنگ ہوئی، لشکر کا سینہ شیخ معظم کے سپرد کیا گیا، اس وقت ان کی عمر بارہ سال کی تھی، سخت موکہ پیش آیا، اور دونوں طرف کے بہت سے لوگ مقتول ہوئے، اس درمیان میں کسی نے شیخ معظم سے کہہ دیا کہ ان کے والد شیخ منصور نے شربت شہادت نوش فرمایا، اور شکر اسلامی کو شکست ہوئی، یہ سن کر ان کی غیرت اسلامی اور رگ فاروقی حرکت میں آئی، وہ مردانہ وار حریف لشکر میں گھس گئے اور صفیں درہم برہم کرتے ہوئے بڑی کوشش کے بعد راجہ کے ہاتھی تک پہنچ گئے، ایک بڑا مخالف سردار مقابلہ میں آیا، انھوں نے تلوار کے ایک وار سے اس کے دو ٹکڑے کر دیئے، اس کے ساتھیوں نے شیخ معظم کو گھوڑے پر سے اتار دیا، لوگوں نے ان پر ہجوم کیا، اس راجہ نے سب کو ڈانٹا اور منع کیا، اور کہا کہ ایسا نوعمر ایسی جواں مردی اور جوت دکھائے، یہ تو عجائبات زمانہ میں سے ہے، راجہ نے ان کے دونوں ہاتھ لے کر چوڑے اور بڑے احترام سے پیش آیا، اور پوچھا کہ اتنا غصہ کیوں ہے؟ کہا کہ مجھے یہ اطلاع ملی کہ میرے والد شہید ہو گئے، میں نے ارادہ کیا کہ میں حملہ کروں اور مخالف لشکر کے سردار کو جب تک ٹھکانہ نہ لگا دوں دم نہ لوں، میں نے ہتھیار کر لیا تھا کہ یا ماروں یا مر جاؤں، راجہ نے کہا جس نے تم کو یہ اطلاع دی اس نے جھوٹ کہا، تمہاری والد زندہ ہیں، اور ان کے جھنڈے وہ نظر آ رہے ہیں، اس وقت راجہ نے شیخ منصور کے پاس کسی کو بھیجا کہ ہم نے اس لڑکے کی خاطر صلح کر لی، اور جو کہا گیا اس کو منظور کیا اور واپس گیا۔

شاہ صاحب اپنے والد صاحب کی زبانی موضع شکوہ پور کے (جو شیخ معظم کی تعلقہ داری میں تھا) ایک معزز میندار کی یہ روایت بھی بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ تیش ڈاکو اس گاؤں کے مویشیوں کو لوٹ لے گئے، اس وقت شیخ معظم تنہا وہاں تھے، ان کے عزیزوں اور

فرزندوں میں سے کوئی نہ تھا، ان کو اس واقعہ کی اطلاع کی گئی، اس وقت دسترخوان لگ گیا تھا اور کھانا چن دیا گیا تھا، انھوں نے کسی عجلت اور پریشانی کا اظہار نہیں کیا، پورے اطمینان اور معمول کے مطابق کھانے سے فراغت کی، ہاتھ دھوئے پھر کہا ہمارے ہتھیار اور گھوڑا لے آؤ، جب سوار ہو کر چلے تو زمینداروں میں سے بھی کچھ لوگ ہتھیار لگا کر ساتھ ہوئے شیخ معظم نے سب کو واپس کیا، اور فرمایا کہ میں اتنی تیزی سے جاؤں گا کہ تم میرے گھوڑے کی گرد کو بھی نہ پہنچو گے، البتہ اس قصہ کے راوی کو جو دوڑنے میں گھوڑے کے برابر تھا، ساتھ لے بیٹا کہ وہ واقعہ کی اطلاع دے سکے، پھر گھوڑا دوڑا کر ان ڈاکوؤں کو جو کئی منزلیں طے کر چکے تھے، جالیا، اور ان کو غیرت دلا کر میدان میں مقابلہ کے لئے اتارا اور تیر اندازی شروع کی، ان کی قادر اندازی اور تیرا فنی دیکھ کر اس پورے گروہ پر عجب طاری ہو گیا، انھوں نے فریاد کی کہ ہم توبہ کرتے ہیں، ہمیں معاف کیا جائے، شیخ نے فرمایا کہ تمہاری توبہ یہ ہے کہ اپنے ہتھیار خود اتارو، ہر ایک دوسرے کا ہاتھ باندھے، اسی حالت میں بوشیوں اور سلاح اور اس دست بستہ گروہ کو گاؤں تک لائے، ان لوگوں کے مذہب کے مطابق ان سے قسم لی کہ اس سب کی پرکھی نظر نہ اٹھائیں گے، انھوں نے اس کی تعمیل کی۔

شیخ معظم کے سید نور ابجبار سونی پتی کی صاحبزادی سے تین صاحبزادے پیدا ہوئے شیخ جمال شیخ فیروز، شیخ وجیہ الدین، شیخ وجیہ الدین شاہ صاحب کے حقیقی دادا ہیں۔

شاہ صاحب کے دادا شیخ وجیہ الدین شہید

شاہ صاحب نے اپنے حقیقی دادا شیخ وجیہ الدین شہید کے حالات قدیمے تفصیل سے لکھے ہیں، وہ فرماتے ہیں، ان میں تقویٰ اور شجاعت کی دونوں صفتیں جمع تھیں، والد صاحب (شاہ عبد الرحیم صاحب) فرماتے تھے کہ میرے والد (شیخ وجیہ الدین) نے دن رات میں قرآن کے

ڈوسپاے پڑھے کا وظیفہ مقرر کر رکھا تھا جس کو وہ سفر و حضر، اور چستی و کسل مندی دونوں حالتوں میں کبھی ترک نہیں کرتے تھے، جب عمر زیادہ ہوئی اور بصارت کمزور تو خطابلی کا ایک قرآن شریف اپنے ساتھ رکھتے تھے، سفر میں بھی کسی وقت اپنے سے جدا نہیں کرتے تھے، یہ بھی فرماتے تھے کہ وہ اپنے گھوڑے کو کبھی کسی کی کھیتی میں گھسنے نہیں دیتے تھے، خواہ تمام لشکر کاشت کی ہوئی زمین میں گھوڑے دوڑاتا ہو، بعض اوقات اس بناء پر متعارف راستہ سے شقت برداشت کر کے الگ چلتے، یہ بھی فرماتے تھے کہ کسی جنگ میں اگر سامان رسد کم ہو جاتا، اور کھانے پینے کی چیزیں مہیا نہ ہوتیں تو ساقی گاؤں کے مویشیوں کو زبردستی پکڑ کر کے ان سے اپنی غذا حاصل کر لیتے، لیکن وہ ان سے محنتب رہتے، جب دو تین فاقوں کی نوبت آجاتی اور قوت جواب دے جاتی تو زراقت حقیقی رزق مہیا فرمادیتا، بعض مرتبہ وہ فکر میں ہوتے، زمین پر چابک پٹختے وہاں سے چنے بقدر خوراک کے نکل آتے، وہ اس کو دھو کر اور پاک کر کے بھگو لیتے اور تناول فرماتے، فرماتے تھے کہ میرے والد کا معاملہ شاگرد پیشہ لوگوں، اور بھوسہ چارہ بیچنے والوں کے ساتھ ایسی نرمی اور انصاف کا تھا کہ بڑے بڑے مفتقیوں سے بھی ایسا کم دیکھنے میں آیا، یہ بھی فرماتے تھے کہ ایک سفر میں انھوں نے بعض آثار و ولایت کا مشاہدہ کیا بیعت کی اور اشغال صوفیہ کے ساتھ مشغول ہوئے، تعلیل کلام اور قلت اختلاہ باہم کو (جو صوفیائے باصفا کا شیوہ ہے) اپنا شعار بنایا، اور اس کی ایسی پابندی کی جو اس زمانہ کے صوفیوں میں بھی کم دیکھی گئی ہے۔

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ والد صاحب ان کی شجاعت کا بہت ذکر کیا کرتے تھے، اس موقع پر شاہ صاحب نے والد صاحب کی زبانی ان کی نمایاں شجاعت اور تہور کے متعدد واقعات لکھے ہیں، بعض مرتبہ تنہا انھوں نے پورے پورے گروہ کا مقابلہ کیا، وہ لشکر شاہی میں مالوہ تک تشریف لے جاتے تھے، اپنے زمانہ کے اچھے اچھے شہسواروں اور سوراؤں سے انھوں نے مقابلہ کیا

اور بعض مرتبہ اپنے ساتھیوں یا افسروں کو جو مخالفت کی زمیں آگئے تھے، عین موقع پر پچا لیا، ایک مرتبہ انھوں نے تین جنگ آزما مبارز طلبوں کو جو کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے، زیر کیا، وہ فنون سپہ گری میں طاق تھے۔

جنگ برادران میں وہ عالمگیر بادشاہ کے ساتھ تھے، جب شاہ شجاع نے بنگالہ میں خروج کیا تو وہ عالمگیر کے لشکر میں تھے، اور انھوں نے کار نمایاں انجام دیا، اور ولی نعمت کے ساتھ پوری وفاداری اور استقامت کا ثبوت دیا، ان کی مردانگی سے اس معرکہ میں عالمگیر کو فتح ہوئی، فتح کے بعد بادشاہ نے چاہا کہ منصب میں اضافہ کرے، انھوں نے از روئے استغنا قبول نہیں کیا، بعض مرتبہ انھوں نے اپنے خاص احباب و رفقاء کے ساتھ حق دوستی ادا کیا اور خطہ مولے کران کی امداد کی، شاہ عبدالرحیم صاحب نے ان کی قوت قلبی، بلند ہمتی اور مہم جوئی اور خطر پسندی کے متعدد واقعات بیان کئے ہیں، اسی کے ساتھ ان کی ہمدردی و دل جوئی اور غریب پروری کے واقعات بھی لکھے ہیں۔

شیخ وجیہ الدین کی شادی شیخ رفیع الدین محمد کی دختر نیک اختر سے ہوئی، شیخ رفیع الدین قطب العالم کے فرزند تھے، اور وہ حضرت شیخ عبدالعزیز شکر باری کے صاحبزادہ، ان کے

لے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، آثار الابداد ص ۷۷، ایضاً ص ۷۷ ایضاً ص ۷۷

۷۷ شیخ عبدالعزیز عباسی جو پوری شہر دہلی (۱۸۹۸-۱۹۰۵ء) کا شہر کا رشتہ خشتیہ میں، شیخ قاضی خاں غازی کا اور شیخ تاج محمود جو پوری سے طریقہ خشتیہ میں اجازت حاصل تھی، بے نفسی اور تواضع کا پیکر تھے، اور اخلاق عالیہ سے موصوف، وحدۃ الوجود کا مذاق رکھتے تھے، خطوط میں اپنے نام سے پہلے ”ذرا ناچیز“ لکھا کرتے تھے، (جس سے ان کے مذاق کا اظہار ہوتا ہے) عجیب اتفاق ہے کہ اسی سے ان کی تاریخ وفات نکلتی ہے۔ ”فَتَبَحُّنَ الَّذِي يَمِيدُ مَمْلُوكٌ كُلِّ شَيْءٍ وَآلِيَهُ تَرْجُوهُ“ (نیس۔ ۸۳) پطائر روح نے قفس غصہ سے پر ملاز کی حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ کے حالات میں ص ۱۱۵ البندۃ الابرزیتہ فی لطیفۃ العزیزیتہ ”اسی مجموعہ رسائل میں شامل ہے۔ (نثر بہ انوار طبع ۴، اختصار)

تین صاحبزائے پیدا ہوئے، شیخ ابوالرضا محمد، شیخ عبدالرحیم، شیخ عبدالحکیم۔

شاہ عبدالرحیم صاحب کہتے ہیں کہ میرے والد (شیخ وجیہ الدین) ایک شب تہجد کی نماز پڑھ رہے تھے، ایک سجدہ میں اتنی دیر تک سرسجود رہے کہ خیال ہوا کہ شاید روح پرواز کر گئی، جب سر اٹھایا تو آپ سے اتنی دیر تک ساکت و صامت پڑے رہنے کے بارے میں میں نے دریافت کیا فرمایا غیوبت کی حالت پیدا ہو گئی تھی، اس میں شہید کے درجہ اور ثواب کا حال معلوم ہوا میں نے حق تعالیٰ سے شہادت کی تمنا کی اور اس میں اتنے احاح و زاری سے کام لیا کہ اس کی قبولیت کا انکشاف ہوا، دکن کی جانب اشارہ ہوا کہ وہ شہادت کی جگہ ہوگی، والد صاحب فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد اگرچہ فوج کی ملازمت ترک فرمادی تھی اور اس شغل سے طبیعت کو نفرت ہو گئی تھی، لیکن از سر نو اسباب سفر ہتھ کئے، گھوڑا خریدا اور دکن کی جانب متوجہ ہوئے، ان کا خیال تھا کہ یہ واقعہ سیوار میں پیش آئے گا، جو اس وقت سلطنت اہل اسلام کے حدود سے خارج تھا اور وہاں کا حاکم مسلمانوں کے قاضی کے ساتھ بڑی بے حرمتی کے ساتھ پیش آیا تھا، لیکن جب بڑبانیپور پہنچے تو وہاں منکشف ہوا کہ شہادت کی جگہ تو پیچھے چھوڑ آئے، وہیں سے واپس ہوئے راستہ میں بعض سوداگروں کی جو مصلحت و تقویٰ سے آراستہ معلوم ہوتے تھے، صحبت و ہمراہی اختیار کی، قصبہ ہنڈیا سے چاہتے تھے کہ ہندوستان واپس آئیں کہ ایک دن ایک ضعیف العمر آدمی ملا کہ افتاں و خیزاں بھاگا جاتا تھا، ان کو اس کے حال پر رحم آیا، انھوں نے وجہ پوچھی، کہا کہ میں دہلی جانا چاہتا ہوں، فرمایا، روزانہ تین پیسے ہماری ملازمت سے لے لیا کرو، وہ بڑھا اصل میں کفار کا جاسوس تھا، جب تو بڑیا کی سرانے میں پہنچے تو جاسوس نے اپنے ساتھیوں کو خبر کر دی (کہ سوداگروں کا قافلہ اس سرانے میں ٹھہرا ہوا ہے) ڈاکوؤں کی ایک جماعت کثیر اس سرانے میں آئی، شیخ وجیہ الدین اس وقت تلاوت میں مشغول تھے، ان میں سے دو تین آدمی سامنے آئے

اور کہا کہ وجیہ الدین کون ہیں، انھوں نے فرمایا کہ میں ہوں، انھوں نے کہا کہ تم سے ہیں کوئی کام نہیں ہم جانتے ہیں کہ تمہارے پاس کچھ مال نہیں اور تمہارا ہمارے گروہ میں سے ایک پر حق تک بھی ہے لیکن ان سودا گروں کو جن کے پاس ساز و سامان ہے ہم نہیں چھوڑیں گے چونکہ آپ کی غرض اصلی ہی اس سفر سے شہادت تھی آپ رفاقت چھوڑنے پر راضی نہ ہوئے اور حملہ آوروں کے مقابلہ میں آگئے، آپ کو بائیس زخم آئے آخری زخم میں سر مبارک جسد سے جدا ہو گیا، اس حالت میں بھی دیر تک تکبیر زبان پر جاری رہی اور کچھ دور کھانا تعاقب بھی کیا، بالآخر ایک جگہ گرے اور وہیں مدفون ہوئے، اللہ تعالیٰ نے شاہ عبدالرحیم صاحب کو یہ واقعہ دکھایا، انھوں نے دیکھا کہ وہ اپنے زخم دکھا رہے ہیں، شاہ صاحب نے جسد مبارک کو منتقل کرنے کا ارادہ بھی کیا، مگر اشارہ غیبی نے ان کو اس سے باز رکھا۔

شاہ صاحب کے نانا شیخ محمد چلتی

شاہ صاحب کے نانا حضرت شیخ محمد چلتی تھے، ان کے خاندان کا وطن اول سدھوڑ تھا سلطان سکندر لودھی کے زمانہ میں یہ خاندان پھلت پھل گیا تھا، آپ کے والد کا نام شیخ محمد عاقل تھا، وہ کمپن سے بڑے ہونہار اور زمانہ کے صلی اور اہل دل کے منظور نظر تھے، حضرت سید آدم بنوری کے خلیفہ شیخ جلال نے ان کی ولادت پر ان کے مراتب عالیہ کی بشارت دی تھی، تعلیم انھوں نے اولاً شاہ صاحب کے چچا شیخ ابوالرضا محمد بن شیخ وجیہ الدین سے حاصل کی، اس کے بعد شاہ عبدالرحیم صاحب کے پاس گئے، ان سے بڑی مناسبت معلوم ہوئی، وہاں سے علم کی تحصیل کر کے

لے ایسے واقعات بعض اور شہداء کے متعلق بھی کتابوں میں دیکھنے میں آئے ہیں۔ لہٰذا ان کے حالات میں شاہ صاحب کا مستقل رسالۃ السیۃ السعدیۃ فی الاقسام المصعدیۃ کے نام سے اسی مجموعہ رسائل میں شامل ہے، لہٰذا حال ضلع بارہ بنکی۔

پھر پھلت واپس آئے، بذل و سخا، خود شکنی و فناء میں پایہ بلند رکھتے تھے، قوی تاثیر و متاثر شاہ تھے، شاہ صاحب نے ان کی اپنے استاد و مرتبی شاہ عبدالرحیم صاحب کے ساتھ اطاعت و انقیاد اور تسلیم و رضا کے متعدد واقعات لکھے ہیں، ان کو شاہ صاحب کی اجازت بھی حاصل ہوئی، ان کے صاحبزادہ شیخ عبید اللہ تھے، جو شاہ صاحب کے ماموں اور خسر اور شاہ صاحب کے خلیفہ اجل حضرت شیخ محمد عاشق پھلتی کے والد نامدار تھے، شاہ صاحب نے حضرت شیخ محمد پھلتی کی قوت تاثیر اور افادہ و افاضہ کے متعدد واقعات لکھے ہیں، شیخ محمد کی وفات ۸۰۰ جہادی الآخرہ ۱۱۲۹ھ کو ہوئی ہے۔

شاہ صاحب کے عم محترم شیخ ابوالرضا محمد

حضرت شیخ ابوالرضا محمد حضرت شیخ وجیہ الدین کے فرزند اکبر اور شاہ صاحب کے بڑے چچا ہیں، شاہ صاحب نے انھیں انھیں انھیں انھیں انھیں اپنے والد بزرگوار کے بعد ان کا مستقل تذکرہ لکھا ہے، ان کو امام الطریقۃ والحقیقۃ کے بلند الفاظ سے یاد کیا ہے، شاہ صاحب کے نزدیک (اگرچہ انھوں نے اساتذہ وقت سے تعلیم پائی تھی) ان کے علوم زیادہ تر وہی تھے، اپنے والد صاحب کی اجازت و ایام سے ایک امیر کی سرکار میں آمد و رفت شروع کی کہ ناگاہ جاذبہ توفیق الہی نے ان کو اس سے باز رکھا اور تجرید تمام اور توکل کلی اور عمل بالستہ کو اپنا شعار بنایا، زوجہ محترمہ کو بھی "اِنْ كُنْتُمْ تُؤْذِنُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزَيِّنٰهَا" پر عمل کرتے ہوئے اختیار دیا کہ اگر فقر و فاقہ برداشت ہے تو ہمارے ساتھ رہو، ورنہ میکہ چلی جاؤ، انھوں نے بھی

۱۔ حضرت شیخ محمد عاشق پھلتی کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو "زہرۃ الخواصر" ج ۶

۲۔ ۲۵-۲۶ ۳۔ ۲۵ ۴۔ ۵۵ الاغراب - ۲۸

ازولج مطہرات کی سنت پر عمل کرتے ہوئے فقر و فاقہ کو ترجیح دی اور فاقہ نہیں چھوڑی، اکثر متواتر دو تین فاقے ہو جاتے، سیدنا جبرائیل علیہ السلام سے نسبت خاص حاصل تھی لہذا سیدنا علی مرتضیٰ سے محبت خاص اور مناسبت بااختصاص حاصل تھی، عالمگیر بادشاہ نے کئی مرتبہ زیارت کا ارادہ کیا قبول نہیں فرمایا، امراء و اہل دُول کی طرف بالکل التفات نہیں تھا، البتہ جوتے بنانے والوں اور پائی کا کام کرنے والوں اور ایسے ہی پیشہ وروں کی طرف بڑی توجہ فرماتے تھے، اگر وہ چار پانچ پیسے ہدیہ نذر کرتے تو بڑی خوشی سے قبول فرماتے۔

شاہ صاحب نے ان کے تعارف میں قوی العلم، فصیح اللسان، عظیم الوریع، وسیع المعرفة کے الفاظ استعمال کئے ہیں، زیبا صورت، طویل القامت تھے، رنگ گورا، داڑھی ہلکی، نرم کلام تھے، جمعہ کی نماز کے بعد وعظ کہتے تھے، اور تین حدیثیں زبانی سلاتے تھے، پھر فارسی میں اس کے بعد ہندی (ریختہ) میں ان کا ترجمہ کرتے تھے، اور ان احادیث کے مطالب پر روشنی ڈالتے تھے، لیکن اعتدال و اختصار کے ساتھ، پہلے ہر فن کی ایک کتاب پڑھاتے تھے، اور لوگ ان کی تقریر کے ذوق میں بہت جمع ہو جاتے تھے، آخر میں صرف دو سبق رہ گئے تھے، ایک بیضاوی کا ایک مشکوٰۃ کا، وحدۃ الوجود کے قائل تھے، اور اس بابے میں صاحب تحقیق تھے، صوفیائے متعلق ملفوظات کی خوب شرح کرتے تھے، مستجاب الدعوات تھے، شاہ صاحب نے ان کی محبوبیت و اجتنابی شان کے بہت سے واقعات لکھے ہیں، سنتوں کے ادا کرنے کا بڑا اہتمام تھا، ہندی کے عارفانہ دو کچے کبھی پڑھتے تھے، شاہ صاحب نے ان کے کشف و کرامات کے متعدد واقعات لکھے ہیں، شاہ صاحب نے بڑی تفصیل سے ان کے ملفوظات درج کئے ہیں، جن کا سمجھنا اور

ان سے فائدہ اٹھانا بھی اس زمانہ میں مشکل ہے اس لئے ان کو ترک کیا جاتا ہے، عمر کی پیش اور
ساتھ کے درمیان تھی کہ، ار محرم الحرام ۱۳۱۲ھ کو نماز عصر کے بعد سفر آخرت اختیار کیا
آفتاب کے نغض سے تابیخ و فات نکلتی ہے۔

والد بزرگوار حضرت شاہ عبدالرحیمؒ

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنے والد بزرگوار حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کے حالات
کمالات و کرامات میں خود ایک مفصل کتاب تحریر فرمائی ہے جس کا نام عربی میں ”بوارق الولاية“
اور شہور نام ”انفاس العارفين“ ہے، ایک باکمال فرزند کے قلم سے باکمال پدر بزرگوار کے
حالات میں مؤرخانہ اور ذمہ دارانہ طریقہ پر مستقل کتاب لکھنے کی اسلام کی علمی تابیخ میں زیادہ
مثالیں نہیں ملتیں، اس سلسلہ میں علامہ تاج الدین شکی کا اپنی شہرہ آفاق کتاب ”طبقات
الشافیۃ الکبریٰ“ میں اپنے والدنا دار علامہ شیخ تقی الدین السبکی کا مفصل تذکرہ اور
فخر المتأخرین ابوالحسنات مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی کا اپنے والد بزرگوار مولانا عبدالحکیم
لکھنوی کے حالات میں مستقل رسالہ ”حسرة العالم بوفاة مرجع العالم“ کو بطور نمونہ
پیش کیا جاسکتا ہے۔

اس کتاب میں سے زیادہ تر وہ حالات و واقعات انتخاب کئے جائیں گے جو ان کی
شخصیت پر روشنی ڈالتے ہیں اور جن سے ان کے علمی، دینی اور روحانی پایہ کا کچھ اندازہ

۱۔ انفاس العارفين ۱۱۹-۱۲۰ ۲۔ ایضاً ص ۱۵۵

۳۔ پہلی مرتبہ مطبع احمدی دہلی میں زیور مطبع سے آراستہ ہوئی دوبارہ مطبع مجتبائی دہلی سے شائع ہوئی حوالہ میل ول لکڑ
طباعت پیش نظر ہے ۴۔ یہ باریک نمپ کے ۸۰ صفحات میں پھیلا ہوا ہے۔

ہو سکتا ہے اور خود شاہ صاحب کی زندگی اور رجحان اور مزاج و مذاق کی تشکیل میں انھوں نے جو بنیادی کردار ادا کیا ہوگا، اس کے تعین میں مدد مل سکتی ہے، کرامات و کشف و روحانی تجربے و ترقیات کا (جس کا وہ خاص دور اور صاحب تذکرہ کو اس سے خاص مناسبت تھی) زیادہ ذکر نہیں کیا جائیگا کہ ان کا فہم و ادراک بھی اس زمانہ کے لوگوں کے لئے مشکل ہے اس کے لئے اصل کتاب کی طرف رجوع مناسب ہوگا، صرف اجمالاً اتنا لکھنا ضروری ہے کہ شاہ صاحب کے حالات ایک اعلیٰ روحانی استعداد اور فطری و باطنی کمال پر دلالت کرتے اور اولیائے متقدمین کی یاد تازہ کرتے ہیں، جن کی استعدادیں نہایت قوی زمانہ نہایت مساعد اور ماحول نہ صرف سازگار بلکہ محرک و مشوق تھا، اور کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِی شَآءٍ لِّہٖ کے بموجب اس میدان میں اللہ تعالیٰ کی قدرت، اس کی تربیت اور اس کی تجلیات کا ظہور تھا، اور کُلَّا نَمِیْدُ هُوَ لَآءٍ وَ هُوَ لَآءٍ مِنْ عَطَاءِ رَبِّکَ وَ مَا کَانَ عَطَاءُ رَبِّکَ مَحْظُوْرًا (ان کو اور ان کو سب کو تمہارے پروردگار کی بخشش سے بھر کر دیتے ہیں اور تمہارے پروردگار کی بخشش کسی سے) رکی ہوئی نہیں ہے) کی تفسیر۔

شاہ عبد الرحیم صاحب کے نانا (جو خود بڑے پایہ کے بزرگ تھے) شیخ رفیع الدین نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں اپنا اثاثہ اپنے وارثوں کے درمیان تقسیم کر دیا، اپنی اولاد میں ہر ایک کو اس کے حسب حال سامان دیا، شاہ عبد الرحیم صاحب کی والدہ ان کی سب سے چھوٹی اولاد تھیں، جب ان کی باری آئی تو ان کو طریقت کے فوائد و اواراد اور مشائخ کا شجرہ عنایت فرمایا، شاہ رفیع الدین صاحب کی اہلیہ محترمہ نے کہا کہ ابھی اس بچی کی شادی بھی نہیں ہوئی اس کو جہیز کا سامان دینا چاہئے تھا، نہ کہ یہ رسائل، فرمایا کہ یہ رسائل ہمیں اپنے بزرگوں سے ترکہ میں ملے ہیں، اس بچی کا ایک فرزند ہوگا جو ہماری اس محنوی میراث کا مستحق ثابت ہوگا، جہاں تک

جہیز و شادی کے سامان کا تعلق ہے، اللہ اس کا انتظام فرمائے گا، ہمیں اس کی فکر نہیں، شاہ
عبد الرحیم صاحب فرماتے ہیں کہ جب میں پیدا ہوا، اور کچھ سیانا ہوا تو میری مانی نے وہ سامان
میرے حوالہ کیا، اور میں نے اس سے فائدہ اٹھایا۔

شاہ عبد الرحیم صاحب کی ولادت کا سنہ کہیں صراحتاً نہیں ملتا، لیکن چونکہ
انھوں نے ۱۱۳۰ھ میں وفات پائی، اور ۷۷ برس کی عمر ہوئی، اس لئے سنہ ولادت
۱۰۵۳ھ ہونا چاہئے۔

شاہ عبد الرحیم صاحب تین بھائی تھے، شیخ ابوالرضا محمد، شیخ عبد الحکیم اور شاہ عبد الرحیم۔
شاہ عبد الرحیم صاحب فرماتے ہیں کہ میں مصر سنی ہی میں سرپرگزری باندھ کر سر بہ زانو
بیٹھتا، وضو میں تمام اعضاء کو پورے طور پر دھوتا، اور وضو کی سنتوں کا اہتمام کرتا، میرے ماموں
شیخ عبدالحی جو خود صانع بزرگ تھے، دیکھ کر خوش ہوتے، اور فرماتے کہ اس کو دیکھ کر اطمینان ہوتا
ہے کہ اسلاف کی یہ دولت ہماری نسل میں باقی رہے گی، اگر پوتوں کو نہ ملی تو کیا حرج ہے، تو اسے
اس کے حامل و محافظ ہوں گے۔

شاہ عبد الرحیم صاحب کی بچپن ہی سے طبیعت دین کی طرف مائل اور دنیا کی دولت و عزت سے
اچھاٹ تھی، جو بزرگ کوئی ایسا وظیفہ بتانا چاہتے جس سے دنیا کا کوئی مقصد حاصل ہوتا، اس کی
طرف توجہ نہ کرتے، اور کہتے مجھے اس کی ضرورت نہیں، ایک نقشبندی بزرگ نے جن کا نام خواجہ ہاشم تھا،
اور بخارا سے تشریف لاکر شاہ صاحب کے محلہ ہی میں فروکش تھے، ان کی طبیعت کا یہ انداز دیکھ کر ان کو اس کتاب کا

لہ انفاۃ العارفين ص ۲۷ لہ ايضا ص ۷۰ لہ ايضا ص ۷۱

۷۰ مشائخ لوح دل پر اللہ کا نام نقش کرنے کے لئے کاغذ پر اسم ذات کو کثرت سے لکھواتے ہیں، تاکہ وہ ذہن
پر نقش ہو جائے، یہ یاد الہی کے لئے ایک طریقہ علاج تھا۔

طریقہ تلقین کیا، شاہ صاحب فرماتے تھے کہ مجھ پر اس کا ایسا غلبہ ہوا کہ میں نے ملا عبدالحکیم کا حاشیہ
(یہ شرح عقائد پر ملا عبدالحکیم کا حاشیہ ہے) نقل کرنا شروع کیا، پورے ایک جز پر اسم : ست
لکھتا چلا گیا، اور مجھے شعور نہ ہوا۔

شاہ صاحب حضرت خواجہ باقی باللہ کے صاحبزادہ شیخ عبداللہ مشہور خواجہ خور کی خدمت
میں حاضر ہوتے تھے، جو بڑے عارف تھے، بعض غیبی اشارات اور روحانی بشارات کی بناء پر
انہوں نے ان سے بیعت کی درخواست کی، انہوں نے خیر خواہانہ مشورہ دیا کہ سید آدم بتوریؒ کے
خلفاء میں سے کسی ایسے شیخ سے جو تشریع اور ترک دنیا اور تہذیب نفس میں راسخ القدم ہو اس سے
بیعت کروں، میں نے کہا کہ ہمارے جوار میں حضرت کے خلفاء میں حافظ سید عبداللہ تشریف رکھتے
ہیں، فرمایا بہت غنیمت ہیں، جلد ان سے بیعت ہو جاؤ، میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اگرچہ
ان پر اخفا و خمول (بے نشانی) کا غلبہ تھا، انہوں نے پہلی درخواست پر بیعت فرمایا، میں دونوں
بزرگوں خواجہ خور داوید عبداللہ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا، اور ان کے فیض صحبت سے
مستفیض، حافظ سید عبداللہ کی بھی توجہ من جانب اللہ شاہ عبدالرحیم صاحب کی جانب تھی، ایک
مرتبہ فرمایا، تم بچہ تھے اور بچوں میں کھیل رہے تھے، میری طبیعت کی تمہاری طرف کشش ہوئی، میں نے
دعا کی کہ خدایا اس بچہ کو ادیاء میں شامل فرما، اور اس کا کمال میرے ہاتھ سے ظاہر ہو، الحمد للہ
کہ اس دعا کا ثمرہ ظاہر ہوا۔

تعلیم

شاہ عبدالرحیم صاحب نے چھوٹے رسائل سے شرح عقائد اور حاشیہ خیالی تک اپنے برادر بزرگ

ابوالرضا محمد سے پڑھے، بقیہ کتابیں مرزا زاہد ہروی (مشہور بہ میرزاہد) سے پڑھیں، فرماتے تھے کہ مشرح مواقف اور اصول کی ساری کتابیں مرزا زاہد سے پڑھیں، ان کی مجھ پر خصوصی توجہ تھی، یہاں تک کہ اگر میں کسی دن کہتا کہ آج میں نے مطالعہ نہیں کیا ہے تو فرماتے کہ ایک دوسٹر پڑھو، تاکہ ناغہ نہ ہو، خواجہ خورد سے بھی حاشیہ خیالی وغیرہ کے مشکل مقامات میں رجوع کیا اور نشی ہوئی، بعض اوقات ایسا ہوا کہ کسی کتاب کا ابتدائی حصہ پڑھا اور آخر تک اس کا درس خود دیا، خواجہ خورد شاہ عبدالرحیم صاحب کے نانا شیخ رفیع الدین کے شاگرد تھے، اور خواجہ خورد نے ان سے علمی و باطنی دونوں طرح کا استفادہ کیا تھا، اس لئے وہ ان کے ساتھ بڑی خصوصیت اور احترام کے ساتھ پیش آتے تھے۔

حافظ سید عبدالشکر کی وفات کے بعد شاہ عبدالرحیم صاحب نے سلسلہ ابوالعلائیہ احراریہ کے ایک بلند مرتبہ خلیفہ شیخ ابوالقاسم اکبر آبادی سے رجوع کیا، امیر نور العلما سے بھی استفادہ کیا، خلیفہ ابوالقاسم نے شاہ صاحب کو اجازت بھی دی، خلیفہ صاحب شاہ عبدالرحیم صاحب کی تعظیم اور خصوصی خیال اس لئے بھی کرتے تھے کہ ان کو شاہ عبدالرحیم صاحب کے جدِ مادری شیخ عبدالعزیز شکر بار سے بھی خصوصی نسبت تھی۔

شاہ صاحب نے انفاسِ عارفین میں شاہ عبدالرحیم صاحب کے اپنے زمانہ کے مشائخ و اولیاء اور مجاہذین سے ملاقاتوں، ان کی توجہ خصوصی کے بہت سے واقعات لکھے ہیں کہ لے شیخ ابوالقاسم شیخ ولی محمد نرنولی کے خلیفہ تھے، اور وہ امیر ابوالعلاء حسینی اکبر آبادی کے شیخ ابوالقاسم نے ابوالعلاء کا زمانہ پایا، اور ان کی صحبت اٹھائی، لیکن اجازت شیخ ولی محمد نرنولی سے پائی، وفاتِ شمس، واضح ہے کہ ابوالعلاء احراری سلسلہ میں حیثیت و نقشبندیت کا امتزاج ہے، کاپی کا مشہور سلسلہ جس کے شیخ سید محمد ترمذی تھے، اس سلسلہ سے تعلق رکھتا ہے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۲۲۵)

یہ نازہ جذب و سلوک، خدا طلبی، عشق الہی، اور روشنی کا گویا موسم بہار تھا، اور ایسے حضرات کی کثرت تھی جو اس کا ذوق رکھتے تھے، اور روحانی اور باطنی کمالات سے آراستہ تھے، اور انھوں نے شاہ صاحب پر خاص توجہ فرمائی، اور ان سے شاہ صاحب کی اچھی صحبتیں رہیں، شاہ صاحب نے حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کے کشف ارواح وغیرہ کے بہت سے واقعات لکھے ہیں، جن سے ان کی باطنی قوت کا اندازہ ہوتا ہے، اسی طرح ان کے اشراقات اور کرامات کے واقعات درج کئے ہیں، اس کے بعد شاہ صاحب نے تفصیل سے ان کے ملفوظات درج کئے ہیں، ملفوظات سے ان کی دقت نظر، غیر معمولی ذہانت، اور اعلیٰ استعداد علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں، والد صاحب کا عمل اکثر امور میں مذہب حنفی کے موافق تھا، لیکن بعض مسائل میں حدیث کے مطابق یا اپنے وجدان سے کسی دوسرے مذہب فقہی کو بھی ترجیح دیتے تھے، ان تفردات یا استثناءات میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کا پڑھنا، جنازہ میں بھی سورہ فاتحہ پڑھنا تھا۔

کم سنی سے خواجہ خورشید کی خدمت میں حاضر ہونے اور ان سے روحانی و علمی استفادہ اور ان کی شخصیت و باطنی کمالات سے متاثر ہونے، نیز خواجہ ابوالقاسم اکبر آبادی سے بھی روحانی تربیت حاصل کرنے کی بنا پر (جو اس سلسلہ ابوالعلائیہ میں صاحب اجازت تھے، جو حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت خواجہ باقی باللہ کے واسطہ کے بغیر خواجہ عبید اللہ شراوہ اور سلسلہ نقشبندیہ کے مشائخ کبار تک پہنچتا تھا) نیز انھوں نے امیر نور العلماؤ بن امیر ابوالعلا

۱۔ ملاحظہ ہو ذکر ملاقات حضرت ایشاں با سائراہل الشرائع مجازیب وغیرہ، ص ۲۹-۳۲

۲۔ ملاحظہ ہو انفاص العارفين ص ۳۵-۳۶ ۳۔ ایضاً ص ۵۰-۵۱ ۴۔ ایضاً ص ۶۱-۸۵

اکبر آبادی سے بھی استفادہ کیا تھا، شاہ عبدالرحیم صاحب پر حضرت سید آدم بنوری کی نسبت تھا کے مقابلہ میں جو مسلک وحدۃ الشہود میں راسخ القدم تھے، حضرت خواجہ باقی باللہ کی نسبت غالب تھی، جو عرصہ تک توحید و جہد کے ذوق و مسلک پر رہے اور یہ کہنا مشکل ہے کہ اس سے بالکلہ انقطاع عمل میں آیا، یہ بھی فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ ان کے قریب کے اجداد و اداوی میں حضرت شیخ عبدالعزیز شکر بار (م ۹۷۵ھ) بھی گزے ہیں جن پر توحید و جہد کا غلبہ تھا، ان موروثی و تربیتی اسباب کی بنا پر حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب توحید و جہد کا ذوق اور شیخ اکبر سے عقیدت اور ان کی تحقیقات سے ایسا ذوق و شغف رکھتے تھے، جو جان شہریت اور دائرۃ علم سے متجاوز نہیں ہونے پاتا تھا۔

شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ والد صاحب شیخ محی الدین ابن عربی کا نام بڑی تعظیم سے لیتے تھے، فرماتے تھے اگر میں چاہوں تو قصوص الحکم کا منبر پر کھڑے ہو کر بیان کروں، اور اس کے تمام مسائل کو آیات و احادیث کے ساتھ مبہن کروں، اور اس طرح بیان کروں کہ کسی کو شبہ نہ رہے لیکن اسی کے ساتھ وحدۃ الوجود کی صراحت کرنے سے احتراز کرتا ہوں کہ اس زمانہ کے اکثر لوگ اس کو سمجھ نہیں سکیں گے، اور اتحاد و زندقہ کے گڑھے میں گر جائیں گے۔

شاہ عبدالرحیم صاحب فتاویٰ عالمگیری کو ترتیب دینے والی جماعت علماء میں شامل تھے، جو ملک کے ممتاز ترین فقہ حنفی کے عالم و صاحب نظر و صاحب درس فقیہ تھے، اس جماعت کے نگراں کار اور صدر شیخ نظام الدین برہان پوری تھے، سلطان اورنگ زیب عالمگیر نے اس کام پر دو لاکھ روپیہ صرف کیے، مصنف "الثقافة الاسلامیة فی الہند" نے بڑے تفصیل و تحقیق

لے شاہ عبدالرحیم صاحب کے اس ذوق نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب تک متقل ہو کر وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود میں تطبیق کا رنگ اختیار کر لیا۔ ۱۷۵۰ء اس زمانہ کے محاذ سے پچاس لاکھ روپے سے کم نہیں ہوں گے۔

کے بعد اس کے مرتبین کے نام درج کئے ہیں جن کی تعداد اکیس ہوتی ہے، حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب بھی اس جماعت کے ایک رکن تھے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب انفاس العارفین میں لکھتے ہیں کہ اس زمانہ میں عالمگیر کو اس کتاب کی ترتیب و تدوین کا بڑا اہتمام تھا، ملا نظام (افسر سررشتہ تدوین) روزانہ ایک صفحہ بادشاہ کے سامنے پڑھا کرتے تھے، ایک دن انھوں نے وہ حصہ پڑھا جو ملا حامد کے سپرد تھا، انھوں نے ایک ہی مسئلہ کے متعلق دو کتابوں کی دو متفرق عبارتوں کو جمع کر کے عبارت میں گنجلک پیدا کر دی تھی، شاہ عبدالرحیم صاحب (جو ان کے دوست تھے) کی نظر جب اس مقام پر پڑی تو اس کی تحقیق کی معلوم ہوا کہ دو کتابوں کی مختلف المعنی عبارتیں جمع کر دی ہیں آپ نے مسودہ کے حاشیہ پر عربی کی عبارت لکھ دی کہ "من لم يتفق في الدين قد خلط فيه، هذا غلط وصوابه كذا" (یعنی تفق نہ ہونے کی وجہ سے کاتب سے یہاں خلط بحث ہو گیا ہے، صحیح یوں ہے۔)

ملا نظام نے متن کی عبارت کے ساتھ شاہ عبدالرحیم صاحب کا حاشیہ بھی پڑھ دیا، وہ تو روانی میں پڑھتے گئے، لیکن بادشاہ جو پوری توجہ سے سنتے تھے، چونک پڑے اور فرمایا: اس عبارت چسیت؟ ملا نظام گھبرائے کہ انھوں نے اس کا مطالعہ نہیں کیا تھا، پھر سمجھ کر کہا کہ میں نے اس مقام کا مطالعہ نہیں کیا، کل تفصیل سے اس کا مطلب عرض کروں گا، گھر آئے تو ملا حامد سے شکایت کی کہ میں نے یہ حصہ تمہارے اعتماد پر چھوڑ دیا تھا، تمہاری وجہ سے مجھے بادشاہ کے سامنے سخت اٹھانی پڑی، ملا حامد نے اس وقت تو کچھ نہیں کہا، شاہ صاحب اس کی شکایت کی، شاہ صاحب نے کتابیں کھول کر ان کو دکھایا کہ عبارت میں خلل اور انتشار پیدا ہو گیا ہے، اس سے بعض معاصرین

اور فقہاء کو حسد پیدا ہوا، اور شاہ صاحب کچھ عرصہ اس کام میں شریک ہونے کے بعد اس سے علیحدہ ہو گئے۔

اخلاق و شمائل و معمولات

شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ وہ خصائل حمیدہ اور اخلاق ستودہ کے جامع تھے، شجاعت و فراست اور غیرت ان میں بدرجہ اتم موجود تھی، عقل معاد کی طرح عقل معاش بھی کامل اور وافر طور پر رکھتے تھے، ہر معاملہ میں توسط و اعتدال کو پسند کرتے تھے، زہد و عبادت میں نہ اتنا تعلق اور غلو تھا کہ رہبانیت سے اس کے حدود دل جائیں، اور نہ اتنی بے تکلفی اور وسعت کہ تساہل تک بات پہنچ جائے، لباس میں تکلف نہیں تھا، نرم اور سخت لباس جو میر آتنا استعمال فرماتے، یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ ان کو اچھا ہی لباس مرحمت فرمایا، اللہ تعالیٰ ان کی سب ضرورتیں پوری فرمادیتا تھا، بازار جا کر کسی چیز کے خریدنے کی مشکل ہی سے نوبت آتی، امراء اور رؤساء کے گھروں پر تشریف نہیں لے جاتے تھے، اس دروازہ کو کلیۃً بند کر رکھتا تھا، ہاں اگر اس طبقہ کے لوگ خود بازار کے لئے آتے تو آپ بڑی خندہ پیشانی اور اخلاق سے پیش آتے، ان میں جو زیادہ معزز ہوتا اس کا اسی طرح اعزاز کرتے، اور اگر وہ نصیحت کی فرمائش کرتے، تو بڑی نرمی کے ساتھ نصیحت فرماتے، اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض انجام دیتے، ہمیشہ علم و علماء کی تعظیم کرتے، جہالت اور جاہلوں سے نفور رہتے، ہر حال میں آثار نبویؐ کا متبع کھتے، استقامت کی بات یہ ہے کہ کبھی ساری زندگی بغیر عذر کے جماعت فوت نہیں ہوئی، بچپن و جوانی میں کبھی منہیات کی طرف میلان نہیں ہوا، ضروری امور میں بیع و شراء سے بھی احتراز نہ کرتے، نہ منقشہ علماء کی پر تکلف ہیئت کی

پابندی کرتے، نہ آزاد فقراء و صوفیاء کے بے قید لباس کی، بے تکلف زندگی گزارتے تھے، بغیر ضرورت کے قرض لینا پسند نہیں کرتے تھے، جو لوگ تنعم و تفکد (لذت اندوزی اور لطافت) کے لئے قرض لیتے اس کو ناپسند فرماتے اور ملامت کرتے، طب میں بھی ذہن رسا پایا تھا۔

روزانہ ایک ہزار بار درود شریف، ایک ہزار بار نفی اثبات، کچھ حصہ بچہ اور کچھ حصہ خفا کے ساتھ، بارہ ہزار بار اسم ذات روزانہ کا معمول تھا، اپنے بھائی ابوالرضا محمد کے انتقال کے بعد مشکوٰۃ، تنبیہ الغافلین، غنیۃ الطالبین کو سامنے رکھ کر وعظ فرماتے، آخر میں تفسیر کا سلسلہ شروع کیا تھا، زہرا دین (سورہ بقرہ آل عمران) سے فارغ ہوئے تھے کہ ضعف کا غلبہ ہوا، اور یہ سلسلہ موقوف ہو گیا۔

حمیت اسلامی

حضرت شاہ عبدالرحیمؒ میں بھی اپنی خاندانی روایت کے مطابق، اور پیر بزرگوار شہید (شیخ وحیہ الدین) کی وراثت میں مجاہدانہ جذبات اور حمیت اسلامی پورے طور پر موجود تھی، اور یہ بات بالکل قرین قیاس ہے کہ ان کے خاندان والا شان میں نسلاً بعد نسل جہاد و عزیمت کا سلسلہ منقطع نہیں ہونے پایا تھا، غیرت و شجاعت ان کو خاندانی ورثہ میں ملی تھی، اگرچہ شخص جسمانی طور پر کسی معرکہ جہاد میں شرکت کا ذکر نہیں ملتا، مگر انھیں انھیں انصاف العارفین میں درج واقعات سے ان کے علو ہمت، عمل بالعزیمت اور دینی غیرت کا اظہار ہوتا ہے، اور یہی دولت ہے جو ان کی اولاد میں منتقل ہوئی۔

ازدولج واولاد

شاہ عبدالرحیم صاحب کا پہلا نکاح اپنے والد صاحب کی زندگی میں ہوا تھا، جن سے ایک صاحبزادہ صلاح الدین نام پیدا ہوئے، جو کچھ بڑے ہو کر فوت ہو گئے، زوجہ محترمہ عرصہ تک حیات رہیں اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی شادی کے بعد ۱۱۳۸ھ یا ۱۱۳۹ھ میں وفات پائی۔
دوسرا نکاح کبرنی میں بعض بشارات و اشارات غیبی کی بناء پر شیخ محمد بھلتی صدیقی کی صاحبزادی سے ہوا، جن سے دو صاحبزادے تولد ہوئے، 'شاہ ولی اللہ' اور 'شاہ اہل اللہ'۔

وفات

۷۷ سال کی عمر میں رمضان میں آخری بار رونے رکھے، شوال میں بیمار ہو گئے، اور امید زلیست منقطع ہو گئی، لیکن اس کے بعد صحت عود کر آئی، لیکن اوائل صفر میں مرض پھر غالب آیا، صبح صادق سے پہلے آثار موت ظاہر ہوئے تو پوری توجہ اس طرف تھی کہ نماز فجر فوت نہ ہو، اس منع کی حالت میں کئی بار پوچھا کہ صبح ہو گئی یا نہیں، حاضرین مجلس نے کہا کہ ابھی نہیں ہوئی، جب وقت آخر بالکل قریب آ گیا، تو ان جواب دینے والوں کو سختی سے جواب دیا کہ اگر تمہاری نماز کا

لے القول ابلی سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب کے علاقائی بھائی شیخ صلاح الدین جوانی کی عمر تک پہنچے،

القول ابلی (قلمی)۔ علامہ شاہ صاحب "اعجاز اللطیف" میں لکھتے ہیں کہ ۱۴ سال کی عمر میں میرے والد نے میرا

نکاح کر دیا، اور بڑی عجلت فرمائی، جو لوگ مہلت چاہتے تھے ان سے فرمایا کہ اس میں مصلحت ہے، شادی کے بعد ہی

متحد خاندانی حادثے پیش آئے کہ ان میں سے کوئی حادثہ پیش آتا تو شادی ملتوی ہو جاتی، ان حوادث میں آخری

حادثہ کے طور پر اپنے بڑے بھائی صلاح الدین کی والدہ صاحبہ کی وفات کا ذکر کیا۔ ص ۷۷

وقت نہیں آیا تو ہماری نماز کا وقت آگیا، فرمایا میرا رخ قبلہ کی طرف کر دو، اس وقت اشارہ سے نماز پڑھی حالانکہ وقت میں شک تھا، اس کے بعد زیر لب اسم ذات کے ذکر میں مشغول ہو گئے، اور جان جان آفریں کے سپرد کی، یہ واقعہ چار شنبہ ۱۲ صفر ۱۱۳۳ھ کا ہے، یہ فرخ سیر کی حکومت کے آخر کا دور ہے، آپ کے انتقال کے بعد فرخ سیر پچاس دن مجبوس رہا اور شہر میں بڑا اضطراب پیدا ہوا، انتقال کے وقت عمر شریف ۷۷ سال تھی۔

حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب شاہ ولی اللہ صاحب کی نظر میں

حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کی اگرچہ کوئی اہم تصنیف جس سے ان کا علمی مرتبہ ظاہر ہو (سوائے ایک رسالہ کے) موجود نہیں، ان کی شہرت زیادہ تر اپنے لائق اور باکمال فرزند ہی کے ذریعہ ہے، اور انھیں نے ان کا تعارف "انفاس العارفين" کے ذریعہ کرایا، جہاں تک علم ہے، ان کے حالات میں ان کے کسی اور سرشار کی کوئی کتاب نہیں لیکن شاہ صاحب کی تصنیفاً بالخصوص "انفاس العارفين" سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان کے علوئے مرتبہ، قوتِ باطنی، مقبولیت عند اللہ اور علم و سلوک میں ان کے مراتب عالیہ سے علی وجہ البصیرۃ اس کے زیادہ معتقد اور متاثر ہیں، جتنا کہ ایک سعادت مند فرزند عام طور پر اپنے باکمال باپ کے کمالات و احسانات کا معترف اور مداح ہوتا ہے، شاہ صاحب کو ان کے کمالات باطنی و علمی کے بارے میں علم الیقین اور وجدانی کیفیت، اور ان کے تذکرہ میں ایک شکر اور سرشاری کی کیفیت معلوم ہوتی ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کی تعلیم و تربیت، کمالات علمی و باطنی کے حصول اور علم و سلوک میں درجہ امامت ——— واجتہاد تک پہنچنے میں والد بزرگوار کی

نسبت باطنی، قوت تاثیر اور شفقت اور دعاؤں کا بڑا حصہ ہے۔

ہندوستان کے عربی النسل خاندان اور ان کی خصوصیات اور وراثت

شاہ صاحب کے اجداد کرام کے مختصر تذکرہ سے (جس کا خلاصہ ان صفحات میں پیش کیا گیا ہے) اندازہ ہوتا ہے کہ ان میں تین نیاں صفتیں قدر مشترک کے طور پر بالعموم متواتر ہیں۔

۱۔ ایک علم و دین، ویر و تقویٰ اور قضاء و افتاء سے عمومی تعلق، جو علم و دین سے نسل و خاندانی مناسبت اور عزیمت و علم ہمت کی بناء پر (جس کو خاندانی روایات و واقعات اور مخلص و بلند ہمت سرپرستوں اور مربیوں کی تعلیم و تربیت غذا پہونچاتی رہی تھی) بعید از قیاس نہیں اسلاف کے کارناموں اور ان کی صلاح و تقویٰ کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے بہت سے خاندانوں کی حفاظت فرمائی ہے اور دولت دین کی حفاظت کا ان میں اسی طرح سے انتظام فرمایا ہے جیسا کہ ان دو قسموں کی دیوار کو اپنے ایک مقبول بندہ کے ذریعہ کرنے سے بچایا اور مستحکم کر دیا جن کا باپ صلاح و دینداری سے متصف تھا "وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا" (ان دونوں کا باپ نیک تھا) ہندوستان کے بیسیوں خاندانوں کی تاریخ اس تسلسل اور حفاظت و حمایت خداوندی کی شہادت دیتی ہے، جن میں صدیوں تک علم و دین، قضاء و افتاء، تدریس و تصنیف اور ارشاد و ہدایت کا سلسلہ جاری و قائم رہا۔

۲۔ دوسری حفظ انساب، خاندانی شجروں کی ترتیب و نگہداشت اور کفایت کا

لہ ظاہر ہے کہ یہ کوئی نکتہ نہیں جس میں کسی استثناء کی گنجائش نہ ہو، شرفاء و اہل فضل کے خاندانوں کی طرح اس کو اکثر یہ ہی کہا جاسکتا ہے۔

۳۔ ملاحظہ ہو سورہ کہف کی آیات "وَأَمَّا إِبْرَاهِيمُ إِذْ قَالَ لِلْهِمْلِيِّ يٰ يٰ هَيْمَلِيُّ (الہی) رَحْمَةً مِن رَّبِّكَ" (کہف ۸۲)

وہ میاں و اہتمام جو بلاد عربیہ اور قدیم اسلامی ممالک میں بھی اس درجہ میں نہیں تھا، غالباً اس کی وجہ دیارِ ہجرت میں اپنے اس نسب کی حفاظت کا جذبہ (جو یہ خاندان بلاد عربیہ سے لے کر آیا تھا) اور ہندوستان کے طبقاتی نظام اور خاندانی تقاضا کا اثر بھی اس کا باعث تھا، باوجود اس کے کہ شریعت نے اس اہتمام کا سنگٹ نہیں کیا ہے، اور اس میں بعد کی صدیوں اور غیر عرب ملکوں میں غلو پیدا ہو گیا ہے، لیکن اس کے ساتھ اس کا یہ نتیجہ ضرور قابلِ لحاظ ہے کہ صدیوں تک ان خاندانوں میں نسلی خصوصیات قائم رہیں، اور وہ بھی اور غیر اسلامی ملک کے معاشرہ اور تہذیب میں تحلیل نہ ہونے پائے۔

۲۔ تیسری صفت جلالت و شجاعت، پہ گری کے صفات جس کو عربی میں "فروسیہ" اور "فتوح" (خوشنوازی و مردانگی) کے لفظ سے ادا کیا جاتا ہے، جو نسل عرب اور قبیلہ قریش کی نسلی و مہدوئی صفت ہے، اور جس کے نونے شیخ معظم اور شیخ وجیہ الدین کے حالات میں واضح طور پر گندہ چکے ہیں، اور اس کا ظہور اتم خود شاہ صاحب کے پوتے مولانا شاہ محمد اسماعیل صاحب شہیدؒ کی زندگی میں دیکھنے میں آتا ہے۔

ان نمایاں صفات کے ظہور و توارث کے نفسیاتی و عقلی اسباب بھی ہیں جو عربی النسل خاندان تاجک کے مختلف حصوں میں حجاز، عراق، اور ایران و ترکستان سے ہندوستان منتقل ہوتے رہے، ان میں سے اکثر کی ہجرت اور ہندوستان میں توطن کا سبب یا اپنے دین و ایمان کی حفاظت یا عزت و ناموس بچانے کا جذبہ تھا کہ وہ تباہی و خطرہ میں پڑ گئے تھے، یہ مقصد بعد کی کئی پشتوں تک دو گونگیا رہا، اور ان کو بھی اس کی لاج تھی، اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی برکت سے ان کے دینی حالات میں ترقی دی کہ وہ "قَالَتِیْنِ هَاجِرُ فَاَوْخِرُ جَعَلَنِیْ دِیَارِیْ" قَاذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَ قَتَلُوْا اَوْ قُتِلُوْا" (آل عمران - ۱۰۵) کا مصداق تھے۔

یاجہاد فی سبیل اللہ اور دعوت الی اللہ کا جذبہ تھا، جس کا اس وقت (چھٹی ساتویں صدی ہجری کی دنیا میں) ہندوستان میں سب سے بڑا میدان تھا، اس وسیع ملک کے جس کو برصغیر کہنا صحیح ہوگا، بہت سے حصے سلطنت اہل اسلام کے ابھی زیر نگین نہیں آئے تھے، اور وہاں مختلف حاکم و راجہ حکومت کر رہے تھے، اور بعض اوقات احکام شرعی کی تعمیل اور شعائر اسلام کے اظہار میں خلل انداز ہوتے تھے، ان میں سے بہت سے وقتاً فوقتاً سرکشی اور بغاوت بھی کرتے رہتے تھے، ہر جگہ لشکر سلطانی کا پہونچنا مشکل بھی تھا، ہونہند سے آنے والے ان شریف و نجیب اور حوصلہ مند اور جہاد و غزاکے شائق عربی النسل خاندانوں اور ان کے سر پر آوردہ افراد کے لئے ان علاقوں کا فتح کرنا اور ان کو مرکزی سلطنت کے حوالہ کرنا ان کی حوصلہ مند یوں کی تسکین کا سامان بھی تھا، دینی جذبہ کی آسودگی کا ذریعہ بھی، اور دنیاوی وجاہت و امارت کا وسیلہ بھی، ان کو ان علاقوں میں معافیاں دی جاتی تھیں، ان کے افراد منصب قضا و نیابت پر مامور بھی ہوتے تھے، چنانچہ ان عربی و ایرانی النسل خاندانوں کی تاریخوں میں بکثرت ایسے واقعات ملتے ہیں کہ ان کے پیش روؤں نے ہندوستان کے بعض ایسے دور دراز علاقے اور بھول اور غیر اہم مقامات فتح کئے، جو باقاعدہ ممالک محروسہ میں داخل نہیں ہو سکے تھے۔

لے اس کی ایک مثال امیر کبیر سید قطب الدین محمد المدنی (م ۷۵۰ھ) ہیں جو اودھ کے خاندان قطبی حسنی کے بانی اور حضرت سید احمد شہیدؒ کے جد امجد ہیں، وہ غزنی کے راستہ سے ساتویں صدی ہجری کے اوائل میں اعزہ و مسافات اور غزنی کے رؤسا و شرفاء و مجاہدین کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ دہلی تشریف لائے، دہلی سے پورب کا قصد کیا اور اول قنوج، پھر بانک پڑا اور کرۂ پر (جو اس زمانہ میں ایک مستقل حکومت کا مرکز تھا) حملہ کیا اور اس تمام علاقے کو فتح کر کے اسلامی حکومت میں شامل کیا۔ (سیرت سید احمد شہیدؒ اول ص ۷۹)

ان خاندانوں کو اس کا احساس تھا کہ ہم ہندوستان میں ایک بلند مقصد کے لئے آئے تھے، ہمارے دین، ہماری تہذیب اور ہماری سعادت کا اصل سرچشمہ مرکز اسلام جزیرۃ العرب اور حجاز مقدس ہے، ہم کو اپنی اس اصل سے کُلّی طور پر کبھی منقطع نہیں ہوتا چاہئے، اور اپنے نسلی، تہذیبی، اور اخلاقی امتیازات کو ہر قیمت پر برقرار رکھنا چاہئے، ہم جب ہی دنیا کے اس دور افتادہ حصہ اور بیگانہ تہذیب و ماحول میں جو اپنے اندر ایسی تحلیل طاقت اور ایک طرح کا تیزاب رکھتا ہے جس نے باہر سے آنے والی قوموں اور نسلوں کو اپنے اندر کُلّی طور پر جذب اور ان کی خصوصیات کو فنا اور سوخت کر دیا، محفوظ اور باعزت رہ سکتے ہیں، اس احساس نے ان کے اندر دینی و ملی غیرت اور خارجی اثرات کے مقابلہ میں غیر معمولی قوتِ مقابلہ پیدا کر دی جس سے ان کی انفرادی شخصیت بہت حد تک محفوظ اور ان کی خصوصیات صدیوں تک نسل در نسل منتقل ہوتی رہیں۔

اس حقیقت کا اظہار بڑے واضح طریقہ پر خود حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے اس وصیت نامہ میں ہوا ہے جو ”المقالة الوضیة فی النصیحة والوصیة“ کے نام سے انھوں نے قلم بند فرمایا جس میں ان کے مخاطب سب سے پہلے ان کے خاندان کے لوگ ہیں، پھر تمام اہل تعلق اور ملت اسلامیہ ہندیہ، شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:-

”ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ ہم پر دینی لوگ ہیں، ہمارے اجداد نے ہندوستان ہجرت کی، نسب اور زبان کی عربیت ہمارے لئے دو بڑی فخر کی باتیں ہیں، یہی ہم کو تیدالاولین والآخرین، افضل الانبیاء والمرسلین، منجھ کائنات و فخر موجودات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قریب کرتی ہیں، اس نعمتِ عظمیٰ کے فخر یہ کا تقاضا ہے کہ ہم امکانی حد تک

ان عربِ اولین کے عادات و روایات سے یکسر بے تعلق نہ ہونے پائیں جن میں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نشوونما ہوا تھا، اور عجیبوں کے رسوم اور
ہندوؤں کے طور طریق کو اپنے اندر پھیلنے نہ دیں۔

آگے چل کر فرماتے ہیں:-

”ہم میں خوش نصیب وہ ہے جس کو عربی زبان میں کچھ درخور حاصل ہو، صرف
نحو، ادب میں دخل ہو اور حدیث و قرآن سے واقفیت رکھتا ہو، یہیں
حرمین شریفین میں بھی حاضری دیتے رہنا چاہئے، اور اس سے قلبی وابستگی
رہنی چاہئے، اس میں ہماری سعادت کا راز ہے، اور اس سے اعراض و گردانی
کرنے میں شقاوت و محرومی پنہاں ہے۔“

عربی النسل اور عالی نسب ہونے کے ماسوا اس خاندان کو فاروقیت کا شرف بھی
حاصل تھا، دیا رحم میں اس خاندان سے اللہ تعالیٰ نے بارہا حفاظت دینا شہداء اسلام
کے اعلیٰ اور دشمن اسلام تحریکوں کے مقابلہ کا مجتہدانہ کام لیا، جس میں فاروقی غیرت
کا بھی دخل تھا، اور فاروق اعظم سے نسبت و نسب تعلق کا احساس و افتخار بھی کام کرتا
ہوگا، جو ایک طاقتور نفیاتی محرک بھی ہے، دسویں صدی ہجری میں اسی خاندان کے ایک
فرد فرید نے اکبری فتنہ کا استیصال کیا، اور ہندوستان کو کفر و اکھاڑ و وحدت ادیان کے
فتنہ اور ”نیا دور نیا آئین“ ”نیا ہزارہ“ ”نئی امامت“ کی خطرناک سازش کا شکار بننے
سے بچا لیا، حضرت شیخ احمد فاروقی (مجدد الف ثانی) کو اس نسبت پر فخر تھا، اور وہ

لغة المقالة الوضیة فی النصیحة والوصیة“ فارسی، طبع دہلی ۱۳۶۷ھ

لئے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ”تاریخ دعوت و عزیمت“ حصہ چہارم ص ۶۱-۶۳ اور ص ۱-۵-۸

دینی حمیت کو اس کا تقاضا اور قدرتی نتیجہ سمجھتے تھے، جمہور اہل سنت اور عقائد اسلامیہ کے خلاف ایک شہور عارف و شیخ کی ایک تحقیق سن کر ان کے قلم سے بے اختیار یہ الفاظ نکلے ہیں۔

نمود ما! این فقیر را تا بستمع اشال مخدومی ایہ فقیر اس طرح کی باتوں کے

ایں سخنان نیست بے اختیار رگ سننے کی تاب نہیں رکھتا ہے اختیار میرا

فاروقیم در حرکت می آید! فاروقی رگ حرکت میں آجاتی ہے۔

اسی طرح یں کر کہ قصبہ سامانہ میں خطیب نے خطبہ جمعہ میں خلفائے راشدین کا ذکر عدا

ترک کر دیا، تحریر فرمایا۔

بچوں استمع این خبر وحشت انگیز جب اس خبر وحشت اثر سے

در شورش آورد و رگ فاروقیم را حرکت طبیعت میں اضطراب پیدا ہوا،

داد! بچند کلمات اقدام نمود! اور اس نے میری فاروقی رگ کو

حکمت دی! یہ چند لفظ میرے

قلم سے نکل گئے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی تجدید و احیاء دین کے وسیع اور کثیر الانواع کام

میں (جس میں اصلاح عقائد، رد شرک و بدعت، اشاعت کتاب و سنت، ترویج فن حدیث،

اثبات خلافت خلفاء راشدین، اور دفع و شیعیت کی تردید شامل ہے) یقیناً

یہ نسبت اور اس کے شرف و ذمہ داری کے احساس کو بھی دخل ہوگا، جو نفسیات،

علم الحیاء، اور نسلی اصول و تجربات کے لحاظ سے (جس کے شواہد بکثرت نسلوں اور

لے مکتوب ۱۵ دفتر اول بنام ملاحسن کشمیری۔

لے مکتوب ۱۵ حصہ ششم دفتر دوم۔

خاندانوں کی تاریخ میں پائے جاتے ہیں) ہر طرح قرین قیاس اور مطابق عقل ہے، حدیث میں بھی آتا ہے کہ الناس معادن کعادن الذهب والفضة، خیارہم فی الجاہلیۃ خیارہم فی الاسلام اذا فقہوا^{لہ}۔



لہٰذا اسی طرح سے (جواہرات کی) کانیں ہیں، جیسے سونے چاندی کی کانیں ہوتی ہیں، جو ان میں جاہلیت کے زمانہ میں بہتر تھے، وہ اسلام میں بھی بہتر ہیں، بشرطیکہ وہ (دین کی) سمجھ حاصل کریں۔

(روایت صحیح مسلم)

باب چہارم

مختصر حالات زندگی

ولادت

شاہ صاحب کی ولادت چار شنبہ کے دن ۴ شوال ۱۱۴۲ھ طلوع آفتاب کے وقت اپنے نانہاں قصبہ بھلت (حال ضلع مظفرنگر) میں ہوئی، تاریخ ولادت عظیم الدین سے نکلتی ہے، شاہ ولی اللہ صاحب کی ولادت کے وقت آپ کے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیم صفا کی عمر ساٹھ سال تھی، شاہ عبدالرحیم صفا کو اس مبارک فرزند کی ولادت سے پہلے بہت سے بشارات نظر آئے تھے، شاہ عبدالرحیم صاحب نے ساٹھ سال کی عمر میں پہلی اہلیہ کی موجودگی میں جو شیخ صلاح الدین کی والدہ تھیں، شادی کا ارادہ کیا، اس میں اشارات غیبی اور بشارات کو دخل تھا، جب شیخ محمد بھلتی کو معلوم ہوا تو لے خوش قسمتی سے حضرت شاہ صاحب کے قلم سے اختصار کے ساتھ اپنی زندگی کے مزوری حالات، تعلیم و تہذیب جو انھوں نے پڑھا، والد صاحب کی تعلیم و تربیت کے بعض خصوصی انداز، بیعت و اجازت، سفر جازا اور وہاں کے شائع سے استفادہ، ان کا تعارف و تذکرہ اور زندگی کے بعض اہم واقعات محفوظ ہو گئے ہیں ان مواد و معلومات کے ذریعے ماخذ میں، البحرہ اللطیفہ فی ترجمۃ العبد الضعیف تقدس سالہ انسان العین فی شائع الحرمین، شاہ صفا کی زندگی کے مختصر حالات انھیں دونوں کتابوں البحرہ اللطیفہ اور انسان العین سے ماخوذ اور مقتبس ہیں، کہیں کہیں تفاسل ماریں اور اقوال اجمالی سے استفادہ کیا گیا ہے۔

لے البحرہ اللطیفہ ص ۲ مطبوعہ لاہور۔

انہوں نے اپنی صاحبزادی کو نکاح میں دینے کا فیصلہ کیا، اور اوائل سن ۱۱۱۳ھ میں یہ مبارک عقد ہو گیا۔

”القول الجلی“ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا اسم گرامی فخر النساء تھا، اور وہ علوم دینیہ میں ایسا درک رکھتی تھیں جس کا خواتین کو بہت کم موقع اور شرف حاصل ہوتا ہے کتاب کے مصنف شیخ محمد عاشق پھلتی لکھتے ہیں، جو ان کے حقیقی بھائی کے فرزند تھے، و صاحب البيت أدنی بما فیہ۔

والدہ شریفہ شاہ کہ بعلم شریعت	آپ کی والدہ ماجدہ تفسیر و حدیث
از تفسیر و حدیث عالم، و آداب طریقت	جیسے علوم شرعیہ کی عالم، آداب طریقت
متادبہ، و باسرار حقیقت عارف،	سے آراستہ پیراستہ، اسرار حقیقت کی
و بمصدق اسم خود فخر النساء بودند۔	معرفت رکھنے والی، اور ان وجہ سے
	حقیقتاً طبقہ انات کے لئے باعث فخر
	اور اسم باسٹمی تھیں۔

ولادت سے پہلے شاہ عبدالرحیم صاحب نے خواجہ قطب الدین بختیار کوٹلی کی خواب میں زیارت کی انہوں نے فرزند کی بشارت دی اور فرمایا کہ اس کا نام میرے نام پر قطب الدین احمد رکھنا شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ میری ولادت ہوئی تو والد صاحب کے ذہن میں یہ بات نہیں رہی اور انہوں نے ولی اللہ نام رکھا، کچھ مدت کے بعد یاد آیا تو میرا دوسرا نام قطب الدین احمد تجویز کیا۔ شاہ صاحب ساٹھ سال کے تھے کہ والدین کے ساتھ تہجد میں شریک ہوئے اور دعا کرتے وقت ان دونوں کے ہاتھوں میں اپنے ہاتھ دیئے، اور اس طرح وہ خواب پورا ہوا، جو ان کے والد ماجد نے ان کی ولادت سے قبل دیکھا تھا۔

فقہ میں شرح وقایہ اور ہدایہ (کچھ حصہ چھوڑ کر) اصول فقہ میں حسامی اور توضیح وتلویح کا بڑا حصہ منطق میں شرح شمس کی مکمل، اور ایک حصہ شرح مطالع کا، علم کلام میں شرح عقائد مکمل، خیالی کے حاشیہ کے ایک حصہ کے ساتھ، کچھ حصہ شرح مواقف کا پڑھا، سلوک میں ایک حصہ عوائد اور رسائل نقشبندیہ وغیرہ کا، حقائق میں شرح رباعیات مولانا جامی اور لوائح، مقدمہ شرح المسمعات، مقدمہ نقد النصوص، خواص اسماء و آیات میں وہ مجموعہ جو خاص اس موضوع پر ہے اور الفوائد المائۃ وغیرہ، والد صاحب نے کئی بار مجھے ان خواص و فوائد کی اجازت دی۔

طب میں موجز، فلسفہ میں شرح ہدایۃ الحکمت وغیرہ، معانی میں مطول کا بڑا حصہ، مختصر المعانی کا اتنا حصہ جس میں ملا زادہ کا حاشیہ ہے، ہندسہ اور حساب میں بعض مختصر رسائل۔

شاہ صاحب کے اس نصاب میں ان کے والد ماجد اور استاد حقیقی شاہ عبدالرحیم صاحب کے اجتہاد و انتخاب کو بھی کچھ دخل تھا، ساتویں صدی ہجری سے ہندوستان میں جو نصاب درس رائج تھا، اور جس میں نویں صدی ہجری کے آخر میں شیخ عبداللہ اور شیخ عزیز اللہ کے ملتان سے دہلی آنے پر علم کلام و بلاغت و محقولات کی بعض کتابوں کا اضافہ ہوا، پھر دسویں صدی میں امیر فتح اللہ شیرازی کی آمد ہندوستان پر ایران کے علمائے متاخرین، محقق دوانی، میر صدر الدین شیرازی، اور میر غیاث الدین منصور، اور مرزا جان کی تصنیفات داخل نصاب ہوئیں، غالباً شاہ عبدالرحیم صاحب کی حقیقت پسندی اور اپنے ہونہار فرزند کی ذکاوت پر اعتماد کے ان میں سے کئی کتابوں کو (جن میں اکثر مکرر مضامین تھے) حذف کر دیا گیا، مثلاً نحو میں مصباح، لبّ الالباب (مصنف قاضی ناصر الدین بیضاوی) ارشاد (مصنف قاضی شہاب الدین دولت آبادی) کے بجائے صرف کافیہ، اور شرح جامی پڑھائی گئی، اصول فقہ میں منار اور اس کے شروح، اور اصول بزدوی کے بجائے حسامی، اور توضیح وتلویح کا کچھ حصہ، تفسیر میں کشاف ترک کر دی گئی،

حدیث میں مشارق الانوار شامل نہیں ہے، ادب میں مقامات حریری کا عام رواج تھا اور بعض بزرگوں کے حفظ کرنے کا بھی ذکر آتا ہے، لیکن شاہ صاحب کے نصاب درس میں وہ نظر نہیں آتی، یہ ممکن ہے کہ ان میں سے بہت سی کتابیں بارہویں صدی کے اوائل تک بہت سے مکتبہ داروں میں متروک ہو گئی ہوں۔

واضح رہے کہ بارہویں صدی ہجری ہی میں استاد العلماء ملا نظام الدین سہالوی فرنگی علی نے جو حضرت شاہ صاحب کے کبیر السنن معاصر تھے، اور جنہوں نے شاہ صاحب کی وفات سے پندرہ سال پہلے ۱۰۶۱ھ میں رحلت کی، اس نصاب درس میں بہت عظیم اضافہ کیا، خاص طور پر صرف و نحو، منطق و فلسفہ، ریاضی و بلاغت، اور علم کلام میں کثیر التعداد کتابوں کا اضافہ کیا، جن میں مزید اضافہ کے بعد (جو ان کے تلامذہ اور تلامذہ کے تلامذہ کے دور میں بغیر کسی منصوبہ کے ہوا) اس نصاب نے درس نظامی کی وہ آخری شکل اختیار کی جو ابھی تک قدیم مدارس میں رائج ہے۔

شاہ صاحب کے بیان کئے ہوئے نصاب درس میں ادب عربی کی کوئی کتاب نظر نہیں آتی، حالانکہ شاہ صاحب کی عربی تالیفات بالخصوص ”حجۃ اللہ البالغہ“ شہادت دیتی ہے کہ ان کو عربی زبان اور اس میں تحریر و انشاء پر نہ صرف قدرت تھی، بلکہ (جہاں تک حجۃ اللہ البالغہ کا تعلق ہے) وہ اس میں ایک ایسے طرز و اسلوب کے بانی ہیں، جو علمی مضامین و مقاصد کے شرح و بیان کے لئے موزوں ترین اسلوب ہے، اور جس میں علامہ ابن خلدون کے بعد ان کا کوئی

لے نصاب درس کی عہد بہد تبدیلیوں، معیار فضیلت کے بدلنے اور ایک ہی کتاب کے متعدد مشروح و حواشی کے اضافہ اور ان کے اسباب و محرکات سے واقف ہونے کے لئے والد ماجد مولانا حکیم سید عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”انتقاد الاسلامیۃ فی الہند مطبوعہ المجمع علمی دمشق، اور اردو میں ان کا پُر مغز اور مستفاد مضمون ہندوستان کا نظام درس اور اس کے تغیرات“ مطبوعہ دارالعلوم ندوۃ العلماء ملاحظہ ہو۔

ہم پایہ اور ہر نظر نہیں آتا، معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے بطور خود عربی ادب اور شرو نظم کی ان قدیم میاری کتابوں کا مطالعہ کیا، جو سلاست و صلاوت کا نمونہ تھیں اور جو عجمی عربی کے اثرات سے بہت کچھ محفوظ تھیں اور حجاز کے قیام میں خاص طور پر عربی میں اس عظیم تصنیفی کام کی تیاری کی جس کو تدبیر الہی نے شاہ صاحب کے لئے مخصوص کر رکھا تھا، اگر مقامات حریری کا ذکر ہو انہیں چھوٹ گیا ہے، تو اس کے شاہ صاحب کے نصاب میں داخل نہ ہونے سے بجائے نقصان کے فائدہ ہوا ہوگا کہ متاخرین عام طور پر اس کے زخم خوردہ ہیں، اور اس کی وجہ سے صحیح و قوافی کے ایسے پابند کہ بے تکلفی اور روانی کے ساتھ مطالب عالیہ کے ادا کرنے اور اظہار مافی الضمیر سے عام طور پر قاصر نظر آتے ہیں، حریری کے بعد جس نے بھی کسی مضمون پر قلم اٹھایا حریری ہی کے قلم سے لکھا جس کا قطر پرانا ہو گیا تھا، رسائل و خطوط اور کتابوں کی تقریظیں حتیٰ کہ فتاویٰ کی طویل عبارات بھی حریری کے اس اثر سے آزاد نہیں۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ طالب علمی ہی کے زمانہ میں مضامین عالیہ ذہن میں آتے تھے، جن میں برابر ترقی محسوس ہوتی تھی، والد صاحب کی وفات کے بعد بارہ سال تک دینی کتب و عقلی علوم کی کتابیں پڑھانے کی پابندی کی، اور ہر علم میں غور و خوض اور اشتغال کا موقع ملا۔

والد ماجد کی شفقت و تربیت اور اجازت و خلافت

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ والد صاحب کی شفقت میرے حال پر ایسی تھی کہ کم کسی

لہ صاحب "ایانہ الجہنم" لکھتے ہیں "وقد اقام باہجاز سنین و زاحم العرب و سمع من اهل البادية و هم یومئذ احسن حالاً منهم فی زماننا" (حجاز میں کئی سال قیام فرمایا، عربوں سے اختلاط و صحبت رہی اور اہل بادیر سے جو اس زمانہ کے مقابلہ میں بہتر تھے صحیح و فصیح زبان سنیں) ۱۷۸۹ ۱۷۹۰ ۱۷۹۱ ۱۷۹۲ ۱۷۹۳ ۱۷۹۴ ۱۷۹۵ ۱۷۹۶ ۱۷۹۷ ۱۷۹۸ ۱۷۹۹ ۱۸۰۰ ۱۸۰۱ ۱۸۰۲ ۱۸۰۳ ۱۸۰۴ ۱۸۰۵ ۱۸۰۶ ۱۸۰۷ ۱۸۰۸ ۱۸۰۹ ۱۸۱۰ ۱۸۱۱ ۱۸۱۲ ۱۸۱۳ ۱۸۱۴ ۱۸۱۵ ۱۸۱۶ ۱۸۱۷ ۱۸۱۸ ۱۸۱۹ ۱۸۲۰ ۱۸۲۱ ۱۸۲۲ ۱۸۲۳ ۱۸۲۴ ۱۸۲۵ ۱۸۲۶ ۱۸۲۷ ۱۸۲۸ ۱۸۲۹ ۱۸۳۰ ۱۸۳۱ ۱۸۳۲ ۱۸۳۳ ۱۸۳۴ ۱۸۳۵ ۱۸۳۶ ۱۸۳۷ ۱۸۳۸ ۱۸۳۹ ۱۸۴۰ ۱۸۴۱ ۱۸۴۲ ۱۸۴۳ ۱۸۴۴ ۱۸۴۵ ۱۸۴۶ ۱۸۴۷ ۱۸۴۸ ۱۸۴۹ ۱۸۵۰ ۱۸۵۱ ۱۸۵۲ ۱۸۵۳ ۱۸۵۴ ۱۸۵۵ ۱۸۵۶ ۱۸۵۷ ۱۸۵۸ ۱۸۵۹ ۱۸۶۰ ۱۸۶۱ ۱۸۶۲ ۱۸۶۳ ۱۸۶۴ ۱۸۶۵ ۱۸۶۶ ۱۸۶۷ ۱۸۶۸ ۱۸۶۹ ۱۸۷۰ ۱۸۷۱ ۱۸۷۲ ۱۸۷۳ ۱۸۷۴ ۱۸۷۵ ۱۸۷۶ ۱۸۷۷ ۱۸۷۸ ۱۸۷۹ ۱۸۸۰ ۱۸۸۱ ۱۸۸۲ ۱۸۸۳ ۱۸۸۴ ۱۸۸۵ ۱۸۸۶ ۱۸۸۷ ۱۸۸۸ ۱۸۸۹ ۱۸۹۰ ۱۸۹۱ ۱۸۹۲ ۱۸۹۳ ۱۸۹۴ ۱۸۹۵ ۱۸۹۶ ۱۸۹۷ ۱۸۹۸ ۱۸۹۹ ۱۹۰۰ ۱۹۰۱ ۱۹۰۲ ۱۹۰۳ ۱۹۰۴ ۱۹۰۵ ۱۹۰۶ ۱۹۰۷ ۱۹۰۸ ۱۹۰۹ ۱۹۱۰ ۱۹۱۱ ۱۹۱۲ ۱۹۱۳ ۱۹۱۴ ۱۹۱۵ ۱۹۱۶ ۱۹۱۷ ۱۹۱۸ ۱۹۱۹ ۱۹۲۰ ۱۹۲۱ ۱۹۲۲ ۱۹۲۳ ۱۹۲۴ ۱۹۲۵ ۱۹۲۶ ۱۹۲۷ ۱۹۲۸ ۱۹۲۹ ۱۹۳۰ ۱۹۳۱ ۱۹۳۲ ۱۹۳۳ ۱۹۳۴ ۱۹۳۵ ۱۹۳۶ ۱۹۳۷ ۱۹۳۸ ۱۹۳۹ ۱۹۴۰ ۱۹۴۱ ۱۹۴۲ ۱۹۴۳ ۱۹۴۴ ۱۹۴۵ ۱۹۴۶ ۱۹۴۷ ۱۹۴۸ ۱۹۴۹ ۱۹۵۰ ۱۹۵۱ ۱۹۵۲ ۱۹۵۳ ۱۹۵۴ ۱۹۵۵ ۱۹۵۶ ۱۹۵۷ ۱۹۵۸ ۱۹۵۹ ۱۹۶۰ ۱۹۶۱ ۱۹۶۲ ۱۹۶۳ ۱۹۶۴ ۱۹۶۵ ۱۹۶۶ ۱۹۶۷ ۱۹۶۸ ۱۹۶۹ ۱۹۷۰ ۱۹۷۱ ۱۹۷۲ ۱۹۷۳ ۱۹۷۴ ۱۹۷۵ ۱۹۷۶ ۱۹۷۷ ۱۹۷۸ ۱۹۷۹ ۱۹۸۰ ۱۹۸۱ ۱۹۸۲ ۱۹۸۳ ۱۹۸۴ ۱۹۸۵ ۱۹۸۶ ۱۹۸۷ ۱۹۸۸ ۱۹۸۹ ۱۹۹۰ ۱۹۹۱ ۱۹۹۲ ۱۹۹۳ ۱۹۹۴ ۱۹۹۵ ۱۹۹۶ ۱۹۹۷ ۱۹۹۸ ۱۹۹۹ ۲۰۰۰ ۲۰۰۱ ۲۰۰۲ ۲۰۰۳ ۲۰۰۴ ۲۰۰۵ ۲۰۰۶ ۲۰۰۷ ۲۰۰۸ ۲۰۰۹ ۲۰۱۰ ۲۰۱۱ ۲۰۱۲ ۲۰۱۳ ۲۰۱۴ ۲۰۱۵ ۲۰۱۶ ۲۰۱۷ ۲۰۱۸ ۲۰۱۹ ۲۰۲۰ ۲۰۲۱ ۲۰۲۲ ۲۰۲۳ ۲۰۲۴ ۲۰۲۵ ۲۰۲۶ ۲۰۲۷ ۲۰۲۸ ۲۰۲۹ ۲۰۳۰ ۲۰۳۱ ۲۰۳۲ ۲۰۳۳ ۲۰۳۴ ۲۰۳۵ ۲۰۳۶ ۲۰۳۷ ۲۰۳۸ ۲۰۳۹ ۲۰۴۰ ۲۰۴۱ ۲۰۴۲ ۲۰۴۳ ۲۰۴۴ ۲۰۴۵ ۲۰۴۶ ۲۰۴۷ ۲۰۴۸ ۲۰۴۹ ۲۰۵۰ ۲۰۵۱ ۲۰۵۲ ۲۰۵۳ ۲۰۵۴ ۲۰۵۵ ۲۰۵۶ ۲۰۵۷ ۲۰۵۸ ۲۰۵۹ ۲۰۶۰ ۲۰۶۱ ۲۰۶۲ ۲۰۶۳ ۲۰۶۴ ۲۰۶۵ ۲۰۶۶ ۲۰۶۷ ۲۰۶۸ ۲۰۶۹ ۲۰۷۰ ۲۰۷۱ ۲۰۷۲ ۲۰۷۳ ۲۰۷۴ ۲۰۷۵ ۲۰۷۶ ۲۰۷۷ ۲۰۷۸ ۲۰۷۹ ۲۰۸۰ ۲۰۸۱ ۲۰۸۲ ۲۰۸۳ ۲۰۸۴ ۲۰۸۵ ۲۰۸۶ ۲۰۸۷ ۲۰۸۸ ۲۰۸۹ ۲۰۹۰ ۲۰۹۱ ۲۰۹۲ ۲۰۹۳ ۲۰۹۴ ۲۰۹۵ ۲۰۹۶ ۲۰۹۷ ۲۰۹۸ ۲۰۹۹ ۲۱۰۰ ۲۱۰۱ ۲۱۰۲ ۲۱۰۳ ۲۱۰۴ ۲۱۰۵ ۲۱۰۶ ۲۱۰۷ ۲۱۰۸ ۲۱۰۹ ۲۱۱۰ ۲۱۱۱ ۲۱۱۲ ۲۱۱۳ ۲۱۱۴ ۲۱۱۵ ۲۱۱۶ ۲۱۱۷ ۲۱۱۸ ۲۱۱۹ ۲۱۲۰ ۲۱۲۱ ۲۱۲۲ ۲۱۲۳ ۲۱۲۴ ۲۱۲۵ ۲۱۲۶ ۲۱۲۷ ۲۱۲۸ ۲۱۲۹ ۲۱۳۰ ۲۱۳۱ ۲۱۳۲ ۲۱۳۳ ۲۱۳۴ ۲۱۳۵ ۲۱۳۶ ۲۱۳۷ ۲۱۳۸ ۲۱۳۹ ۲۱۴۰ ۲۱۴۱ ۲۱۴۲ ۲۱۴۳ ۲۱۴۴ ۲۱۴۵ ۲۱۴۶ ۲۱۴۷ ۲۱۴۸ ۲۱۴۹ ۲۱۵۰ ۲۱۵۱ ۲۱۵۲ ۲۱۵۳ ۲۱۵۴ ۲۱۵۵ ۲۱۵۶ ۲۱۵۷ ۲۱۵۸ ۲۱۵۹ ۲۱۶۰ ۲۱۶۱ ۲۱۶۲ ۲۱۶۳ ۲۱۶۴ ۲۱۶۵ ۲۱۶۶ ۲۱۶۷ ۲۱۶۸ ۲۱۶۹ ۲۱۷۰ ۲۱۷۱ ۲۱۷۲ ۲۱۷۳ ۲۱۷۴ ۲۱۷۵ ۲۱۷۶ ۲۱۷۷ ۲۱۷۸ ۲۱۷۹ ۲۱۸۰ ۲۱۸۱ ۲۱۸۲ ۲۱۸۳ ۲۱۸۴ ۲۱۸۵ ۲۱۸۶ ۲۱۸۷ ۲۱۸۸ ۲۱۸۹ ۲۱۹۰ ۲۱۹۱ ۲۱۹۲ ۲۱۹۳ ۲۱۹۴ ۲۱۹۵ ۲۱۹۶ ۲۱۹۷ ۲۱۹۸ ۲۱۹۹ ۲۲۰۰ ۲۲۰۱ ۲۲۰۲ ۲۲۰۳ ۲۲۰۴ ۲۲۰۵ ۲۲۰۶ ۲۲۰۷ ۲۲۰۸ ۲۲۰۹ ۲۲۱۰ ۲۲۱۱ ۲۲۱۲ ۲۲۱۳ ۲۲۱۴ ۲۲۱۵ ۲۲۱۶ ۲۲۱۷ ۲۲۱۸ ۲۲۱۹ ۲۲۲۰ ۲۲۲۱ ۲۲۲۲ ۲۲۲۳ ۲۲۲۴ ۲۲۲۵ ۲۲۲۶ ۲۲۲۷ ۲۲۲۸ ۲۲۲۹ ۲۲۳۰ ۲۲۳۱ ۲۲۳۲ ۲۲۳۳ ۲۲۳۴ ۲۲۳۵ ۲۲۳۶ ۲۲۳۷ ۲۲۳۸ ۲۲۳۹ ۲۲۴۰ ۲۲۴۱ ۲۲۴۲ ۲۲۴۳ ۲۲۴۴ ۲۲۴۵ ۲۲۴۶ ۲۲۴۷ ۲۲۴۸ ۲۲۴۹ ۲۲۵۰ ۲۲۵۱ ۲۲۵۲ ۲۲۵۳ ۲۲۵۴ ۲۲۵۵ ۲۲۵۶ ۲۲۵۷ ۲۲۵۸ ۲۲۵۹ ۲۲۶۰ ۲۲۶۱ ۲۲۶۲ ۲۲۶۳ ۲۲۶۴ ۲۲۶۵ ۲۲۶۶ ۲۲۶۷ ۲۲۶۸ ۲۲۶۹ ۲۲۷۰ ۲۲۷۱ ۲۲۷۲ ۲۲۷۳ ۲۲۷۴ ۲۲۷۵ ۲۲۷۶ ۲۲۷۷ ۲۲۷۸ ۲۲۷۹ ۲۲۸۰ ۲۲۸۱ ۲۲۸۲ ۲۲۸۳ ۲۲۸۴ ۲۲۸۵ ۲۲۸۶ ۲۲۸۷ ۲۲۸۸ ۲۲۸۹ ۲۲۹۰ ۲۲۹۱ ۲۲۹۲ ۲۲۹۳ ۲۲۹۴ ۲۲۹۵ ۲۲۹۶ ۲۲۹۷ ۲۲۹۸ ۲۲۹۹ ۲۳۰۰ ۲۳۰۱ ۲۳۰۲ ۲۳۰۳ ۲۳۰۴ ۲۳۰۵ ۲۳۰۶ ۲۳۰۷ ۲۳۰۸ ۲۳۰۹ ۲۳۱۰ ۲۳۱۱ ۲۳۱۲ ۲۳۱۳ ۲۳۱۴ ۲۳۱۵ ۲۳۱۶ ۲۳۱۷ ۲۳۱۸ ۲۳۱۹ ۲۳۲۰ ۲۳۲۱ ۲۳۲۲ ۲۳۲۳ ۲۳۲۴ ۲۳۲۵ ۲۳۲۶ ۲۳۲۷ ۲۳۲۸ ۲۳۲۹ ۲۳۳۰ ۲۳۳۱ ۲۳۳۲ ۲۳۳۳ ۲۳۳۴ ۲۳۳۵ ۲۳۳۶ ۲۳۳۷ ۲۳۳۸ ۲۳۳۹ ۲۳۴۰ ۲۳۴۱ ۲۳۴۲ ۲۳۴۳ ۲۳۴۴ ۲۳۴۵ ۲۳۴۶ ۲۳۴۷ ۲۳۴۸ ۲۳۴۹ ۲۳۵۰ ۲۳۵۱ ۲۳۵۲ ۲۳۵۳ ۲۳۵۴ ۲۳۵۵ ۲۳۵۶ ۲۳۵۷ ۲۳۵۸ ۲۳۵۹ ۲۳۶۰ ۲۳۶۱ ۲۳۶۲ ۲۳۶۳ ۲۳۶۴ ۲۳۶۵ ۲۳۶۶ ۲۳۶۷ ۲۳۶۸ ۲۳۶۹ ۲۳۷۰ ۲۳۷۱ ۲۳۷۲ ۲۳۷۳ ۲۳۷۴ ۲۳۷۵ ۲۳۷۶ ۲۳۷۷ ۲۳۷۸ ۲۳۷۹ ۲۳۸۰ ۲۳۸۱ ۲۳۸۲ ۲۳۸۳ ۲۳۸۴ ۲۳۸۵ ۲۳۸۶ ۲۳۸۷ ۲۳۸۸ ۲۳۸۹ ۲۳۹۰ ۲۳۹۱ ۲۳۹۲ ۲۳۹۳ ۲۳۹۴ ۲۳۹۵ ۲۳۹۶ ۲۳۹۷ ۲۳۹۸ ۲۳۹۹ ۲۴۰۰ ۲۴۰۱ ۲۴۰۲ ۲۴۰۳ ۲۴۰۴ ۲۴۰۵ ۲۴۰۶ ۲۴۰۷ ۲۴۰۸ ۲۴۰۹ ۲۴۱۰ ۲۴۱۱ ۲۴۱۲ ۲۴۱۳ ۲۴۱۴ ۲۴۱۵ ۲۴۱۶ ۲۴۱۷ ۲۴۱۸ ۲۴۱۹ ۲۴۲۰ ۲۴۲۱ ۲۴۲۲ ۲۴۲۳ ۲۴۲۴ ۲۴۲۵ ۲۴۲۶ ۲۴۲۷ ۲۴۲۸ ۲۴۲۹ ۲۴۳۰ ۲۴۳۱ ۲۴۳۲ ۲۴۳۳ ۲۴۳۴ ۲۴۳۵ ۲۴۳۶ ۲۴۳۷ ۲۴۳۸ ۲۴۳۹ ۲۴۴۰ ۲۴۴۱ ۲۴۴۲ ۲۴۴۳ ۲۴۴۴ ۲۴۴۵ ۲۴۴۶ ۲۴۴۷ ۲۴۴۸ ۲۴۴۹ ۲۴۵۰ ۲۴۵۱ ۲۴۵۲ ۲۴۵۳ ۲۴۵۴ ۲۴۵۵ ۲۴۵۶ ۲۴۵۷ ۲۴۵۸ ۲۴۵۹ ۲۴۶۰ ۲۴۶۱ ۲۴۶۲ ۲۴۶۳ ۲۴۶۴ ۲۴۶۵ ۲۴۶۶ ۲۴۶۷ ۲۴۶۸ ۲۴۶۹ ۲۴۷۰ ۲۴۷۱ ۲۴۷۲ ۲۴۷۳ ۲۴۷۴ ۲۴۷۵ ۲۴۷۶ ۲۴۷۷ ۲۴۷۸ ۲۴۷۹ ۲۴۸۰ ۲۴۸۱ ۲۴۸۲ ۲۴۸۳ ۲۴۸۴ ۲۴۸۵ ۲۴۸۶ ۲۴۸۷ ۲۴۸۸ ۲۴۸۹ ۲۴۹۰ ۲۴۹۱ ۲۴۹۲ ۲۴۹۳ ۲۴۹۴ ۲۴۹۵ ۲۴۹۶ ۲۴۹۷ ۲۴۹۸ ۲۴۹۹ ۲۵۰۰ ۲۵۰۱ ۲۵۰۲ ۲۵۰۳ ۲۵۰۴ ۲۵۰۵ ۲۵۰۶ ۲۵۰۷ ۲۵۰۸ ۲۵۰۹ ۲۵۱۰ ۲۵۱۱ ۲۵۱۲ ۲۵۱۳ ۲۵۱۴ ۲۵۱۵ ۲۵۱۶ ۲۵۱۷ ۲۵۱۸ ۲۵۱۹ ۲۵۲۰ ۲۵۲۱ ۲۵۲۲ ۲۵۲۳ ۲۵۲۴ ۲۵۲۵ ۲۵۲۶ ۲۵۲۷ ۲۵۲۸ ۲۵۲۹ ۲۵۳۰ ۲۵۳۱ ۲۵۳۲ ۲۵۳۳ ۲۵۳۴ ۲۵۳۵ ۲۵۳۶ ۲۵۳۷ ۲۵۳۸ ۲۵۳۹ ۲۵۴۰ ۲۵۴۱ ۲۵۴۲ ۲۵۴۳ ۲۵۴۴ ۲۵۴۵ ۲۵۴۶ ۲۵۴۷ ۲۵۴۸ ۲۵۴۹ ۲۵۵۰ ۲۵۵۱ ۲۵۵۲ ۲۵۵۳ ۲۵۵۴ ۲۵۵۵ ۲۵۵۶ ۲۵۵۷ ۲۵۵۸ ۲۵۵۹ ۲۵۶۰ ۲۵۶۱ ۲۵۶۲ ۲۵۶۳ ۲۵۶۴ ۲۵۶۵ ۲۵۶۶ ۲۵۶۷ ۲۵۶۸ ۲۵۶۹ ۲۵۷۰ ۲۵۷۱ ۲۵۷۲ ۲۵۷۳ ۲۵۷۴ ۲۵۷۵ ۲۵۷۶ ۲۵۷۷ ۲۵۷۸ ۲۵۷۹ ۲۵۸۰ ۲۵۸۱ ۲۵۸۲ ۲۵۸۳ ۲۵۸۴ ۲۵۸۵ ۲۵۸۶ ۲۵۸۷ ۲۵۸۸ ۲۵۸۹ ۲۵۹۰ ۲۵۹۱ ۲۵۹۲ ۲۵۹۳ ۲۵۹۴ ۲۵۹۵ ۲۵۹۶ ۲۵۹۷ ۲۵۹۸ ۲۵۹۹ ۲۶۰۰ ۲۶۰۱ ۲۶۰۲ ۲۶۰۳ ۲۶۰۴ ۲۶۰۵ ۲۶۰۶ ۲۶۰۷ ۲۶۰۸ ۲۶۰۹ ۲۶۱۰ ۲۶۱۱ ۲۶۱۲ ۲۶۱۳ ۲۶۱۴ ۲۶۱۵ ۲۶۱۶ ۲۶۱۷ ۲۶۱۸ ۲۶۱۹ ۲۶۲۰ ۲۶۲۱ ۲۶۲۲ ۲۶۲۳ ۲۶۲۴ ۲۶۲۵ ۲۶۲۶ ۲۶۲۷ ۲۶۲۸ ۲۶۲۹ ۲۶۳۰ ۲۶۳۱ ۲۶۳۲ ۲۶۳۳ ۲۶۳۴ ۲۶۳۵ ۲۶۳۶ ۲۶۳۷ ۲۶۳۸ ۲۶۳۹ ۲۶۴۰ ۲۶۴۱ ۲۶۴۲ ۲۶۴۳ ۲۶۴۴ ۲۶۴۵ ۲۶۴۶ ۲۶۴۷ ۲۶۴۸ ۲۶۴۹ ۲۶۵۰ ۲۶۵۱ ۲۶۵۲ ۲۶۵۳ ۲۶۵۴ ۲۶۵۵ ۲۶۵۶ ۲۶۵۷ ۲۶۵۸ ۲۶۵۹ ۲۶۶۰ ۲۶۶۱ ۲۶۶۲ ۲۶۶۳ ۲۶۶۴ ۲۶۶۵ ۲۶۶۶ ۲۶۶۷ ۲۶۶۸ ۲۶۶۹ ۲۶۷۰ ۲۶۷۱ ۲۶۷۲ ۲۶۷۳ ۲۶۷۴ ۲۶۷۵ ۲۶۷۶ ۲۶۷۷ ۲۶۷۸ ۲۶۷۹ ۲۶۸۰ ۲۶۸۱ ۲۶۸۲ ۲۶۸۳ ۲۶۸۴ ۲۶۸۵ ۲۶۸۶ ۲۶۸۷ ۲۶۸۸ ۲۶۸۹ ۲۶۹۰ ۲۶۹۱ ۲۶۹۲ ۲۶۹۳ ۲۶۹۴ ۲۶۹۵ ۲۶۹۶ ۲۶۹۷ ۲۶۹۸ ۲۶۹۹ ۲۷۰۰ ۲۷۰۱ ۲۷۰۲ ۲۷۰۳ ۲۷۰۴ ۲۷۰۵ ۲۷۰۶ ۲۷۰۷ ۲۷۰۸ ۲۷۰۹ ۲۷۱۰ ۲۷۱۱ ۲۷۱۲ ۲۷۱۳ ۲۷۱۴ ۲۷۱۵ ۲۷۱۶ ۲۷۱۷ ۲۷۱۸ ۲۷۱۹ ۲۷۲۰ ۲۷۲۱ ۲۷۲۲ ۲۷۲۳ ۲۷۲۴ ۲۷۲۵ ۲۷۲۶ ۲۷۲۷ ۲۷۲۸ ۲۷۲۹ ۲۷۳۰ ۲۷۳۱ ۲۷۳۲ ۲۷۳۳ ۲۷۳۴ ۲۷۳۵ ۲۷۳۶ ۲۷۳۷ ۲۷۳۸ ۲۷۳۹ ۲۷۴۰ ۲۷۴۱ ۲۷۴۲ ۲۷۴۳ ۲۷۴۴ ۲۷۴۵ ۲۷۴۶ ۲۷۴۷ ۲۷۴۸ ۲۷۴۹ ۲۷۵۰ ۲۷۵۱ ۲۷۵۲ ۲۷۵۳ ۲۷۵۴ ۲۷۵۵ ۲۷۵۶ ۲۷۵۷ ۲۷۵۸ ۲۷۵۹ ۲۷۶۰ ۲۷۶۱ ۲۷۶۲ ۲۷۶۳ ۲۷۶۴ ۲۷۶۵ ۲۷۶۶ ۲۷۶۷ ۲۷۶۸ ۲۷۶۹ ۲۷۷۰ ۲۷۷۱ ۲۷۷۲ ۲۷۷۳ ۲۷۷۴ ۲۷۷۵ ۲۷۷۶ ۲۷۷۷ ۲۷۷۸ ۲۷۷۹ ۲۷۸۰ ۲۷۸۱ ۲۷۸۲ ۲۷۸۳ ۲۷۸۴ ۲۷۸۵ ۲۷۸۶ ۲۷۸۷ ۲۷۸۸ ۲۷۸۹ ۲۷۹۰ ۲۷۹۱ ۲۷۹۲ ۲۷۹۳ ۲۷۹۴ ۲۷۹۵ ۲۷۹۶ ۲۷۹۷ ۲۷۹۸ ۲۷۹۹ ۲۸۰۰ ۲۸۰۱ ۲۸۰۲ ۲۸۰۳ ۲۸۰۴ ۲۸۰۵ ۲۸۰۶ ۲۸۰۷ ۲۸۰۸ ۲۸۰۹ ۲۸۱۰ ۲۸۱۱ ۲۸۱۲ ۲۸۱۳ ۲۸۱۴ ۲۸۱۵ ۲۸۱۶ ۲۸۱۷ ۲۸۱۸ ۲۸۱۹ ۲۸۲۰ ۲۸۲۱ ۲۸۲۲ ۲۸۲۳ ۲۸۲۴ ۲۸۲۵ ۲۸۲۶ ۲۸۲۷ ۲۸۲۸ ۲۸۲۹ ۲۸۳۰ ۲۸۳۱ ۲۸۳۲ ۲۸۳۳ ۲۸۳۴ ۲۸۳۵ ۲۸۳۶ ۲۸۳۷ ۲۸۳۸ ۲۸۳۹ ۲۸۴۰ ۲۸۴۱ ۲۸۴۲ ۲۸۴۳ ۲۸۴۴ ۲۸۴۵ ۲۸۴۶ ۲۸۴۷ ۲۸۴۸ ۲۸۴۹ ۲۸۵۰ ۲۸۵۱ ۲۸۵۲ ۲۸۵۳ ۲۸۵۴ ۲۸۵۵ ۲۸۵۶ ۲۸۵۷ ۲۸۵۸ ۲۸۵۹ ۲۸۶۰ ۲۸۶۱ ۲۸۶۲ ۲۸۶۳ ۲۸۶۴ ۲۸۶۵ ۲۸۶۶ ۲۸۶۷ ۲۸۶۸ ۲۸۶۹ ۲۸۷۰ ۲۸۷۱ ۲۸۷۲ ۲۸۷۳ ۲۸۷۴ ۲۸۷۵ ۲۸۷۶ ۲۸۷۷ ۲۸۷۸ ۲۸۷۹ ۲۸۸۰ ۲۸۸۱ ۲۸۸۲ ۲۸۸۳ ۲۸۸۴ ۲۸۸۵ ۲۸۸۶ ۲۸۸۷ ۲۸۸۸ ۲۸۸۹ ۲۸۹۰ ۲۸۹۱ ۲۸۹۲ ۲۸۹۳ ۲۸۹۴ ۲۸۹۵ ۲۸۹۶ ۲۸۹۷ ۲۸۹۸ ۲۸۹۹ ۲۹۰۰ ۲۹۰۱ ۲۹۰۲ ۲۹۰۳ ۲۹۰۴ ۲۹۰۵ ۲۹۰۶ ۲۹۰۷ ۲۹۰۸ ۲۹۰۹ ۲۹۱۰ ۲۹۱۱ ۲۹۱۲ ۲۹۱۳ ۲۹۱۴ ۲۹۱۵ ۲۹۱۶ ۲۹۱۷ ۲۹۱۸ ۲۹۱۹ ۲۹۲۰ ۲۹۲۱ ۲۹۲۲ ۲۹۲۳ ۲۹۲۴ ۲۹۲۵ ۲۹۲۶ ۲۹۲۷ ۲۹۲۸ ۲۹۲۹ ۲۹۳۰ ۲۹۳۱ ۲۹۳۲ ۲۹۳۳ ۲۹۳۴ ۲۹۳۵ ۲۹۳۶ ۲۹۳۷ ۲۹۳۸ ۲۹۳۹ ۲۹۴۰ ۲۹۴۱ ۲۹۴۲ ۲۹۴۳ ۲۹۴۴ ۲۹۴۵ ۲۹۴۶ ۲۹۴۷ ۲۹۴۸ ۲۹۴۹ ۲۹۵۰ ۲۹۵۱ ۲۹۵۲ ۲۹۵۳ ۲۹۵۴ ۲۹۵۵ ۲۹۵۶ ۲۹۵۷ ۲۹۵۸ ۲۹۵۹ ۲۹۶۰ ۲۹۶۱ ۲۹۶۲ ۲۹۶۳ ۲۹۶۴ ۲۹۶۵ ۲۹۶۶ ۲۹۶۷ ۲۹۶۸ ۲۹۶۹ ۲۹۷۰ ۲۹۷۱ ۲۹۷۲ ۲۹۷۳ ۲۹۷۴ ۲۹۷۵ ۲۹۷۶ ۲۹۷۷ ۲۹۷۸ ۲۹۷۹ ۲۹۸۰ ۲۹۸۱ ۲۹۸۲ ۲۹۸۳ ۲۹۸۴ ۲۹۸۵ ۲۹۸۶ ۲۹۸۷ ۲۹۸۸ ۲۹۸۹ ۲۹۹۰ ۲۹۹۱ ۲۹۹۲ ۲۹۹۳ ۲۹۹۴ ۲۹۹۵ ۲۹۹۶ ۲۹۹۷ ۲۹۹۸ ۲۹۹۹ ۳۰۰۰ ۳۰۰۱ ۳۰۰۲ ۳۰۰۳ ۳۰۰۴ ۳۰۰۵ ۳۰۰۶ ۳۰۰۷ ۳۰۰۸ ۳۰۰۹ ۳۰۱۰ ۳۰۱۱ ۳۰۱۲ ۳۰۱۳ ۳۰۱۴ ۳۰۱۵ ۳۰۱۶ ۳۰۱۷ ۳۰۱۸ ۳۰۱۹ ۳۰۲۰ ۳۰۲۱ ۳۰۲۲ ۳۰۲۳ ۳۰۲۴ ۳۰۲۵ ۳۰۲۶ ۳۰۲۷ ۳۰۲۸ ۳۰۲۹ ۳۰۳۰ ۳۰۳۱ ۳۰۳۲ ۳۰۳۳ ۳۰۳۴ ۳۰۳۵ ۳۰۳۶ ۳۰۳۷ ۳۰۳۸ ۳۰۳۹ ۳۰۴۰ ۳۰۴۱ ۳۰۴۲ ۳۰۴۳ ۳۰۴۴ ۳۰۴۵ ۳۰۴۶ ۳۰۴۷ ۳۰۴۸ ۳۰۴۹ ۳۰۵۰ ۳۰۵۱ ۳۰۵۲ ۳۰۵۳ ۳۰۵۴ ۳۰۵۵ ۳۰۵۶ ۳۰۵۷ ۳۰۵۸ ۳۰۵۹ ۳۰۶۰ ۳۰۶۱ ۳۰۶۲ ۳۰۶۳ ۳۰۶۴ ۳۰۶۵ ۳۰۶۶ ۳۰۶۷ ۳۰۶۸ ۳۰۶۹ ۳۰۷۰ ۳۰۷۱ ۳۰۷۲ ۳۰۷۳ ۳۰۷۴ ۳۰۷۵ ۳۰۷۶ ۳۰۷

باپ کی بیٹی پر کسی استاد کی شاگرد پر اور کسی شیخ کی مرید پر ہوگی، حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کی تربیت کا انداز بھی بڑا حکیمانہ تھا، شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ایک روز زمانہ طفولیت میں احباب و اعزہ کی ایک جماعت کے ساتھ ایک باغ کی سیر کو چلا گیا، جب آپس آیا تو والد صاحبؒ نے فرمایا، ولی الشرا تم نے اس دن رات میں وہ کیا حاصل کیا جو باقی رہے؟ ہم نے اس مدت میں اتنا درود پڑھا، شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یہ سن کر میرا دل باغات کی سیر و تفریح سے بالکل سرد ہو گیا، اس کے بعد پھر اس کا شوق نہیں پیدا ہوا، شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ والد صاحبؒ مجھے حکمت عملی، آداب مجلس اور تہذیب و دانش مندی کی باتیں بہت سکھاتے تھے، اور اکثر یہ شعر پڑھتے تھے۔

آسائش دو گیتی تفسیر اس دو حرف است
باد و تان تلطف باد شمتاں مدارا^۳

فرماتے تھے کہ مجھے ہدایت فرمائی کہ جو لوگ مرتبہ میں کم ہوں ان سے ہمیشہ سلام میں سبقت کرنا، اور ان سے ہمیشہ خوش اخلاقی سے پیش آنا، اور ان کی خیریت و احوال دریافت کرنا، اور اس کو معمولی بات نہ سمجھنا۔

صد ملک دل بہ نیم نگہ می توان خرید
خواب در این معاملہ تقصیر می کنند

یہ بھی فرماتے تھے کہ بعض لوگ کسی خاص پوشاک یا عادت کے پابند ہو جاتے ہیں، کوئی تکیہ کلام مقرر کر لیتے ہیں، بعض کھانوں سے ایسے متنفر ہو جاتے ہیں کہ ان کی وہ چڑھ مقرر ہو جاتی ہے، ان سب چیزوں سے پرہیز کرنا چاہئے، اپنی کسی خواہش کی تکمیل میں

صرف لذت جوئی مقصود نہ ہو، اس میں کسی ضرورت کی تکمیل کسی فضیلت کا حصول، یا ادائے سنت مقصود ہونی چاہئے، چال ڈھال، نشست و برخاست کسی سے صنعت یا کسل مندی کا اظہار نہیں ہونا چاہئے، شاہ عبدالرحیم صاحب شاہ صاحب کے بیان کے مطابق شجاعت، فراست، خوش انتظامی اور غیرت کے اوصاف عالیہ سے متصف تھے، عقل معاش بھی عقل معاد کی طرح کامل و وافر رکھتے تھے، ہر معاملہ میں اعتدال کو پسند کرتے تھے، شاہ صاحب کی سیرت و اخلاق میں انہیں چیزوں کا پرتو تھا۔^{۱۰}

والد صاحب ہی سے چودہ سال کی عمر میں بیعت کی اور اشغال صوفیہ بالخصوص مشائخ نقشبندیہ کے اشغال میں مشغول ہوئے، توجہ اور تلقین حاصل کی، والد صاحب نے آداب طریقت کا ایک حصہ تعلیم کیا، اور خرقرہ پہنایا، شاہ صاحب کی عمر سترہ سال کی تھی، کہ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب نے اس دنیا سے رحلت فرمائی، آپ نے مرض موت میں بیعت و ارشاد کی اجازت دی، اور بار بار فرمایا کہ میں لکیدی (اس کا ہاتھ میرے ہاتھ کی طرح ہے)۔^{۱۱}

شادی

شاہ ولی اللہ صاحب کی عمر چودہ سال کی تھی کہ آپ کے والد ماجد نے آپ کی شادی آپ کے ماموں شیخ عبید اللہ صدیقی پھلتی کی صاحبزادی سے کر دی، سسرال والوں نے جب مہلت کا تقاضا کیا تو شاہ عبدالرحیم صاحب نے معذرت کی اور کہا کہ اسی میں مصلحت ہے بعد کے پے درپے خاندانی حوادث نے ثابت کر دیا کہ اگر اس زمانہ میں شادی نہ ہو جاتی تو اس کو

بہت دنوں کے لئے ملتوی کرنا پڑتا، ان زوجہ سے آپ کے بڑے صاحبزادہ شیخ محمد پیدا ہوئے، جنہوں نے آپ ہی سے تعلیم پائی، شاہ صاحب نے ان کے لئے ایک ابتدائی رسالہ بھی تصنیف فرمایا تھا، شائل ترمذی کے درس میں شاہ عبدالعزیز کے شریک اور قاری تھے، شاہ صاحب کی وفات کے بعد قصبہ بڑہانہ منتقل ہو گئے، اور مدۃ العمر وہیں رہ کر ۱۲۸۵ھ میں وفات پائی اور قصبہ کی جامع مسجد کے صحن میں مدفون ہوئے، اسی بنا پر شاہ صاحب ابو محمد کنیت کرتے تھے، شیخ محمد کے دو صاحبزادوں کا تذکرہ جو ان کے ساتھ ہی مدفون ہیں، مقالات طریقت میں آتا ہے، لیکن کتابوں میں ان کو منقطع العقب لکھا ہے، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے حضرت شاہ ابوسعید حسنی رائے بریلوی کے نام تین خطوط میں برادر بزرگ شیخ محمد بن شاہ ولی اللہ صاحب کا سلام لکھا ہے، ان میں کہیں برادر صاحب بزرگ شیخ محمد صاحب اور کسی خط میں "الشیخ الکبیر محمد" کے نام سے سلام لکھا ہے، ان خطوط سے بھائیوں کی باہمی مودت و تعلق کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

دوسرا عقد

شاہ صاحب کا دوسرا عقد پہلی الہیہ کی وفات کے بعد یہ ثناء اللہ سونی پتی کی

۱۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ چند ہی دنوں کے بعد میری ہونے والی خوشدامن نے انتقال کیا، تھوڑے ہی دنوں کے بعد ان کی نانی نے پھر میرے چچا زاد بھائی شاہ فخر العالم نے پھر میری پہلی والدہ برادر صلح الدین کی ماں نے انتقال کیا۔ ۲۔ نزہۃ الخواطر ج ۶ ۳۔ ایضاً ۴۔ الارشاد فی مہات الاسناد

صاحبزادی بی بی ارادت سے ہوا جو سونی پت کے رہنے والے تھے اور سید ناصر الدین شہید سونی پتی کی اولاد میں تھے، ان زوج محترم سے آپ کے چاروں نامور صاحبزادے (حضرت شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر و شاہ عبدالغنی) تولد ہوئے، جو ہندوستان میں

سید ناصر الدین شہید کا تذکرہ کتاب قصر عارفان تالیف مولوی احمد علی خیر آبادی میں (جو ڈاکٹر محمد باقر کے اہتمام میں ۱۹۶۵ء میں شائع ہوئی ہے) صفحہ ۲۸۰-۲۹۰ میں ملتا ہے، مصنف نے ان کو امام باقرین امام زین العابدینؑ کا فرزند اور امام جعفر صادقؑ کا بھائی لکھا ہے، مصنف نے ان کا سفر شہر واسطہ سے خراسان اور خراسان سے غزنی پھر غزنی سے چھپا سٹھ سواروں کے ساتھ (جن کے مصنف نے نام بھی دیئے ہیں) قنوج کی طرف رخ کرنے کا حال لکھا ہے، مصنف کے بیان کے مطابق ۱۳۶۱ھ میں ان کا سونی پت میں ورود ہوا یہ سلطان شہاب الدین غوری کا زمانہ اور امیر الممالک نصیر الدین کی حکومت کا دور تھا، حاکم دیار ارجن دیو نے عربی گھوڑوں کی خریداری کی پیشکش کی جس کو امام نے قبول نہیں کیا، بعد میں گفتگو نے طول کھینچا اور جنگ کی نوبت آئی، امام کے رفقاء نے ارجن دیو کو شکست دی لیکن اس کے بھائی ہرہ دیو کے مقابلہ میں ۱۲ محرم ۱۳۶۱ھ میں امام عالی مقام نے اپنے رفقاء جاں نثار کے ساتھ جام شہادت نوش فرمایا۔ یہ بیان اور ۱۳۶۱ھ میں خاندان اہل بیت کے کسی فرد جلیل کا شمالی ہند کے مقام سونی پت تک پہنچنا اور شہادت حاصل کرنا درایت اور تاریخی سلیکٹ کے خلاف ہے کہ سلمان جو صدمندوں اور غازیوں کی رسائی اس وقت تک سندھ و عمان کے آگے نہیں لتی، اس وقت تک اسلامی حکومت سندھ و عمان سے آگے بڑھنے پائی تھی، منصورہ تیسری صدی کے آخر اور چوتھی صدی کی ابتدا میں اسلامی سلطنت کا مرکز بنا، خود محمود غزنوی ۱۱۸۵ھ میں اورنگ نشین ہوا، اس کا پہلا حملہ ہندوستان ۱۱۹۱ھ میں ہوا، جہاں تک شہاب الدین محمد غوری کا تعلق ہے جس کے عہد میں امام ناصر الدین کی ہم تنائی جاتی ہے، اس نے ۱۱۹۲ھ میں پہلی مرتبہ ہندوستان کا رخ کیا، اور ۱۱۹۸ھ میں پرتھوی راج کو مکمل شکست دے کر ہندوستان میں مستقل حکومت قائم کی، مزید یہ کہ امام محمد باقر کے صاحبزادوں میں کسی کا نام کتب انساب میں امام ناصر الدین نہیں ملتا، بعض مرتبین شجرہ نے ان کو امام کی بائیسویں پشت میں دکھایا ہے، اس نے مصنفہ قصر عارفان کا بیان و اتفاقاً سلسلہ (باقی صفحہ پر)

دین کی نشاۃ ثانیہ کے "ارکان اربعہ" ہیں رحمہم اللہ تعالیٰ اور ایک صاحبزادی امۃ العزیز بھی پیدا ہوئیں، ان کا عقد مولوی محمد فائق ابن مولانا محمد عاشق پھلتی سے ہوا، وہ صاحب اولاد تھیں، ان کا سلسلہ جاری رہا۔

سفر حج

شاہ صاحب کی علمی، فکری اور دعوتی و تجدیدی زندگی میں حجاز مقدس کا سفر اور قیام ایک تاریخ ساز واقعہ اور ان کی کتاب زندگی کا ایک نیا باب اور حد فاصل ہے، حجاز کے اسی طویل قیام میں جو ایک سال سے زیادہ رہا، ان کے ملکات ذہنی و علمی نے ارتقاء کے وہ منازل طے کئے جو بظاہر ہندوستان میں ممکن نہ تھے، اور اس کے لئے حرمین ہی جیسی مرکزی و عالمی جگہ درکار تھی، اسی سفر میں انھوں نے علم حدیث کا وسیع اور گہرا مطالعہ کیا، اور اس کے شیوخ کا طین سے جو دیار و اصهار سے وہاں جمع ہوئے تھے، اس فن شریف کی تکیل کی، جو ان کی تجدید و اصلاح کے ایوان بلند میں مجرازاویہ (کوئٹہ کے پتھر) کی حیثیت رکھتا ہے، اور جس سے وہ تحقیق و اجتہاد کے اس مقام پر پہنچے جس پر ان آخری صدیوں میں کم لوگ (اور جہاں تک مقاصد و اسرار شریعت اور تطبیق بین الفقہ و الحدیث کا تعلق ہے) کئی صدیوں سے کوئی نہیں پہنچا تھا۔

(باقی ملے گا) کے خلاف اور مشہور تاریخ سے کھلا تضاد رکھتا ہے، اور قابل اعتبار نہیں، البتہ امام ناصر الدین کی شہادت (جس کے سنہ کا تعین مشکل ہے) ایک تاریخی حقیقت ہے، جو تو اتر کے ساتھ اس جوار میں چلی رہی ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے خاندان کا اس خاندان والا شان سے قرابتیں قدیم سے چلی آرہی تھیں اور آپ کی دوسری شادی جیسا کہ اوپر گذرا اسی خاندان میں ہوئی۔

سفر حج کے وقت شاہ صاحبؒ کی عمر تیس سال تھی، اس وقت کے سیاسی حالات راستوں کے امن و امان کی کیفیت، بعض غیر ملکی طاقتوں کے تسلط، برسی اور بحری خطرات اور قزاقی کے پیش نظر یہ سفر ان کی عالی ہمتی، شوق علم اور حرمین شریفین سے قلبی وابستگی کی روشن دلیل ہے، نیز ان کی حیثیت اسلامی دور بینی و بلند نگاہی پر بھی دلالت کرتا ہے کہ ہندوستان میں حفاظت دین اور ملت اسلامیہ ہندوستان کے عروج و استقلال کے لئے ان کی نگاہ ہندوستان ہی کے حالات کے مطالعہ اور وہیں اس کی تدبیر و علاج کی تلاش میں محدود نہیں تھی، وہ قرآن مجید کے اشارۃً بلخ "لَیْسَ قَدْ فَا مَنَافِعَ لَہُمْ" پر عمل کر کے عالم اسلام کے اس قلب و مرکز اور دنیا کے گوشہ گوشہ سے آئے ہوئے وفود الاسلام و ضیوف الرحمن کے علوم و معارف، عقول و اذہان اور تجربات و مساعی سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔

اس وقت سورت ہندوستان کی بندرگاہ اور باب مکہ تھا، راستہ کے مقامات بالخصوص مالوہ و گجرات مرہٹوں کی غارت گری اور استحصال کی آماج گاہ بنے ہوئے تھے، شمالی ہند سے جنوبی ہند تک کے اس طویل راستہ کو اس وقت کی سواریوں، پہیلیوں اور اونٹ گاڑیوں سے طے کرنا آسان نہ تھا، بحر ہند اور بحر احمر کے تمام سواحل، پرتگیزی و ہندی (ڈچ) قزاقوں اور

لئے القول ابجلی سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحبؒ اس سفر حج سے پہلے جو مکمل ہوا، ایک مرتبہ بیس سال کی عمر میں اچانک سفر کا ارادہ اور ہجرت کا عزم فرمایا تھا، اور مخفی طور پر بے زاد و راحلہ کوچ فرمایا، جب ساحل سندھ پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ جہاز روانہ ہو چکے ہیں، اب کوئی جہاز باقی نہیں، مجبوراً شہر کھبات میں قیام فرمایا، ایک مرتبہ مراقبہ میں ایک ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ دل سفر سے سرد ہو گیا، اور واپسی کا فیصلہ فرمایا، اس میں کچھ بار گاہ رسالت پناہ کا اشارہ بھی شامل تھا۔ (القول ابجلی نسخہ خطوط خانقاہ کاظمیہ قلندر، کاکوری) ۲۸۔ الحج

۳۰ شاہ عبدالعزیز صاحب کے محفوظات سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحبؒ سفر میں راجپوتانہ سے بھی گزرے تھے۔

فرنج و انگریز ملک گیروں کے بحری حملوں کے خطرہ سے محفوظ نہ تھے، محتاج کی ان مصیبتوں اور حوادث کی تفصیل اس وقت کے سفرناموں میں (جو بہت کم مرتب و محفوظ رہ سکے ہیں) دیکھی جاسکتی ہے، خود ہندوستان کے راستہ کا حال یہ تھا کہ رات کو اگر کوئی ساتھی کسی گاؤں یا آبادی میں چھوٹ جاتا تھا تو شاہ صاحب یا بدیع العجائب یا بدیع العجائب کا وظیفہ شروع کر دیتے تھے۔

سورت سے جدہ پینتالیس روز میں پہنچنا ہوا، ۱۵ ذیقعدہ کو داخل مکہ معظمہ ہوئے، علماء اور طلبہ کی درخواست پر مسجد حرام میں مصلے حنفی کے پاس درس شروع کیا، جس میں بہت ہی بڑے علماء شاہ صاحب البحر، اللطیف میں لکھتے ہیں کہ ۱۱۴۳ھ میں حرمین شریفین کی زیارت کے شوق کا غلبہ ہوا، ۱۱۴۳ھ کے آخر (ذی الحجہ) میں حج سے مشرف ہوا، ۱۱۴۴ھ تک بیت اللہ کی مجاورت کی، اور زیارت مدینہ سے مشرف ہوا، شیخ ابوطاہر مدنی اور دوسرے مشائخ حرمین سے حدیث کی روایت کی، علماء حرمین سے مجالس رہیں، شیخ ابوطاہر مدنی نے خرقہ پہنایا، جو غالباً صوفیہ کے تمام خرقوں کا جامع ہے، اس سال ۱۱۴۴ھ کے اختتام پر دوبارہ مناسک حج ادا کئے، اور ۱۱۴۵ھ کے اوائل میں ہندوستان روانہ ہوا، اور ۱۱ رجب ۱۱۴۵ھ کو جمعہ کے دن صحت و سلامتی کے ساتھ اپنے مستقر (دہلی) پر پہنچا۔

شاہ صاحب کے مشائخ و اساتذہ حرمین

شاہ صاحب نے مشائخ و اساتذہ حرمین کے تعارف اور تذکرہ میں مستقل رسالہ "انسان العین فی مشائخ الحرمین" تصنیف فرمایا، اس رسالہ میں اپنے شیخ خاص اور اپنے محسن و محبوب استاد شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم الکردی المدنی کا قدرے تفصیل سے تعارف کرایا، چونکہ

خصوصی اساتذہ و مشائخ کی عالی استعداد تلامذہ پر گہری چھاپ ہوتی ہے اور ان کے رجحانات و تحقیقات کا ان شاگردانِ رشید پر انقلاب انگیز اثر ہوتا ہے اس لئے ان کا قدرے تفصیل ہی کے ساتھ تذکرہ مناسب ہے۔

شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم نے اپنے والد شیخ ابراہیم الکردی سے علمِ احديث کی تحصیل کی اس کے بعد شیخ حسن عجمی سے زیادہ تر استفادہ کیا، اس کے بعد احمد نخعی، شیخ عبداللہ بصری سے شامل نبوی، اور سند امام احمد دوہینے سے کم میں پڑھی، حرمین میں آنے والے علماء سے استفادہ کرتے رہے، شیخ عبداللہ لاہوری سے ملا عبدالحکیم سیالکوٹی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی کتابوں کی روایت کی اجازت پائی، شیخ سعید کوکبی سے بعض کتب عربیہ اور فتح الباری کا ایک ربع پڑھا۔

* ایانہ الجہنی میں علامہ محسن بن یحییٰ ترائینی نے لکھا ہے کہ شیخ ابوطاہر کہا کرتے تھے کہ شیخ ولی اللہ مجھ سے لفظ کی سند لیتے ہیں اور میں ان سے حدیث کے مطالب میں استفادہ کرتا ہوں اپنی اجازت میں بھی ایسا ہی لکھا ہے۔

شیخ ابوطاہر (محدث کبیر ہونے کے باوجود) صوفیہ کے بڑے معتقد اور ان پر تنقید کرنے سے محترز تھے شاہ صفا فرماتے ہیں کہ میں شیخ ابوطاہر سے رخصت ہونے گیا تو انھوں نے یہ شعر پڑھا۔

لست كل طريق كنت أعرف إلا طريقاً يؤدِّي إلى بعد

(میں چلنے کا ہر راستہ بھول گیا سوائے اس راستہ کے جو آپ کے گھر تک پہنچاتا ہے)

۱۔ شاہ صاحب نے "اسان العین" میں ان کا لقب عجی لکھا ہے، جو غالباً طباعت کی غلطی ہے، تذکرہ کی عام کتابوں میں ان کو ابجیمی (تصغیر کے ساتھ) یاد کیا گیا ہے (ملاحظہ ہو زر کلی کی الاعلام جلد ۲ ص ۲۲۳) ۲۔ اسان العین ص ۱۱۱

۳۔ ایانہ الجہنی فی اساتذہ شیخ عبداللہ بنی، مجموعہ کشف الانوار عن رجال آلہ الثار، بر حاشیہ مطبوعہ دارالاشاعت، بیروت، دہرہ

یہی جواب شاہ صاحب کا بھی تھا، شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں کہ میرے والد صاحب جب مدینہ طیبہ سے رخصت ہونے لگے تو استاد محترم سے عرض کیا اور وہ یسین کر خوش ہوئے کہ میں جو کچھ پڑھا تھا سب بھلا دیا، سوائے علم دین و حدیث کے۔

شاہ صاحب کی بعد کی زندگی اور مشاغل نے جس کی تفصیل آئندہ اوراق میں آئیگی اس کی تصدیق کر دی کہ انھوں نے جو کچھ کہا تھا اس کو کر کے دکھا دیا۔ ”مَنْ الْمُؤْمِنِينَ بِرَجَالٍ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ“ (سورۃ الاحزاب ۲۳۰)

رمضان ۱۱۲۵ھ میں شیخ ابوطاہر نے اس دار فانی سے رحلت فرمائی، گویا شاہ صاحب کی مدینہ طیبہ سے روانگی کے کچھ عرصہ اور ان کے دہلی پہنچنے کے ڈیڑھ دو مہینے بعد ان کی وفات ہوئی، اور شاہ صاحب کی آمد ہندوستان کے بعد ان کو افادہ و تربیت کا بہت مختصر وقت ملا۔ ”وَذَلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ“

ان کے تذکرہ میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ان کے والد شیخ ابراہیم کورانی نام ابن تیمیہ کی طرف سے مدافعت کیا کرتے تھے، علامہ سید نعمان خیر الدین آلوسی بغدادی اپنی مشہور کتاب ”جلاء العینین فی محاکمۃ الاحمدین“ میں لکھتے ہیں :-

وكان سلفي العقيدة ذاباعن	وہ سلفی العقیدہ تھے، شیخ اسلام ابن تیمیہ
شيخ الاسلام ابن تيمية وكذا	کی طرف سے مدافعت کرتے تھے،
يذب عما وقع في كلمات	اسی طرح سے ان صوفیہ کے ان الفاظ
الصوفية مما ظاهرة الحلول	کی تاویل کرتے تھے، جن سے ظاہر طور پر

لمحفوظات حضرت شاہ عبدالعزیز ص ۹۱ ۱۱۵ انسان العین ص ۱۱۱

۱۱۵ ولادت ۱۱۲۵ھ وفات ۱۱۲۵ھ شیخ ابراہیم اشہی سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں۔

اقبال اتحاد أو العینۃ۔ حلول واتحاد یا عنیت کا اظہار

ہوتا تھا۔

اس سے نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ شیخ الاسلام کی کتابوں سے تعارف ان کی حمایت و مدافعت کا جو اظہار شاہ صاحب کی تحریروں سے ہوا، نیز اس تطبیقی رجحان میں جو شاہ صاحب کی خاندانی روایت و وراثت تھی، شیخ ابوطاہر کی گفتگو کا بھی اثر اور حصہ ہوگا، جس کا رجحان انھوں نے اپنے والد ماجد شیخ ابراہیم کورانی سے وراثتاً پایا ہوگا۔

شاہ صاحب کے دوسرے شیخ جن سے شاہ صاحب کو اجازت حاصل ہوئی، شیخ تاج الدین قلعی حنفی مفتی مکہ تھے، حدیث میں ان کی اکثر تعلیم شیخ عبداللہ بن سالم مصری سے ہوئی، صحیحین شیخ عجمی سے پڑھی، اور ان سے اجازت مطلقہ حاصل ہوئی، ان کو شیخ احمد غلی وغیرہ سے بھی اجازت ہے، شاہ صاحب نے تین روزانہ کے درس بخاری میں شرکت کی، کتب ستہ کے اطراف اور موطا کا ایک حصہ، مسند داری، امام محمد کی کتاب الآثار اور موطا ان سے سنی، شیخ نے ان سب کتابوں کی اہل مجلس کو اجازت دی، شاہ صاحب بھی شریک تھے، شاہ صاحب نے حدیث مسلسل بالاولیۃ بھی ان سے سنی ہے۔

شاہ صاحب نے حافظ حدیث اور جامع کمالات شیخ محمد بن محمد بن سلیمان المغربی کے (جو نسخہ بتونہ کے مالک تھے) اور اس کو استنبول سے حرین میں لائے تھے، اور جمہور اہل حرین کے استاد تھے) صاحبزادہ شیخ محمد و فدا اللہ سے بھی اپنے والد کی تمام مرویات کی اجازت حاصل کی، اس کے علاوہ موطا یحییٰ بن یحییٰ کا ما ان سے پڑھی اور اس کی اجازت لی ہے۔

شاہ صاحب زمانہ تعلیم ہندوستان میں اپنے زمانہ کے امام حدیث شیخ محمد فضل سیالکوٹی کے درس میں بھی شریک ہوئے تھے، جنہوں نے حدیث کی سند شیخ سالم بن عبد اللہ بصری سے حاصل کی تھی، اور ان سے حدیث پڑھی تھی، وہ شیخ عبد الاحد ابن خواجہ محمد سعید سرہندی کے بھی شاگرد تھے، غازی الدین خاں کے مدرسہ میں دہلی میں حدیث کا درس دیتے تھے، حضرت مرزا منظر جان جاناں نے حدیث و سلوک دونوں میں ان سے استفادہ کیا۔
اس سفر میں آپ کے ماموں شیخ عبید اللہ بارہوی اور ماموں زاد بھائی شیخ محمد عاشق پھلتی (مصنف القول الجلی) بھی ساتھ تھے، شاہ صاحب نے اپنی والدہ ماجدہ کی خبر و قاتل اسی سفر میں واپسی پر کہ منظرہ میں سنی۔

شاہ صاحب کے لئے فن حدیث کے خصوصی ذوق، حرمین میں اس کی تدریس و اتاعت کے آسان مواقع اور وہاں بیٹھ کر مختلف ممالک سے آنے والے طالبین علم اور علماء کو مستفید کرنے کا امکان، پھر مجاورت بیت اور جوار نبوی کی برکت و سعادت اور ہندوستان کے غیر یقینی حالات، سلطنت اسلام کے اکھڑتے ہوئے قدم، اور غیر ملکی طاقتوں کے روز افزوں تسلط کا علم، حجاز میں مستقل قیام و ہجرت کی نیت کے قوی اسباب و محرکات تھے، اور نہ صرف اس کے جواز کے دلائل بلکہ دینی و علمی مصالح کی تائید بھی فراہم کرتے تھے، لیکن آپ نے ہندوستان کی واپسی کا وہ فیصلہ کیا جس میں اللہ تعالیٰ نے وہ خیر مقدر فرما رکھی تھی، جس کا آپ کے تجدیدی و اجتہادی کارنامہ میں ظہور ہوا، اور اس بشارت نبوی کا تحقق جو آپ کو مدینہ طیبہ کے قیام میں حاصل ہوئی تھی۔

ان مراد الحق فیک ان یجمع خدا کا ارادہ ہو چکا ہے کہ تمہارے

شعلا من شمل الأمتا المرحومة ذریعہ امت مرحومہ کی ایک خاص
بدلت۔ شہزادہ بندی ہو۔

شاہ صاحب کے نہ صرف اپنے بارے میں، بلکہ اپنے خواص اصحاب کے بارے میں بھی
رجحان ہی تھا کہ وہ ہندوستان کو اپنی سرگرمیوں اور علمی و دینی خدمات کا مرکز بنائیں،
جس ملک پر ان کے اسلاف نے اپنی بہترین علمی و دینی صلاحیتیں اور توانائیاں صرف کیں
اور جس نے ہر دور میں محقق و عارف پیدا کئے، اور اس کو مستقبل میں علم حدیث، اور دوسرے
علوم دینی کا مرکز بنانا تھا، آپ کے ایک تلمیذ خاص مخدوم معین الدین سندھی نے حجاز
جا کر جب وہیں رہ جانے کا ارادہ ظاہر کیا، تو شاہ صاحب نے ان کو اس سے منع کیا
اور لکھا:۔

أما عزم ترك الرجوع إلى	جہاں تک وطن کی طرف مراجعت
الوطن فلا تستبدّ وایہ ہستی	نہ کرنے کے ارادہ کا تعلق ہے، تو ابھی
یشرح الله صدرکم أو صدر	اس بارے میں قطعی فیصلہ اور اس پر
رجل لکمکم۔	اصرار نہ کیجئے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ
	آپ کا یا آپ کے کسی خاص تعلق
	والے کا شرح صدر نہ فرمادے۔

شاہ صاحب کا درس حدیث

شاہ صاحب نے حجاز سے واپس آنے کے بعد اپنے والد صاحب کے مدرسہ رحیمہ میں

۱۱ فیوض الحرمین، مطبع احمدی، دہلی ۱۳۶۰ء۔ حیات و ملی (مکتوبات حضرت شاہ ولی اللہ صاحب)

(المکتوب العاشر) ۱۳۶۰ء مطبوعہ مطبعہ رحیمہ ۱۳۶۰ء۔

جو اس وقت پرانی دلی میں اس محل میں جواب منہدیاں کہلاتا ہے واقع تھا اور اس شروع کر دیا لیکن
چند ہی دنوں میں اطراف و اکناف سے طلباء کھینچ کھینچ کر پہنچنے لگے اس وقت یہ جگہ ناکافی ثابت
ہوئی الشرح لے نے یہ سعادت (بہت سی بے توفیقوں اور کمزوریوں کے ساتھ) محمد شاہ بادشاہ
کے مقدس رکھی تھی اس نے شاہ صاحب کو شہر میں بلیک عالی شان کا دے کر شہر میں بلایا اور آپ نے
وہاں درس شروع کر دیا، مولوی بشیر الدین لکھتے ہیں:-

”یہ مدرسہ زمانہ میں نہایت عالی شان اور خوبصورت تھا اور بڑا دلدار معلوم
کھا جاتا تھا، قدرت تک وہ اپنی اصلی حالت پر قائم تھا، فصد میں مکانات لوٹ
لے گئے، کڑی تخی تک لوگ اٹھا لے گئے“

مولوی صاحب مزید لکھتے ہیں:-

”اب متفرق لوگوں کے مکانات اس جگہ بن گئے ہیں، مگر محمد شاہ عبدالعزیز صاحب
کے مدرسہ کے نام سے آج تک پکارا جاتا ہے“

شاہ عبدالعزیز صاحب کے ملفوظات میں ایک جگہ اس مدرسہ کی مسجد کا تذکرہ ہے
شاہ صاحب نے فرمایا:-

درآں ہنگام ہنگام بیگانہ بیار و اولیاء	(میری ولادت کے وقت) بہت سے
بیارانیاں ان والہا جہل شاہ	بنگ و اولیاء جو والدہ ماجدہ کے احباب
محمد عاشق و مولوی نور محمد غیر متکلف	و خواص میں سے تھے مثلاً شاہ محمد عاشق
مسجد ہزامی بودند	و مولوی نور محمد غیر اس مسجد میں متکلف ہوا کرتے تھے۔

۱۔ دارالحکومت دہلی جلد ۲ صفحہ ۲۸۶ مؤلف مولوی بشیر الدین۔

۲۔ ملفوظات شاہ عبدالعزیز صاحب (فارسی) صفحہ ۱۱۱ مطبع مجتبیٰ، میرٹھ

مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب مصنف "نزهۃ الخواطر" نے ۱۳۱۳ھ میں دہلی اور اس کے اطراف کا سفر کیا تھا، ۲۶ رجب کے روز نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:-

"میاں سید نیر حسین صاحب کے درس سے آنے کے بعد میں نے ارادہ کیا کہ حضرت کانا دہوئی النکل، مقتدائے ارباب تمیز شاہ عبدالعزیز صاحب ریح الشروق کے مدرسہ کی زیارت کروں جس میں ہمارے بزرگوں نے کیے بعد دیگرے استفادہ کیا ہے اور جس کی خاکروبی کو فخر و سعادت سمجھا ہے، یہاں سے جامع مسجد اور اس کے آگے چلتی قبر تک گیا، چلی قبر سے دور راستے ہیں ایک داہنے ہاتھ کو وہ سید صاحب خانقاہ کو گیا ہے، دوسرے بائیں ہاتھ کو اس راستہ پر بہت دور تک چلا گیا، آگے بڑھ کر بائیں ہاتھ کو کوچہ فولاد خاں کو سڑک گئی ہے وہ سید صی کلان محل تک چلی گئی ہے، کلان محل میں ہمارے شیخ المشائخ مولانا و مقتدانا رحمہ اللہ تھے کا مدرسہ ہے اس کی حالت کو دیکھ کر خاویہ علی غرور شہاء قال ائی یحییٰ ہذی اللہ بعد موتہا^۱ کی آیت یاد آئی، اللہ اللہ کیا کارخانہ قدرت کی نیرنگیاں ہیں ایک وہ دن تھا کہ عرب و عجم کے لوگ اس مدرسہ میں رہتے تھے اور فائدہ حاصل کرتے تھے اور آج اس کی یہ حالت ہے کہ ویران اور خراب پڑا ہے کوئی رہنے والا نہیں ہے۔"

پھر اسی خاندان کی ایک یادگار مولوی سید ظہیر الدین احمد صاحب کی روایت نقل کی جاگے

۱۔ اس جگہ مولانا نے اپنے خاندان حسنی قطبی کے متعدد بزرگوں کے نام لکھے ہیں، جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے وقت سے حضرت شاہ عبدالعزیز کے وقت تک یہاں آتے اور استفادہ کرتے رہے۔

۲۔ اس سے مراد حضرت شاہ غلام علی صاحب کی خانقاہ ہے اس محل کو لب شاہ البانخیر مارگ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

منہدیوں میں جہاں ان حضرات کے مزار ہیں، وہاں مدرسہ بھی تھا، شاہ عبدالرحیم صاحب کے بعد شاہ ولی اللہ صاحب نے شہر میں تشریف لائے یہ مدرسہ ان کو دیا گیا اور وہ یہیں رہ پڑے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صفا کی زبانی حضرت شاہ صفا کے بعض خصائص و معمولات

افسوس ہے کہ کوئی معاصر تذکرہ، سفرنامہ یا روزنامہ ایسا سامنے نہیں ہے جس سے شاہ صفا کے خصائص و معمولات، نظام الاوقات اور نشست و برخاست کے حالات تفصیل سے معلوم ہوں۔ ملفوظات حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب (فارسی) میں کہیں کہیں کچھ اشارے آئے ہیں۔ فرمایا کہ میں نے اپنے والد ماجد کا جیسا قوی الحفظ نہیں دیکھا، سننے کا انکار تو نہیں کر سکتا، لیکن شاہدہ میں نہیں آیا، علوم و کمالات کے اسوا ضبط اوقات میں بھی اپنی مثال نہیں رکھتے تھے، اشراق کے بعد جو نشست رکھتے تو دوپہر تک نہ زانو بدلتے نہ کھاتے نہ تھوکتے، ہر فن میں ایک آدمی کو تیار کر دیا تھا، اس فن کے طالب کو اسی کے سپرد فرماتے اور خود بیان حقائق و معارف اور ان کی تدوین و تحریر میں مصروف رہتے، حدیث کا مطالعہ اور درس فرماتے تھے، جس چیز کا کشف ہوتا تھا اس کو لکھ لیتے تھے، بیمار بہت کم ہوتے تھے، مجدد بنڈگوار اور عم محترم (جو طبیب بھی تھے) لوگوں کا علاج کرتے تھے والد صفا نے اس شغل کو موقوف کیا، البتہ طب کی کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے، طبیعت میں بچپن سے لطافت و لطافت تھی، اشعار صوفیانہ کم پڑھتے، کبھی کبھی ضرورت کوئی شعر پڑھتے۔

۱۔ دہلی اور اس کے اطراف مطبوعہ انجمن ترقی اردو ص ۶۷ ۲۔ کتاب کے طابع و ناشر محمد بشیر الدین صدیقی صاحب

کو جامع ملفوظات کا مسودہ کی بوسیدگی و کرم خوردگی کی وجہ سے نام نہیں معلوم ہو سکا، لیکن کتاب میں ایسی داخلی

شہادتیں موجود ہیں کہ ان ملفوظات کی نسبت میں کسی شک کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ ۳۔ ملفوظات ص ۱۱

۴۔ ایضاً ص ۴ ۵۔ ایضاً ص ۵ ۶۔ ایضاً ص ۵ ۷۔ ایضاً ص ۵

وفات

بالآخر اس بیش قیمت و بابرکت مدت حیات کے جس کا ایک ایک لمحہ قیمتی، اسلام اور مسلمانوں کے لئے مفید اور احیاء سنت، قرآن و حدیث کی نشر و اشاعت، تعلیم و تربیت، یاد الہی اور اعلاء کلمۃ اللہ کی فکر میں مصروف تھا، خاتمہ بالخیر کا دن آگیا جس سے "کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ" کے اعلان و وعدہ کے مطابق نہ کوئی مبی مستثنیٰ ہے نہ کوئی ولی نہ مجدد نہ مجاہد اللہ شروع ہوا تھا، محرم کی آخری تاریخ تھی کہ یوم موعود آپہونچا، اور حضرت شاہ صاحب نے مختصر علالت کے بعد بائیس سال کی عمر میں اس دار فانی کو خیر باد کہا، اور جان جان آفریں کے سپرد کی۔

چسیت ازیں خوب تر در ہمہ آفاق کار

دوست رسد نزد دوست یار بہ نزدیک یار

کسی تذکرہ میں علالت اور واقعہ وفات کی تفصیلات نہیں ملتی، ناچیز مصنف کے لئے یہ بات قابل فخر و شکر ہے کہ اس سلسلہ میں جو کچھ معلومات و تفصیلات ملتی ہیں ان کا واحد ذریعہ رائے بریلی کے سادات حسنی قطبی اور خاندان علم الہی کے ایک ممتاز فرد سید محمد نعمان حسنی کا مکتوب ہے، جو انھوں نے اسی خاندان کے دوسرے بزرگ و نامور فرد حضرت شاہ سید ابوسعید کے نام شاہ حسنی کی وفات کے عین بعد وہلی سے لکھا تھا، کاتب حضرت سید محمد نعمان مجاہد کبیر

لہ آل عمران ۱۸۵؎ لغو ظا شاہ عبدالعزیز اردو میں شاہ حسنی کی زبانی بیان کیا گیا ہے کہ عمر شریف اکٹھ برس چار ماہ کی ہوئی، جو تھی سوال مسئلہ کو پیدا ہوئے اور انتیسویں محرم ۱۱۸۸؎ کو وفات پائی، وفاق تاریخ امام اعظم دین ہے (لغو ظات ۱۸۵؎ مطبوعہ مطبعہ ہاشمی میرٹھ) سید محمد نعمان حضرت شاہ علم الشریعہ کے پوتے ہیں ان کا شجرہ اس طرح ہے، نعمان بن نور بن ہدی بن علم الشریعہ حسنی، حسنی خاندان کے وطن قدیم نصیر آباد ضلع رائے بریلی میں ولادت ہوئی کچھ عرصہ مقامی علماء سے تعلیم حاصل کی پھر لکھنؤ جاکر مولانا عبدالشریف ٹھوکی درسیہ کی تکمیل کی، پہلے حضرت شاہ علم الشریعہ کے عالی نسبت صاحبزادہ حضرت سید محمد سے بیعت تربیت حاصل کی (باقی صفحہ ۱۱۹ پر)

حضرت سید احمد شہیدؒ کے حقیقی چچا اور کتب الیہ (حضرت شاہ سید ابوسعیدؒ) حضرت سید مصطفیٰ کے حقیقی نانا تھے، حضرت شاہ ابوسعیدؒ شاہ صاحب کے مریدین اور اصحاب بااختصاص ہیں تھے، جن کے نام شاہ صاحب کے خود متعدد مکاتیب موجود ہیں، یہ خط مجسم خاندانی مجموعہ مکاتیب کتب المعارف (قلمی) سے نقل کیا جاتا ہے۔

الحمد لله على الصفاء والرضا	باسمہ سبحانہ تعالیٰ شانہ۔ انشاء تعالیٰ
على القضاء والصبر على المصيبة	لا شکہ چچا اس کی نعمتوں اور تقدیر
والبلاء والعلاء والسلام على	پر راضی رہنے اور بلاء و مصیبت میں
سيد الشاكرين ونبذة الراضين	صبر کی توفیق پر صلوة و سلام ہو سید
وقدوة الصابرين شفيح المذنبين	اشاکرین ونبذة الراضين قدوة
ورحمة للعالمين محمد وآله وصحبه	الصابرين شفيح المذنبين اور رحمة للعالمين
الطيبين الطاهرين وعلى ورثته	محمد رسول اللہ اور ان کی آل و اصحاب
العلماء الراغبين والاولياء	پر جو طیب طاہر تھے اور آپ کے وارث
المُرشدین إلى يوم الدين	علمائے راسخین اور اولیائے مرشدین پر
بعد هذا اگر شرح سگواری و بیان	قیامت تک اس کے بعد عرض ہے کہ

باقی ص ۱۲۰ کا) ان کے انتقال کے بعد ان کے عالی مرتبت صاحبزادے حضرت سید محمد علی عارف شاہ شامل صفا سے استفادہ اور اخذ فیض کیا ان کے انتقال کے بعد خدمت سفر بمانہ اور حضرت شاہ طہطاہر کے حلقہ نامدار اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب سے فیض و برکت حاصل کئے، خوش قسمتی سے حضرت شاہ صاحب کی وفات کے وقت موجودہ داران کی توجہ تاحاضر سے مظلوم شاہ صاحب کی وفات کے بعد فراموش کیا گیا، حج و زیار کے بعد بیت المقدس اور مدینہ النہیل (حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا مسکن و مدفن) کا رخ کیا، راستہ میں وقت موجود آپہنچا، اور سرزمین انبیاء بیت المقدس میں مدفون ہوئے، یہ واقعہ ۱۲۹۳ھ کا ہے (زیر تہہ الملاحظہ ۱۲۹۵ھ)

عزای و ماتم داری واقوہ ارتحال امام
سنت و جماعت و مقتدای ارباب کرامت
پیشوای عرفاء زماں سرآمد اولیاء جہاں
قطب عالمی محبوب سبحانی سیدنا و مرشدنا
ولی الشرفاروقی مجدد مائتہ دوم الف ثانی
رضی الشرعہ ازین عالم پر لال محبوب
دارالافضال بوجہ مال ذوالجلال بر صفحہ
روزگار ثبت یاد بہر ائمہ اندھاں مافریبا
عز دکان سزدہ

امام اہل سنت و جماعت مقتدائے
ارباب کرامت پیشوائے عرفائے
زماں سرآمد اولیائے جہاں
قطب عالمی محبوب سبحانی سیدنا
و مرشدنا شاہ ولی الشرفاروقی
مجدد قرین دوازدهم رضی الشرعہ
کے واقوہ ارتحال کی تفصیل اگر
صفحہ روزگار پر ثبت ہو تو ہم مسکینوں
کے حسب حال ہے

چہ بخاطر رسید یا مرا
کہ بہر جاں کشیکار مرا
وامصیبتاہ اس چہ بے نیازی و نیزنگ
سازی است کہ پھنیں روح مقتدای
رائد کمر وقت بھر شصت و دو سالگی نداء
از جمعی الی ربک راضیہ مَرْضَیَّۃ
(الفجر-۲۸) دادند و اصحاب بدع
ضلال را عشرت آگین نمودند و اصحاب
دین را اندوہ گیس کردند یعنی بتاریخ
سلح محرم الحرام ۱۱۶۶ھ یک ہزار

چہ بخاطر رسید یا مرا
کہ بہر جاں کشیکار مرا
وامصیبتاہ! اللہ تعالیٰ کی عجیب
شان بے نیازی ہے کہ ایسے مقتدی کی
روح کو صرف ۶۲ سال کی مختصر عمر میں
از جمعی الی ربک راضیہ مَرْضَیَّۃ
(الفجر-۲۸) کی پکار سادی گئی اور اہل
بدعت و ضلالت کو خوش اور دیندار
کو اندوہ گیس کر دیا گیا یعنی محرم کی آخری
تاریخ ۱۱۶۶ھ شنبہ کے دن ظہر کے

وکھدو ہفتاد و شش یوم السبت
 وقت الظہر یا مبراہمی برحق روح طہر
 انحضرت از قالب عنصری مفارقت
 نمودہ با روح علیین نشین ساختہ
 و بمقتضائی "وَلِلْآخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِ
 مِنِ الْاُولٰی" وَاَسْوَفُ لِيُطَيَّرَ
 رَبُّكَ فَتَرَوْنٰی" (الضحیٰ - ۴۲)
 اسی لقاء رفیق اعلیٰ دران پرداختہ
 اما حالت تمام اصحاب و احباب
 از مفارقت آنجناب چنان تباہ و
 خراب بود کہ از حیز تحریر سیرت
 یقینیکہ استیلاء و کاشش آلام
 بر تنبان مہجوران مستہا، افتہ
 باشد رضینا بقضاء اللہ اناللہ
 وانا الیہ راجعون رحمۃ اللہ
 علیہ و علی من بینناہ یتوسلون
 آمیم براینکہ از فضل الہی و تصدق
 جناب حضرت رسالت پناہی
 صلے اللہ علیہ و علی آلہ حباذہ
 وقت حق تعالیٰ کے حکم سے حضرت
 کی روح پاک نے قالب عنصری کو
 چھوڑ کر روح علیین پر اپنا نشین
 بنالیا۔۔۔۔۔ تمام اصحاب و احباب
 کی حالت آنجناب کی فرقت سے
 ایسی تباہ و خراب تھی جو احاطہ
 تحریر سے باہر ہے اناللہ وانا
 الیہ راجعون اللہ کی رحمت
 آپ پر اور آپ کے توسلین پر
 نازل ہو، مقصد تحریر یہ ہے کہ
 فضل الہی اور حضرت رسالت
 پناہی صلے اللہ علیہ و علی آلہ وسلم
 کے صدقے میں حضرت کی کشش
 نے اپنی طاقت کھینچی، ذی قعدہ کے
 مہینے میں بڑھانہ جا کر آتاں بوسی
 کی سعادت حاصل کی اور جناب
 قدسی القاب کی صحبت شرف ہوا
 اور اپنے حال پر حضرت کی بلند تہمتا
 میں بہت اضافہ دیکھا، وہاں سے

حضرت ایشان علیہ الرحمۃ این مامی
 مابوسی خود کشید بشہر ذیقعد و بدھا
 رفتہ بتقبیل آستانہ متبرکہ استسعاد
 یافتہ و بلا زمت جناب قدسے
 القاب شرف گردید و بحالات خود
 توجہات عالیات بیش از بیش یافتہ
 از آنجا حضرت ایشان بہت تداوی
 و تدابیر دماہ ذی الحجۃ تا یئح ہنم بشہر
 دہلی بکان بابا فضل الشہر و مسجد روشن
 الدولۃ بچوک سعد الشہر خاں نزول
 فرمودند از فرزند لک گرامی میاں محمد صفا
 و میاں عبدالعزیز و میاں رفیع الدین
 ظلمہم العالی و میاں محمد عاشق صاحب
 و میاں اہل الشہر صاحب و میاں محمد فائق
 و میاں محمد جواد و محمد امین و غیرہ را
 حاضر خدمت بودند و اس غلام
 و میر محمد عتیق و میر قاسم علی کہ مد وقت
 آخرین شرف انتساب بیعت یافتہ
 ہر روز بشرف حضور پلور و خدمت گاہی

حضرت دوا علاج کے سلسلے میں
 ۹ رزی الحجہ کو دہلی میں بابا فضل الشہر
 کے مکان پر مسجد روشن الدولہ کے
 احاطے میں (جو چوک سعد الشہر خاں
 میں ہے) مقیم ہوئے فرزند لک گرامی
 میں سے میاں محمد صاحب میاں عبدالعزیز
 و میاں رفیع الدین ظلمہم العالی (اور
 مریدین متعلقین میں سے) میاں
 محمد عاشق صاحب میاں محمد فائق،
 میاں محمد جواد اور خواجہ محمد امین وغیرہ
 احباب حاضر خدمت تھے یہ غلام
 اور میر محمد عتیق اور میر قاسم علی
 (جنہوں نے حضرت سے ان کے
 آخری ایام میں شرف بیعت
 حاصل کیا تھا) ہر روز حاضری
 و خدمت گزاری کی سعادت حاصل
 کرتے تھے، مشفق من ایہ آخری
 مجلس، عجب پر فیض مجلس تھیں،
 ملائکہ وار و ارح طیبہ کا برابر نزول

وسیلہ حضور و حضور سعادت اندوز
 می شمیم شفق این مجلس آخیز عجب
 بجلیے بود فیض دامن اہل ملکوت
 و نزول ارواح طیبہ ارکان عالم ناسوت
 میگردد و نفحات انس و رحمت رشتہ
 قدس و برکت بشال نزول غیث
 می بارید اکثر یاران اہل نسبت بوجہ
 صحیحہ خودی دریا فتند و احسرا اہل شتر
 و عرفاء لازال در ہر زمان می باشد
 اما این خنیر مرد با جمیعت اوصا حمید
 اعلم بکتاب سنت با جہاد مطلق و در
 حقائق و معارف بحر ملاح و در علوم
 دیگر محض قیاض پس از صد ہا سال
 بوجدی آید

محسوس ہوتا تھا، نفحات انس و رحمت
 اور رشحات قدس و برکت بارش
 کی طح بہتے تھے اکثر اہل نسبت
 احباب اپنے وجدان صبح سے
 اس کو محسوس کرتے تھے و احسرا
 اہل الشرا و عارفین ہر زمانے
 میں ہوتے ہیں، مگر ایسا مرد حقانی
 جو ایک طرف اوصاف حمیدہ کا
 جامع ہو دوسری طرف کتاب
 و سنت کے علم میں مجتہد مطلق کا
 درجہ رکھتا ہو، حقائق و معارف
 کا بحر ملاح اور دیگر علوم کا
 دریائے قیاض ہو کہیں حدیث
 میں پیدا ہوتا ہے۔

دور ہا باید کہ تا یک مرد متادل شود
 بازیدانہ خراساں یا ہسلانندین
 یاراں را می باید کہ مصابرت و خشکیاں
 و زیدہ نسبت رابطہ حضرت شیخ را
 بنجاح ہمت در تصور نہادہ بمراقبات

دور ہا باید کہ تا یک مرد متادل شود
 بازیدانہ خراساں یا ہسلانندین
 دوستوں کو چاہیے کہ صبر و خشکیاں
 اختیار کر کے حضرت شیخ کی نسبت رابطہ کو
 پوری ہمت کے ساتھ تصور میں رکھ کر مراقبات

معلوم مشغول یا خدا نشا و اثر تھلا
معلوم میں مشغول ہوں، انشاء اللہ
فیض صحبت و رابطہ برابر خواہ بود
فیض صحبت و رابطہ برابر جاری
کما فیض من بعض و سائلہ
رہے گا جیسا کہ حضرت کے بعض
رحمۃ اللہ علیہ۔
رسانے معلوم ہوتا ہے۔
واحد لہ رمضانندی حضرت صاحب
احمد لہ کہ حضرت قدس سرہ کی آپ سے
قدس سرہ ازاں صاحب و تو جہا عایت
رضانندی اور آپ کے حال پر تو جہا عایت
بہ حال ایشان زیادہ از حد بیان یافتہ
اکثر اوقات استفسار احوال سامی
میر محمد و اجرای غارتگری لایا
جنگلہ آپ کے عین ہر یہ پہنچے اور قدر
و سیدنا آقا و عین رفیع و انطفاء
کی آگ سے آپ کے قدم گرای سے فرومجا
یا فتن التہاب ہمیں بسبب قدم گرای
از زبان دندان مودی ساختند و
تھلا منظور قہای آخوین بغیر منیر لوبہ
تھا حضرت کے دل میں تھی، کیونکہ
باشد مرۃ فرمود کہ میر ابو سعید ملای
ایک بار فرمایا کہ میر ابو سعید ملای کا
آمدن داند اگر نہ و بر سبب بہتر
ارادہ رکھتے ہیں اگر جلد آجائیں تو
باشد۔
بہتر ہو۔

صاحب من ظاہر صحبت ایشان
صاحب من! حضرت کی ظاہری
عباستار کشیدہ تصنیفات آنحضرت
صحبت سے تو اب محرومی ہے،

لہ اس میں جس واقعہ کی طرف اشارہ ہے اس کی تفصیل معلوم نہ ہو سکی۔

قریب نبود بل زیادہ در علوم دین
 از تفسیر و اصول و فقہ و کلام و حدیث
 مثل حجۃ الشریبۃ و اسرار فقہ و منہج
 و از لفظ الخفا عن خلافۃ الخفاء
 و ترجمہ قرآن کہ ہر واحد قریب بہ شاد
 و نود و کلان کجیم خواہد بود و دیگر مایل
 در حقائق و معارف مثل لطائف اللہ
 و معانی و فیوض المحرمین و انفاس
 العارفین و غیر ہم کہ نشان از صحبت
 و برکت خدمت یزدہندی باید کہ
 عزیمت بریں آزند کہ ہر سہ را
 نویسانند را کج نمایند باندک
 توجہات سرانجام خواہد یافت
 و مثل این چنین تصنیفات و اثر
 اعلم در اسلام تصنیف شدہ
 یا شدیانہ چنانچہ ارباب بصیرت
 عبرت یافتہ اعتراف دانند و کلام
 ایشان در ہر باب کہ نوشتہ اند
 البتہ حضرت کی تصنیفات کی تعداد
 نوشتہ بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے
 علوم دین یعنی تفسیر و اصول و فقہ و
 کلام اور حدیث میں حجۃ الشریبۃ و
 اسرار فقہ منہج و از لفظ الخفا عن
 خلافۃ الخفاء و اور ترجمہ قرآن کہ
 ان میں سے ہر ایک کی ضخامت انہی
 نوشتہ جز کی ہوگی حقائق و معارف
 دیگر مایل جیسے الطاف القدس ہمتا
 فیوض المحرمین اور انفاس العارفین
 و غیرہ جو حضرت کی صحبت و برکت کی
 نشاندہی کرتی ہیں ان کے بارے میں آپ
 ہمت کریں کہ ان سب کو لکھو اگر را کج
 کریں یہ کام تھوڑی سی توجہ سے انجام
 پا جائے گا۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ
 تاریخ اسلام میں ایسی کتابیں لکھی گئی ہیں
 یا نہیں جیسا کہ ارباب بصیرت ان کا
 اعتراف کرتے ہیں، حضرت نے

اصول است "اللهم ارزقنا
حلاوة منهم؟

یقیناً اس فقیر و دیگر صاحبزادہا
و یاران حضرت بلا خطہ فرط محبت
سامی بجانب حضرت اینست کہ بجز
شدن اس حادثہ عظیمہ جہت
فاتحہ رحمانیت و زیارت مرقد
مطہر را ہی این صوبہ خواہند شد
لہذا منتظر قدم ہستم اگر زود تشریف
بیارند باری بلاقات سامی سرور
الوقت شوم، و اگر توقف و آمدن
باشد اعلام نمایند کہ فقیر ہم عزم
مراجعت وطن دارد۔

و دیگر آنکہ میاں محمد عاشق صاحب
بعد سلام فرمودہ اند کہ میر ابو سعید
جیور ابنویند کہ ہر مکاتیب کہ حضرت
ایشان بجانب آن صاحب شرف
صدور یافتہ باشند نقل آنہا البتہ
بفریند کہ داخل مکاتیب نمودہ شود

جس مضمون پر بھی لکھا ہے وہ اصولی
حیثیت رکھتا ہے۔

اس فقیر اور صاحبزادگان اور حضرت
کے احباب کو (حضرت آپ کے غایت
تعلق کو دیکھتے ہوئے) یقین ہے کہ
آپ اس حادثہ عظیمہ کی خبر سنتے ہی
فاتحہ خوانی اور مرقد مطہر کی زیارت
کے لئے دہلی کے لئے روانہ ہو جائیں گے
اسی میں نظر قدم ہو گا اگر جلد تشریف لائیں
تو ملاقات سامی میں بھی خوش وقت
ہو جاؤں گا اگر آنے میں دیر ہو تو اطلاع
فرمائیں کہ فقیر بھی وطن واپسی کا ارادہ
رکھتا ہے۔

دوسری بات یہ کہ میاں محمد عاشق
صاحب نے بعد سلام کے فرمایا ہے کہ
میر ابو سعید کو لکھ دیجئے کہ آپ کے
نام حضرت کے جتنے بھی مکتوبات ہوں
ان کی نقل ضرور بھیج دین تاکہ انھیں
مکاتیب کے مجموعے میں داخل کیا جاسکے

از حضرت میاں اہل الشریعہ صاحب	حضرت میاں اہل الشریعہ صاحب
و دیگر یاران و صاحبزادہ اسلام اہم	دوسرے اجاب اور صاحبزادگان
باسم مطالعہ فرمایند و کیفیت ارتحال	کی طرف سے نام بہ نام سلام پہنچے
و وصال مرحوم منفوری غفران پناہ	بھائی محمد معین کی کیفیت
بھائی محمد معین ^{رحمۃ اللہ علیہ} صاحب	ارتحال و وصال کو میں نے حضرت
رحمۃ واسعۃ بجناب عالی حضرت	سے بڑھانہ میں عرض کر دیا تھا
صاحب قبلہ در مقام بڑھانہ عرض	حضرت نے ان کی روح کو
کردم فاتحہ بروحانیت خواندند	ثواب بخشا تھا، اور افسوس کا
و تاسفہا نمودند	اظہار کیا تھا۔

شاہ صاحب کی وفات ۲۹ محرم ۱۱۷۶ بروز شنبہ (۲۱ اگست ۱۷۶۲ء) بوقت ظہر ہوئی، جیسا کہ مکتوب مذکور الصدر سے معلوم ہوا، شاہ عبدالعزیز صاحب کے ملفوظ میں ہے۔

کہ درست نہم محرم وفات یافت	۲۹ محرم کو وفات پائی، آپ کی تاریخ
..... تاریخ و قیام اولاد امام اعظم	وفات اولاد امام اعظم دین اور

۱۔ سید محمد معین بن سید محمد ضیاء بن آیت اللہ بن شاہ علم الشریعہ حضرت شاہ ابوسعید صاحب کے علاقائی بھائی اور عمر میں بڑے تھے، ۱۱۷۶ء کی کسی تاریخ میں انتقال ہوا، ان کا سلسلہ اولاد خاندان میں چل رہا ہے۔
۲۔ مکتوب المعارف (فارسی) ص ۱۹-۲۰ (ظہر)

۳۔ ترجمہ از فارسی بقلم مولوی شمس تبریز خاں صاحب۔

دیگر ہائے دل روزگار رفتؔ ہائے دل روزگار رفتؔ سے
 بست نہم محرم وقت ظہرؔ نکلتی ہے ۲۹ محرم وقت ظہر
 وفات کا دن اور وقت تھا۔

مدفن

تدفین دلی دروازہ کے بائیں جانب اس مقام پر ہوئی، جو منہدیاں کہلاتا ہے،
 جس جگہ یہ قبرستان واقع ہے، یہاں کبھی حضرت شاہ عبدالرحیمؒ کے جد مادری شیخ عبدالعزیزؒ
 شکر بار کی خانقاہ تھی، اب بھی ان کا مزار اس سے کچھ فاصلہ پر ہے، بعد میں شیخ رفیع الدینؒ
 صاحب نے یہیں قیام اختیار کیا، خاندان ولی اللہی کے مکانات بھی اسی جگہ تھے، شاہ ولی اللہؒ
 صاحب نے اس جگہ قیام ترک کر کے اندرون شاہجہان آباد قیام اختیار کیا، یہیں منہدیوں
 لے صبح ہائے دلی روزگار رفتؔ ہے جس سے صحیح سند وفات نکلتا ہے (مقالہ مولوی نور الحسن راشد
 کاندھلوی، برہان جولائی ۱۹۸۳ء) ۱۵ محفوظات حضرت شاہ عبدالعزیزؒ، ص ۱۸ (مطبوعہ مجتہبی
 میرٹھ ۱۳۱۲ھ) ۱۶ سرسید احمد خاں "آثار الصنادید" میں لکھتے ہیں۔

۱۰ یہ ایک عمارت تھی، نیچے تو مکانات اور در سے بنے ہوئے تھے اور اوپر چاروں کونوں
 پر چار برجیاں تھیں، کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ عمارت کیا چیز بنی اور کب بنی تھی اور کس بنائی
 تھی، مگر عوام ان اس میں میسر ہوئے کہ کوئی نواب تھے کہ جناب حضرت غوث الاعظمؒ کی منہدیاں ہوا
 کرتے ہیں یعنی کچھویں کی ایک برجی اونچی سی بنا کر اوکاغذ سے منڈھ کر اس کو روشن کرتے ہیں۔
 ان نواب حسنا کے یہاں ہی ہندی روشن ہونے کی رسم تھی جب تک اس عمارت کا نام ہندیہ کے
 مشہور ہو گیا مگر یہ نہیں معلوم کہ وہ نواب کن تھے جنہوں نے ہندی بنائی تھی (آثار الصنادید ص ۵۱-۵۲)
 جن کھنڈوں سے

کے قبرستان میں شاہ صاحبؒ کے چاروں صاحبزادگان خود شاہ صاحبؒ کے والد محترم
 حضرت شاہ عبدالرحیمؒ کی قبور میں جن پر کتبے نصب ہیں جن میں ان کے سین و وفات
 ہیں ان حضرات کے علاوہ خاندان کے دوسرے افراد ذکر و انات کی قبریں ہیں،
 متصل مسجد ہے جس کے قرب و جوار میں بہت سے علماء و صاحبین اور خاندان
 ولی اللہی کے عقیدت مندوں کی کثیر التعداد قبریں ہیں جن میں اضافہ ہی
 ہوتا جا رہا ہے۔



بابِ خَم

شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے تجدیدی کارنامے
اصلاح عقائد و دعوت الی القرآن

شاہ صاحبؒ کے دائرۂ تجدیدی کی وسعت اور تنوع

شاہ صاحبؒ سے اللہ تعالیٰ نے تجدید و اصلاح امت، دین کے فہم صحیح کے احیاء، علوم نبوت کی نشر و اشاعت اور اپنے عہد و ملت کے فکر و عمل میں ایک نئی زندگی اور تازگی پیدا کرنے کا جو عظیم الشان کام لیا، اس کا دائرہ ایسا وسیع اور اس کے شعبوں میں اتنا تنوع پایا جاتا ہے جس کی مثال معاصر ہی نہیں دور ماضی کے علماء و مصنفین میں بھی کم نظر آتی ہے، اس کی وجہ (توفیق اور تقدیر الہی کے اسوا) اس عہد کے حالات کا تقاضا بھی ہو سکتا ہے، جو شاہ صاحبؒ کے حصہ میں آیا، اور وہ جامعیت، علوئے ہمت اور مخصوص تعلیم و تربیت بھی جو شاہ صاحبؒ کے خصائص میں سے ہے، اس سب کا نتیجہ تھا کہ شاہ صاحبؒ نے علم و عمل کے اتنے میدانوں میں تجدیدی و اصلاحی کارنامے انجام دیے کہ ان کے سوانح نگار اور اسلام کی تاریخ دعوت و عزیمت پر قلم اٹھانے والے کے لئے، ان کا احتواء اور ان سب کا تفصیلی و تحلیلی جائزہ لینا دشوار ہو گیا ہے اور جو اس کا ارادہ کرے اس کی زبان بے اختیار فارسی کے اس مشہور شعر کے ساتھ

شکوہ سنج ہو جاتی ہے۔

دامانِ نگر تنگ و گلِ حُسنِ تو بسیار

گلچینِ بہارِ تو ز داماںِ گلہ دارد

ہم ان کو اگر علیحدہ علیحدہ بیان کریں تو ان کے حسب ذیل عنوانات ہوں گے۔

۱۔ اصلاح عقائد و دعوت الی القرآن۔

۲۔ حدیث و سنت کی اشاعت و ترویج، اور فقہ و حدیث میں تطبیق کی دعوت و سعی

۳۔ شریعت اسلامی کی مربوط و مدلل ترجمانی اور اسرار و مقاصد حدیث و سنت کی

نقاب کشائی۔

۴۔ اسلام میں خلافت کے منصب کی تشریح، خلافت راشدہ کے خصائص اور اس کا

اثبات اور رد ورفض۔

۵۔ سیاسی انتشار اور حکومت مغلیہ کے دور احتضار میں شاہِ صاحبِ کامباہانہ و قائدانہ کردار۔

۶۔ امت کے مختلف طبقات کا احتساب اور ان کو دعوتِ اصلاح و انقلاب۔

۷۔ علمائے راسخین اور مردانِ کار کی تعلیم و تربیت جو ان کے بعد اصلاح امت اور

اشاعتِ دین کا کام جاری رکھیں۔

ہم سب سے پہلے اصلاح عقائد و دعوت الی القرآن کے عنوان کو لیتے ہیں کہ تجدیدِ دین

و اصلاح امت کا کام کسی دور اور کسی ملک میں بھی شروع کیا جائے تو اس کو اولیت حاصل ہوگی اور

اس کے بغیر احیائے دین و ملت کی جو کوشش بھی کی جائے گی وہ نقشِ بر آب اور عمارت

بے اساس ہوگی، قرآن نے انبیاء علیہم السلام کے واقعات و مکالمات سے اور مستند تاریخ

نے نامیینِ انبیاء اور علماء ربانین کے طرزِ عمل اور ترتیبِ کار سے اسی حقیقت کو ثابت کیا

اور قیامت تک یہ ہر اس اصلاح و تجدید کا دستور العمل رہے گا جس کا مزاج نبوی اور جس کا نظام قرآنی ہوگا۔

عقائد کی اہمیت

منصف یہاں پر اپنی ایک سابقہ تحریر کا اقتباس پیش کرنے پر اکتفا کرتا ہے۔

”اس دین کا سب سے پہلا امتیاز اور نمایاں شعار عقیدہ پر زور اور اصرار اور سب سے پہلے اس کا مسئلہ حل کر لینے کی تاکید ہے، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک تمام انبیاء کرام ایک عقین عقیدہ کی (جوان کو وحی کے ذریعہ ملتا تھا) دعوت دیتے اور اس کا مطالبہ کرتے رہے اور اس کے مقابلہ میں کسی مفاہمت یا دست برداری پر تیار نہ ہوئے ان کے نزدیک بہتر سے بہتر اخلاقی زندگی، اور اعلیٰ سے اعلیٰ اسلامی کردار کا حامل نیکی و صلاح، سلامت روی اور محفولیت کا زندہ پیکر اور مثالی مجسمہ خواہ اس سے کسی بہتر حکومت کا قیام، کسی صالح معاشرہ کا وجود، اور کس مفید انقلاب کا ظہور ہو، اس وقت تک کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتا جب تک وہ اس عقیدہ کا ماننے والا نہ ہو جس کو وہ لے کر آئے، اور جس کی دعوت ان کی زندگی کا نصب العین ہے اور جب تک اس کی یہ ساری کوششیں اور کاوشیں صرف اس عقیدہ کی بنیاد پر نہ ہوں، یہی وہ حد فاصل، واضح اور روشن خط ہے جو انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعوت اور قوی رہنماؤں، سیاسی لیڈروں، انقلابیوں اور ہر شخص کے

لے آرجے اس میں بڑا شبہ ہے کہ صحیح عقیدہ کی اساس کے بغیر ایسا ممکن بھی ہے۔

درمیان کھینچ دیا گیا ہے جس کا سر حشرہ فکر و نظر انبیاء کرام کی تعلیمات اور ان کی سیرتوں کے بجائے کوئی اور ہو۔

”حقیقت یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ جو علوم و معارف انسانوں تک پہنچے ہیں، ان میں سب سے اعلیٰ اور ضروری و اہم علم خدا تعالیٰ کی ذات، صفات اور افعال کا علم اور اس مخصوص تعلق کا تعین ہے جو خالق و مخلوق اور عبد و معبود کے درمیان ہونا چاہئے، یہ علم سب سے برتر و افضل علم ہے، اس لئے کہ اس پر انسانوں کی سعادت و فلاح دنیوی اور نجات اخروی موقوف ہے اور یہی عقائد و اعمال اور اخلاق و تمدن کی بنیاد ہے، اسی کے ذریعہ انسان اپنی حقیقت سے واقف ہوتا، کائنات کی پیمائی بوجھتا اور زندگی کا راز معلوم کرتا ہے، اسی سے اس عالم میں اپنی حیثیت کا تعین کرتا، اور اس کی بنیاد پر اپنے ہم جنسوں کے اپنے تعلقات استوار کرتا ہے، اور اپنے مسلک زندگی کے بارے میں فیصلہ اور پورے اعتماد و بصیرت اور وضاحت کے ساتھ اپنے مقاصد کا تعین کرتا ہے۔“

خصوصیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا اس امت کے ساتھ جو خصوصی رابطہ اور تائید و نصرت، رضا و محبت اور غلبہ و عزت کا جو ٹوکہ و وعدہ ہے، وہ محض عقائد صحیحہ ایمانی صفات و خصوصیات اور خاص طور پر خالص اور بے آمیز عقیدہ توحید کی بناء پر ہے ارشاد ہے:-

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا قَدْ أَنْتُمْ

الْعَاقِلُونَ إِنْ كُنْتُمْ

نہ کسی طرح کا غم کرنا اگر تم مومن (عادق)

۱۔ دستور حیات ص ۲۱-۲۲ کتاب میں آیات قرآنی اور انبیاء علیہم السلام کے اسوہ کا مدد سے اس کے شواہد

و دلائل پیش کئے گئے ہیں اور حدیث و سیرت کے واقعات سے اس کو مدلل کیا گیا ہے۔ ۲۔ ایضاً ص ۶

مُؤْمِنِينَ ۝ (آل عمران - ۱۳۹) ہو تو تم ہی غالب ہو گے۔

نیز کھلے لفظوں میں فرمایا گیا ہے:-

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ
وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ
فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفْنَا الَّذِينَ
مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ
دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ
وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ
أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ
بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ
فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝
(النور - ۵۵)

ہو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور
نیک کام کرتے رہے ان سے خدا کا
وعدہ ہے کہ ان کو ملک کا حاکم بنا دیگا
جیسا ان سے پہلے لوگوں کو حاکم بنایا
تھا، اور ان کے دین کو جسے اس نے
ان کے لئے پسند کیا ہے مستحکم و پائدار
کرے گا اور خوف کے بعد ان کو امن
بخشنے گا، وہ میری عبادت کریں گے
(اور) میرے ساتھ کسی اور کو شریک
نہ بنائیں گے اور جو اس کے بعد کفر کرے

تو ایسے لوگ بدکردار ہیں۔

انبیاء کے نائبین برحق، اور علمائے ربانی جو دین الشریک فطرت اور اس کے مزاج سے
واقف ہوتے ہیں، وہ اس کو کسی جگہ پر قائم کرنے کے لئے پہلے زمین کو پورے طور پر چھاننا و ہموار
کرتے ہیں، وہ شرک اور جاہلیت کی جڑیں اور رگیں (خواہ وہ وثنیت قدیمہ کی یادگار ہوں
یہ قومی و مقامی اثرات کا نتیجہ) چن چن کر نکالتے اور ان کا ایک ایک بیج بن بن کر پھینکتے ہیں
اور مٹی کو بالکل الٹ پلٹ دیتے ہیں، چاہے ان کو اس کام میں کتنی ہی دیر لگے، اور یہی ہی زحمت
اٹھانی پڑے، وہ نتیجہ کے حصول میں کبھی عجلت اور بے صبری سے کام نہیں لیتے۔

• شرک (مختلف شکلوں میں) نوع انسانی کی سب سے خطرناک اور پُرانی بیماری ہے، وہ اللہ کی غیرت اور اس کے غضب کو بھڑکانے کے واسطے، بندوں کے روحانی، اخلاقی اور تمدنی ترقی کی راہ کا سب سے بڑا روڑا ہے، وہ انسان کی قوتوں کا گلا گھونٹ دیتا ہے، ان کی صلاحیتوں کا خون کرتا ہے، قادر مطلق پر اس کے یقین، اس کی خود اعتمادی اور خود شناسی کا خاتمہ کر دیتا ہے، اور مسیح و بصیر اور صاحب قدرت و علم، صاحب بود و عطا اور مغفرت و محبت والے خدا کی محفوظ و مستحکم پناہ سے نکال کر اور اس کے لامحدود صفات اور نہ ختم ہونے والے خزانوں کے فوائد سے محروم کر کے کمزور و عاجز، فقیر و حقیر مخلوقات کے زیر سایہ پناہ لینے پر مجبور کر دیتا ہے، جن کی بھولی میں کچھ نہیں!

عقیدہ توحید کی از سر نو تبلیغ و تشریح کی ضرورت

مصنف نے "تایخ دعوت و عزیمت" کے حصہ دوم میں جو شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ کے ساتھ مخصوص ہے، امام ابن تیمیہ کے زمانہ میں مشرکانہ عقائد و رسوم کے عنوان کے ذیل میں لکھا تھا:-

"غیر مسلم و عجمی اقوام کے اختلاط، اسماعیلی و باطنی حکومت کے نفوذ و اثر، نیز جاہل و گمراہ صوفیوں کی تعلیم و عمل سے عام مسلمانوں میں مشرکانہ عقائد و رسوم کا رواج ہو چلا تھا، بہت سے مسلمان اپنے دینی پیشواؤں، مشائخ طریقت اور اولیاء و صالحین کے بارے میں اسی طرح کے غالیانہ اور مشرکانہ خیالات اور عقیدے رکھنے لگے تھے، جو یہود و نصاریٰ حضرت عزیر و مسیح اور اپنے اجار و ربان کے

متعلق رکھتے تھے، بزرگان دین کے مزارات پر جو کچھ ہونے لگا تھا، وہ ان سب اعمال و رسوم کی ایک کامیاب نقل تھی، جو غیر مسلموں کی عبادت گاہوں اور مقدس شخصیتوں کی قبروں پر ہوتے تھے، اہل قبور سے صاف صاف استغاثہ واستغاثہ کا معاملہ ہونے لگا تھا، ان سے فریاد اور ان کی دوہائی دینے، سوال اور دعا کرنے کا رواج ہو گیا تھا، ان کی قبور پر بڑی بڑی مسجدیں تعمیر کرنے اور خود قبور کو سجدہ گاہ بنانے، ان پر سال بہ سال میلہ لگانے اور دور دور سے سفر کر کے وہاں آنے کا عام دستور تھا، کھلی قبر پرستی، خدا سے بے خوفی، اور صاحب مزار سے خوف و خشیت، اللہ اور شعائر اللہ سے استہزاء و استغاثہ، بے باکی اور شوخ چٹھی، بزرگوں کے ساتھ اعتقاد الوہیت کے درجہ تکب، مشاہد و مزارات کا حج، اور بعض اوقات حج بیت اللہ پر اس کی ترجیح، کہیں کہیں مساجد کی ویرانی اور کس مہر سی اور مشاہد کے رونق و اہتمام، اس زمانہ کی جاہلانہ زندگی کے وہ خط و خال تھے، جن کے دیکھنے کے لئے بہت دور جانے اور بہت غور سے کام لینے کی ضرورت نہ تھی!

یہ مصر و شام و عراق جیسے ممالک کا حال تھا جن کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے مبارک ہاتھوں سے فتح کیا تھا، جو مرکز اسلام، مہبط وحی، اور مکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت قریب اور مربوط تھے، جہاں کی زبان عربی تھی، جس میں قرآن مجید نازل ہوا، جہاں قرآن و حدیث کے درس کا سلسلہ ایک دن کے لئے موقوف نہیں ہوا، اور جہاں علوم حدیث اور شرح حدیث پر عظیم ترین کتابیں لکھی گئیں۔

س کے مقابلہ میں ہندوستان (وہ بھی بارہویں صدی کے ہندوستان) کا اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں ہے، جہاں اسلام ترکستان، ایران اور افغانستان کا چکر کاٹ کر اور اپنی بہت کچھ تازگی اور توانائی کھو کر ان لوگوں کے ذریعہ پہونچا جو براہ راست فیضان نبوت سے مستفیض نہیں ہوئے تھے، اور جن میں سے بہت اپنے نسلی اور قومی اثرات سے بالکل آزاد نہیں ہو سکے تھے، پھر ہندوستان میں ہزاروں برس سے ایک ایسا مذہب، فلسفہ اور تہذیب حکمرانی کر رہے تھے، جن کے رگڑے میں وثنیت اور مشرک جادوی وساری تھا، اور جو ان آخری صدیوں میں وثنیت کا سب سے بڑا نمائندہ، اور جاہلیت قدیم کا امین و محافظ رہ گیا تھا، یہاں پر وثنیت و دوسرے مشرکانہ ماحول سے منتقل ہو کر ہندوستان کی مسلمان آبادی کا ایک بڑا حصہ آغوش اسلام میں آیا تھا، پھر یہ بھی ذہن میں تازہ رہے کہ اس ملک کا (طویل ترمیم میں) قرآن و حدیث سے براہ راست وہ رابطہ نہیں رہا تھا، جو ایران کے اثر سے علوم حکمت اور فلسفہ یونان سے رہا، علوم دینیہ میں اگر اس کا علمی و درسی طور پر رابطہ رہا تو فقہ، اصول فقہ و علم کلام سے جن کا موضوع اور میدان بحث، مسائل و جزئیات اور اصول، استنباط مسائل اور عقائد پر فلسفیانہ بحث سے ہے، عقائد کی اصلاح اور توحید کی ابتدائی دعوت نہیں۔

ہندوستان کے مذاہب فلسفوں اور یہاں کے رسوم و عادات کا دسویں صدی میں مسلم معاشرہ پر جو اثر پڑ چکا تھا، اس کا اندازہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس مکتوبے لگایا جاسکتا ہے، جو انھوں نے اپنی ایک ارادت مند نیک خاتون کے نام لکھا ہے، جس سے مراسم مشرک کی تعظیم، غیر اللہ سے استمداد اور طلب حوائج کے مشرکانہ عقیدہ

۱۔ ملاحظہ ہو مکتوب ۱۴۱ بصالحہ از اہل ارادت۔

اہل کفر کے تہواروں کی تعظیم، اور ان کے رسوم و عادات کی تقلید بزرگوں کے لئے حیوانا کو نذر و ذبح کرنے، پیروں اور سیویوں کی نیت سے روزے رکھنے اور سیلا سے خون او اس کی تعظیم (جس کو چھپک کی بیماری کی ذمہ داری سمجھا جاتا تھا) تک کی ہندوانہ ذہنیت اور توہم پرستی کا اندازہ ہوتا ہے جو مسلمانوں کے گھروں میں داخل ہو چکی تھی اس عہد پر اور شوہر گزر جانے کے بعد اور قرآن و حدیث سے براہ راست قوی اور عام رابطہ نہ پیدا ہونے کی وجہ سے عقائد میں جو خلل غیر اسلامی بلکہ منافی اسلام، عقائد و اعمال کا جو اثر اچھے لچھے گھرانوں پر پڑا ہو اس کا اندازہ کرنا کچھ مشکل نہیں۔

شاہ صاحب کے زمانہ میں غیر مسلموں کے اثرات قرآن و حدیث سے ناواقفیت اور دوری اور نتائج و خطرات اور عوام کی پسندیدگی اور ناپسندیدگی سے آنکھیں بند کر کے موثر کوشش کے طویل خلا نے ہندوستان میں جو صورت حال پیدا کر دی تھی، اور دین حنیفی کے (جس میں شرک کی کسی پرچھائیں کی گنجائش نہ تھی) متوازی جو نظام عقائد اور مسلم معاشرہ کی زندگی کے میدان میں جاہلیت کا جو سبزہ خود رو پیدا ہو گیا تھا اس کا کچھ اندازہ خود شاہ صاحب کی کتابوں کے بعض اقتباسات سے ہو سکتا ہے۔

”تغہیات“ میں ایک جگہ فرماتے ہیں:-

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے کہ تم مسلمان بھی آخر کار اپنے سے پہلے کی امتوں کے طریقے اختیار کر لو گے، اور جہاں جہاں انھوں نے قدم رکھا ہے وہاں تم بھی قدم رکھو گے حتیٰ کہ وہ اگر کسی گاوہ کے پل میں گھسے ہیں تو تم بھی ان کے پیچھے جاؤ گے، صحابہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلی امتوں سے آپ کی مراد یہود و نصاریٰ ہیں؟

حضرت علیہ السلام نے فرمایا اور کون؟ اس حدیث کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔

پس فرمایا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم نے اپنی آنکھوں سے وہ ضعیف الایمان سلمان دیکھے ہیں جنہوں نے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارباب من دون اللہ بنایا ہے اور یہود و نصاریٰ کی طرح اپنے اویاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا رکھا ہے، ہم نے ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں جو کلام شائع میں تحریف کرتے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف یہ قتل منسوب کرتے ہیں کہ نیک لوگ اللہ کے لئے ہیں اور گنہگار میرے لئے، یہ اسی قسم کی بات ہے جیسی یہودی کہتے تھے کہ لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّا اَيَّامًا مَّعْدُودَةً (البقرہ۔ ۸۰) (ہم دوزخ میں نہ جائیں گے اور گئے بھی تو بس چند روز کے لئے) پچ پوچھو تو آج ہر گروہ میں دین کی تحریف پھیلی ہوئی ہے، صوفیہ کو دیکھو تو ان میں ایسے اقوال زبان زد ہیں جو کتاب و سنت سے مطابقت نہیں رکھتے خصوصاً مسئلہ توحید میں اور معلوم ایسا ہوتا ہے کہ شرع کی انہیں بالکل پرواہ نہیں ہے^{۱۵} اپنے شہرۂ آفاق رسالہ الفور الکبیر میں تحریر فرماتے ہیں :-

”اگر تم کو (عہد جاہلیت کے) مشرکین کے عقائد و اعمال کے اس بیان کے صحیح تسلیم کرنے میں کچھ توقف ہو، تو چاہئے کہ اس زمانہ کے تحریف کرنے والوں کو علی الخصوص جو دارالاسلام کے نواح میں رہتے ہیں دیکھو کہ انہوں نے

^{۱۵} التفہیمات الالہیہ جلد دوم ۱۳۲-۱۳۵ ۱۵۲ شاہ صاحب نے اس سے پہلے مشرکین جاہلیت

کے شرک کی حقیقت و نوعیت اور اس کے مظاہر کا تذکرہ کیا ہے۔

ولایت کی نسبت کیا خیال باندھ رکھا ہے، وہ لوگ باوجود کیا دیکھا و کیا سمجھا
کی ولایت کے معترف ہیں، مگر اس زمانہ میں اولیاء کے وجود کو قطعاً محال شمار
کرتے ہیں اور قبروں اور آستانوں پر پھرتے ہیں اور طرح طرح کے شرک میں
بتلا ہیں اور تحریف و تشبیہ نے ان کے اندر کس قدر رولج پکڑ لیا ہے، ہواقی
حدیث صحیحہ "لَتَتَّبِعَنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ" (تم اپنے پیشرو لوگوں کے
نقش قدم پر چلو گے) ان آفات میں سے کوئی آفت بھی نہیں رہی جس پر
آج مسلمانوں کی کوئی نہ کوئی جماعت کاربند اور اس کے مانند دیگر امور کی
معتقد نہ ہو عافانا اللہ سبحانہ عن ذلک

مرض کا علاج اور اصلاح حال کا مؤثر طریقہ، اشاعتِ قرآن

شاہ صاحب نے اس مرض بلکہ وبائے عام کے علاج کے لئے قرآن مجید کے مطالعہ
و تدبر اور اس کے فہم کو سب سے مؤثر علاج سمجھا، اور یہ بات محض ذہانت، قوتِ مطالعہ
اور قیاس پر مبنی نہیں تھی، بلکہ ایک ایسی بدیہی حقیقت تھی جس پر قرآن مجید خود شاہد اور
نہ صرف عہد بعثت کی تاریخ بلکہ اسلام کی پوری تاریخ دعوت اور سرگزشتِ اصلاح و تجدید
گواہ ہے، خاص طور پر حقیقتِ توحید اور حقیقتِ شرک کو ظاہر کرنے کے لئے اس سے زیادہ
واضح، اس سے زیادہ طاقتور اور دل نشین ذریعہ کا تصور نہیں ہو سکتا، ترجمانِ قرآن شاہ
بعد القادر صاحب نے اپنے مقدمہ موضع القرآن میں جتنے سادہ اور دل نشین انداز میں
اس حقیقت کا اظہار کیا ہے، اس سے زیادہ مشکل ہے، فرماتے ہیں :-

• بتلنے والے بہتر بتائیں جیسا خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں آپ بتایا ہے، ویسا کوئی نہیں بتا سکتا، اور جیسا اثر اور راہ پانا خدا کے کلام میں ہے کسی کے کلام میں نہیں ہے۔

حجاز مقدس کے قیام میں شاہ صاحب کو ہندوستان کی اس دینی صورت حال اور اس کے تعلیمات قرآن اور تعلیمات اسلام سے بُعد اور منافات کا احساس اور شدت سے پیدا ہوا ہوگا، اور وہاں کی نورانی اور روحانی اور قرآنی فضا میں جہاں سے توحید کا زمزمہ سب سے پہلے بلند ہوا، شاہ صاحب کے قلب بیدار میں اس کا داعیہ کہ وہ ہندوستان میں قرآن مجید کی دولت کو عام کریں ایسی وضاحت اور شدت سے پیدا ہوا ہوگا جس کو اس الہام اور اشارہ غیبی سے تعبیر کر سکتے ہیں، جو نفوس زکیہ پر ہر عہد میں کسی ضروری دینی کام کی تکمیل کے لئے وارد ہوا کرتا ہے، اور جس کی مقاومت اور جس پر غلبہ پانا ناممکن ہو جاتا ہے، اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ شاہ صاحب نے قرآن مجید کے فارسی ترجمہ کا کام جس نے فتح الرحمن کے نام سے تکمیل پائی حجاز سے واپسی پر شروع فرمایا۔

لے مقدمہ توضیح القرآن حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ، لے مصنف حیات ولی نے ایک معاصر کے حوالہ سے ترجمہ قرآن کے تصور میں علماء کی شورش اور فساد کے شاہ صاحب پر قتلانہ حملہ کی پُر اثر کہانی بیان کی ہے اور اس سے نتیجہ نکالا ہے کہ شاہ صاحب نے اس شورش سے بچنے کے لئے حجاز کا سفر اختیار کیا، (صفحہ ۴۲۲-۴۲۳) لیکن کسی اقداری نے ملاحظہ سے اس کی تائید نہیں ہوتی، خود فتح الرحمن کے مقدمہ میں اس کی تصریح ہے کہ شاہ صاحب نے ترجمہ کا کام ۱۰ رذی الحجہ ۱۱۵۰ھ کو شروع کیا اور ۱۱۵۱ھ میں اس کی تکمیل ہوئی، جس سے صاف طریقہ پر ثابت ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کا یہ مبارک اقدام سفر حجاز سے واپسی کے بھی چار پانچ سال بعد کا ہے، ہمارے خاندانی ذخیرہ و کتب میں فتح الرحمن کا ایک قلمی نسخہ دو جلدوں میں محفوظ ہے، یہ نسخہ خود شاہ صاحب نے ہمارے خاندان کے (باقی صفحہ ۱۴۲ پر)

علم اور بے شمار کتابیں پڑھا ہوا ہو اور اپنے زمانہ کا علامہ ہو ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمَمِينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ" (المجموعہ - ۲) (خدا تعالیٰ وہ ہے جس نے ان پڑھوں میں پیغمبر بھیجا انھیں ان پڑھوں میں سے پڑھتا ہے وہ پیغمبر ان ان پڑھوں پر خدا کی آیتیں اور ان کو گناہ کے میل سے پاک کرتا، اور کتاب اور اس کی تدبیر سکھاتا ہے) یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ان پڑھ اور آپ کے اصحاب بزرگوار بھی ان پڑھ تھے، مگر جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کے سامنے قرآن کی آیتیں پڑھیں تو وہ ان کو سن کر ہر قسم کی بڑائی اور بگاڑ سے پاک تھا ہو گئے پس اگر ناخواندہ آدمی قرآن وحدیث نہیں سمجھ سکتا، اور اس کی سمجھ کی استعداد نہیں رکھتا تو صحابہ بڑائی و رعایوں سے کیونکر پاک صاف ہو گئے؟ اس قوم پر سخت افسوس ہے جو صدرۃً کھنچے اور قلموس جلنے کا تو دعویٰ کرتے ہیں مگر قرآن وحدیث کو سمجھنے میں اپنے آپ کو کھنچنا دان ظاہر کرتے ہیں اور بعض یوں کہتے ہیں کہ ہم پچھلے لوگ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کی برکت اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دل کی سلامت کہاں سے لائیں جو قرآن وحدیث کے معنی بخوبی سمجھ سکیں ان کے جواب میں حق تعالیٰ فرماتا ہے: "وَالْآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْفُتْهُمْ هُمُومٌ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ" (المجموعہ - ۳) یعنی پچھلے لوگ خواہ پڑھے ہوئے ہوں یا ان پڑھ مگر جبکہ وہ مسلمان ہوں اور اصحاب کے طریقہ کی پیروی کا ارادہ کریں اور قرآن وحدیث کو سنیں تو انھیں بھی پاک کرنے کے لئے یہی قرآن وحدیث کافی ہو سکتی ہیں اور فرماتا ہے: "وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ

لِذَٰلِكَ فَعَلَ مِنَ مَنَٰكِبِهِۦ ۖ (القرآن ۲۴) اور البتہ ہم نے قرآن کو نصیحت کے واسطے آسان کر دیا پس کیا کوئی نصیحت لینے والا ہے؟ یہ کیونکر آسانی ہو سکتی ہے کہ کافہ پڑھنے والے اور شافہ جاننے والے تو اس کے معنی سمجھنے سے محض ظاہر کرتے اور عرب کے جنگلی لوگ اس کی حقیقت سے بہرہ ور ہوتے ہیں، اس کے علاوہ ایک جگہ یوں فرمایا ہے: ۱۰۰ أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ (محمد ۲۴) کہ (قرآن میں کیوں نہیں فکر کرتے) پس اگر قرآن مجید آسان نہ ہو تو اس میں فکر کیونکر کیا جائے ۱۰۰ اَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا (محمد ۲۴) (یا ان کے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں) یعنی باوجودیکہ دلوں پر قفل نہیں لگے ہوئے ہیں، پھر بھی کیسی گمراہی ہے قرآن کے فکر میں زور نہیں لگاتے ۱۰۰

لیکن بقول شاعر

نوار تلخ ترمی زن چوں ذوق نغمہ کیابی

حدی راتیر ترمی خواں چوں محل راگراں مینی

شاہ صاحب نے اس بد مذاقی بے توفیقی اور غلط اندیشی کو دیکھ کر جس حد و شدت سے

حَنِیْئِلِ اللّٰہِ (الاعراف ۱۴۵) سے مل جاتے تھے فیصلہ کیا کہ قرآن مجید کا اس سلیس فارسی زبان میں ضرور ترجمہ کرنا چاہئے، جو ہندوستان میں قیام حکومت اسلامیہ کے بعد سے ملک کی دفتری، علمی، تصنیفی اور خط و کتابت کی زبان تھی اور تقریباً ہر پڑھا لکھا مسلمان اگر اس میں بول لکھ نہیں سکتا تھا، تو اس کو سمجھتا ضرور تھا، ہندوستان میں فارسی زبان کی اس طویل عملداری میں جس کی مدت ساٹھ صدیوں سے کم نہ تھی، قرآن مجید کے فارسی میں ایک درجن بھی

ترجمے ہوتے تو تعجب کی بات نہ تھی، لیکن جن بن محمد علقمی المشتر بن نظام نیشاپوری ثم دولت آبادی کے ترجمہ سے پہلے جو آٹھویں صدی ہجری کے علماء میں تھے، کسی فارسی ترجمہ کا سراغ نہیں لگتا نیشاپوری کا یہ فارسی ترجمہ ان کی عربی تفسیر غرائب القرآن میں شامل ہے۔

ہندوستان میں شیخ سعدی کے ترجمہ کے نام سے ایک ترجمہ مشہور تھا، اور اگرچہ وہ بھی شیخ کی مقبول، تصنیفات گلستان اور بوستان کی طرح رائج اور متداول نہیں تھا لیکن پھر بھی کہیں کہیں پایا جاتا تھا، مگر اس کا انتساب شیخ سعدی کی طرف صحیح نہیں ہے، تحقیقی بات یہ ہے کہ وہ علامہ سید شریف علی ابجدی (م ۱۳۸۵ھ) کا کیا ہوا ہے، تفسیر حقانی کے مؤلف مولانا عبدالحق حقانی کا چشم دید بیان ہے کہ:-

”جس کو آج کل جہلاء سعدی کا ترجمہ کہتے ہیں، وہ دراصل سید شریف کا ترجمہ

ہے، صاحب مطبع نے میرے سامنے رولج دینے کے لئے سعدی کی طرف منسوب کر دیا ہے۔“

الغرض شاہ صاحب نے سفر حجاز سے واپسی کے پانچ سال بعد (غالباً اصلاح عقائد کی ان کوششوں کا نتیجہ دیکھنے کے بعد جو خصوصی درس و تدریس اور وعظ و ارشاد کے ذریعہ ہو رہی تھیں) یہ فیصلہ کیا کہ ہدایت عام، اصلاح عقائد اور اللہ تعالیٰ سے طاقتور رابطہ پیدا کرنے کا کوئی ذریعہ قرآن مجید کی ہدایت و تعلیمات کی براہ راست اشاعت و تبلیغ سے زیادہ مؤثر نہیں ہو سکتا، اور اس کا ایک ہی طریقہ ہے، اور وہ قرآن مجید کا فارسی ترجمہ اور اس کی اشاعت، خود شاہ صاحب کی زبان سے اس کے محرکات و اسباب

لے، ”جائزہ تراجم قرآنی“ شائع کردہ مجلس معارف القرآن، دارالعلوم دیوبند، ص ۱۳-۱۴

۱۵، البیان فی علوم القرآن مقدمہ تفسیر حقانی از مولانا عبدالحق صاحب حقانی ص ۵۰

اور اس اقدام کی تاریخ سنئے تفسیر فتح الرحمن کے مقدمہ میں فرماتے ہیں :-

”یہ زمانہ جس میں کہ ہم لوگ موجود ہیں اور یہ ملک جس کے ہم باشندہ ہیں اس میں مسلمانوں کی غیر خواہی تقاضا کرتی ہے کہ (ترجمہ قرآن سلیس اور بامحاورہ فارسی میں بغیر اظہار فضیلت اور عبارت آرائی کے اور متعلق قصوں اور توصیہات کے ذکر کئے ہوئے بغیر) کیا جائے تاکہ عوام و خواص یکساں طور پر سمجھ سکیں اور چھوٹے بڑے بھی معانی قرآن کا ادراک کر سکیں اس لئے اس اہم کام کا داعیہ فقیر کے دل میں ڈالا گیا، اور اس کے لئے مجبور کیا گیا۔

پہلے ترجموں پر غور کیا گیا تاکہ جس ترجمہ کو معیار کے مطابق پایا جائے اس کی ترویج کی جائے اور یہ ترجمہ حتی الامکان اہل زمانہ کے ذوق کے مناسب ہو مگر ان ترجموں میں یا تو بے کیف طوالت ہے یا خلل انداز تقصیر و اجمال ہے اس عزم میں زہرا وین (سورہ بقدر و نسا) کا ترجمہ ہو گیا، اس کے بعد سفر حرمین کا اتفاق ہو گیا، اور وہ سلسلہ ختم ہو گیا، کئی سال بعد ایک عزیز ترجمہ قرآن پڑھنے لگے اور یہ کام اس گزشتہ عزم کا محرک بن گیا، اور یہ فیصلہ ہوا کہ سبق کے بقدر ترجمہ لکھ لیا جائے، جب ثلث قرآن مجید تک ترجمہ ہو گیا، تو ان عزیز کو سفیر پیش آگیا اور ترجمہ پھر موقوف ہو گیا، ایک مدت کے بعد پھر ایک تقریب پیدا ہوئی اور وہ پرانا خیال تازہ ہوا اور دو ثلث تک ترجمہ ہو گیا۔

بعض دوستوں کو مسودہ صاف کرنے کے لئے کہا گیا اور یہ کہ اس کے ساتھ متن قرآن بھی لکھ دیں تاکہ مستقل نسخہ تیار ہو جائے ان سعادت مند دوست ے عید الاضحیٰ ۱۴۱۵ھ سے تبیض شروع کی اس کے بعد پھر اس عزم کو تحریک ہوئی

اور اخیر تک ترجمہ مکمل ہو گیا، اور اوائل شعبان میں تسوید ختم ہوئی اور ۱۱۵۱ھ
 میں سونہ صاف ہو گیا، اور ۱۱۵۶ھ میں برادر دینی عزیز القدر خواجہ محمد امین
 اکرمہ اللہ تعالیٰ بشہودہ کے اہتمام سے اس کتاب کی ترویج ہوئی اور اس کا
 درس شروع ہوا، اور اس کے متعدد نسخے تیار ہو گئے، اور معاصرین اس طرز
 متوجہ ہوئے ۵

للمحمد کہ آن نقش کہ خاطر می بست

آمد آخ ز پس پردہ تقدیر پذیر

شاہ صاحب نے ترجمہ اور تفسیر فتح الرحمن کے علاوہ اصول ترجمہ پر ایک مقدمہ بھی
 لکھا ہے جو مختصر ہونے کے باوجود بڑا بصیرت افروز اور عالمانہ ہے ابتدا میں لکھتے ہیں :-

”يقول الفقير الى رحمة الله الكريم ولي الله بن عبد الرحيم

اين رساله است در قواعد ترجمه مسماة بالمقدمة في قوانين الترجمة

کہ در وقت تسوید ترجمہ قرآن قلم بہ ضبط آں جاری شد ۱۱۵۶ھ

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ترجمہ اور قرآن مجید کی تبلیغ عام کے راستہ میں جو چٹان حائل
 ہو گئی تھی، شاہ صاحب جیسی عظیم المرتبت ہستی کے (جس کے علمی تجربہ، جامعیت، باطنی مرتبہ
 اور اخلاص پر تقریباً اس عہد کے صحیح انجیال اور صاحب علم طبقہ کا اتفاق تھا) اقدام
 سے یہ چٹان ہٹ گئی، اور راستہ صاف ہو گیا، اسلام کی تاریخ میں سلسل ایسا ہوتا رہا ہے کہ
 کسی مسلم الثبوت اور بلند شخصیت کے کسی کام کے آغاز کر دینے سے غلط فہمیوں اور

لے دیا چہ فتح الرحمن مطبوعہ دہلی ۱۲۹۲ھ۔ ۱۱۵۶ھ مخطوط محفوظ کتب خانہ ندوۃ العلماء

مشترک برشش صفحات تقطیع کلاں۔

بدگمانیوں کا بادل چھنٹ گیا ہے اور شاہ راہ عام کھل گئی ہے امام ابوالحسن اشعری کا
 تشکمانہ مباحث میں حصہ لینا اور عقلی استدلال سے کام لینا، حجت الاسلام امام غزالیؒ کا
 فلسفہ کا مطالعہ اور اس کی تنقیح و تردید اور ایسے بہت سے اقدامات جو اپنے عہد کی
 ضرورت کے مطابق اسلام کی حفاظت یا مدافعت میں کئے گئے، اس کی روشن مثالیں ہیں۔

شاہ صاحب کے بعد کے اردو تراجم

شاہ صاحب کے فارسی ترجمہ کے بعد بہت جلد اردو میں ترجمہ قرآن کی ضرورت
 محسوس ہوئی کہ بارہویں صدی کے آخری ہی حصہ میں اردو نے فارسی کی جگہ اپنی شروع
 کردی تھی اور اردو میں تحریر و تصنیف کا کام شروع ہو گیا تھا، اس ضرورت اور انقلاب
 حال کو سب سے پہلے خود شاہ صاحب کے فرزند ارجمند حضرت شاہ عبدالقادر صاحب
 دہلوی (م ۱۲۳۳ھ) نے محسوس کیا، اور ۱۲۰۲ھ میں گویا شاہ صاحب کے ترجمہ کے
 پچاس برس بعد انھوں نے با محاورہ اردو میں اس کا ایسا ترجمہ کیا جس کے متعلق یہ کہا
 جاسکتا ہے کہ قرآن مجید کا کسی غیر عربی زبان میں ایسا کامیاب اور شگفتہ ترجمہ جس میں زیادہ
 سے زیادہ قرآنی الفاظ کی روح آئی ہو ابھی تک علم میں نہیں، شاہ صاحب اپنے ترجمہ کی
 تہدید میں لکھتے ہیں:-

”اس بندہ عاجز عبدالقادر کے خیال میں آیا کہ جس طرح ہمارے بابا صاحب بہت
 بڑے حضرت شاہ ولی اللہ عبدالرحیم کے بیٹے سب حدیثیں جاننے والے ہندوستان
 کے رہنے والے تھے، اسی زبان میں قرآن کے سنی آسان کر کے لکھے، الحمد للہ کہ

یہ آرزو ۱۳۰۵ھ میں حاصل ہوئی ۱۴۹ھ

شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے بعد انھیں کے برادر بزرگ شاہ رفیع الدین (م ۱۳۲۳ھ) نے قرآن مجید کا تحت اللفظ ترجمہ کیا، جو اپنی احتیاطوں اور مصنف کے علمی تبحر و اخلاص کی وجہ سے بہت مقبول ہوا، اور بعض حلقوں میں شاہ عبدالقادر صاحبؒ کا با محاورہ ترجمہ اور بعض حلقوں میں شاہ رفیع الدین صاحبؒ کا تحت اللفظ ترجمہ رائج اور قابل ترجیح قرار پایا۔

یہ دونوں ترجمے مسلمانوں کے گھروں میں ایسے عام ہوئے اور قرآن مجید کی تلاوت کے ساتھ اس کے پڑھنے کا ایسا رواج ہوا جس کی مثال کسی دوسری دینی کتاب کے بابے میں نہیں مل سکتی، جہاں تک اصلاح عقائد اور عقیدہ توحید کی اشاعت کا تعلق ہے، ان دونوں ترجموں سے فائدہ اٹھانے والوں کی کوئی تعداد نہیں بیان کی جاسکتی کہ وہ لاکھوں سے تجاوز ہوگی، حقیقت میں کوئی اسلامی حکومت بھی اپنے وسائل کے ساتھ دعوت و اصلاح کا اتنا بڑا کام انجام نہیں دے سکتی تھی جو ان تین ترجموں نے انجام دیا جو ایک ہی شجرہ طوبیٰ کی شاخیں ہیں، ”وَذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ“

اس کے بعد اردو ترجموں کا ایک سیلاب رواں ہو گیا جس کی تعداد کا استقصاء ایک دشوار کام اور مستقل تحقیقی بحثوں کا طالب ہے۔

۱۔ موضح القرآن جلد اول ص ۱

۲۔ اس وقت ہمارے سامنے ”جائزہ تراجم قرآنی“ کے نام کی کتاب ہے، اس میں شاہ عبدالقادر صاحبؒ اور شاہ رفیع الدین صاحبؒ کے ترجموں کے بعد کے جن ترجموں کا جائزہ لیا گیا اور مختصر تعارف کرایا گیا ہے، ان کی تعداد پچیس ہے۔

درس قرآن

قرآن مجید کے ان ابد و تراجم کے علاوہ جو اسی خاندان والا شان کے دو برگزیدہ افراد حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی اور حضرت شاہ رفیع الدین دہلوی نے کئے، اور ہندوستان میں جہاں جہاں ابد و بولی جاتی تھی گھر گھر پڑھے جانے لگے، قرآن مجید کے ذریعہ طہیر عقائد اور اصلاح اعمال و اخلاق کی سب سے طویل بنجیدہ و عمیق اور مؤثر و وسیع کوشش خاندان ولی اللہی کے سب سے بڑے فرد اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے کاموں کی تکمیل و توسیع کی سعادت حاصل کرنے والے بزرگ حضرت شاہ عبدالعزیز (م ۱۲۰۷ھ) کے ذریعہ انجام پائی، جنہوں نے تقریباً ۶۲-۶۳ سال تک دہلی جیسے مرکزی شہر اور تیرہویں صدی ہجری جیسے اہم زمانہ میں درس قرآن کا سلسلہ جاری رکھا اس کو خواص و عوام میں جو مقبولیت حاصل ہوئی، اور اس سے اصلاح عقائد کا جو عظیم الشان کام انجام پایا یہاں سے علم میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

”الفوز الکبیر“

دعوت الی القرآن اور خواص و اہل علم کے حلقہ میں تدریس قرآن کی صلاحیت پیدا کرنے اور اس کے ذریعہ سے امت کی اصلاح کا جذبہ بیدار کرنے کے سلسلہ میں شاہ صاحب کی ایک تجدیدی و انقلابی خدمت اور کارنامہ ”الفوز الکبیر“ کی تصنیف ہے، جو اپنے موضوع پر (بہار علم میں پورے اسلامی کتب خانہ میں) منفرد کتاب ہے۔

اصول تفسیر پر کوئی چیز عام طور پر نہیں ملتی صرف چند اصول و قواعد تفاسیر کے

مقدمہ میں یا اپنا طرز تصنیف بیان کرنے کے لئے بعض مصنفین چند سطروں میں لکھ دیتے ہیں
شاہ صاحب کی کتاب "الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" بھی اگرچہ مختصر ہے لیکن پوری کتاب
سراسر نکات و کلیات ہے اور درحقیقت ایک جلیل القدر عالم کی جس کو فہم قرآن کے مشکلات کا
علمی تجربہ ہے ایک قیمتی اور نادر بیاض ہے۔

اس کی قدر وہی لوگ جان سکتے ہیں جن کو ان مشکلات سے واسطہ پڑا ہو بعض بعض
اصول جو شاہ صاحب نے اپنے ذوق و وجدان اور فہم قرآن کی بنا پر لکھ دیئے ہیں دوسری کتابوں
کے سیکڑوں صفحات کے مطالعہ سے نہیں حاصل ہو سکتے، اسی رسالہ کے مقدمہ میں شاہ صاحب کا
یہ فرمانا حوت بکرت صحیح ہے کہ:-

میکوید فقیر ولی الشرب عبد الرحیم	فقیر ولی الشرب عبد الرحیم (الشرک ساتھ
عالمہا اللہ تعالیٰ بلطفہ اعظم یوں	اپنے عظیم کا معاملہ فرمائے) کہتا ہے کہ
بریں فقیر درے از فہم کتاب اللہ	جب اللہ نے اس فقیر پر کتاب اللہ کے
کشادہ خواست کہ بعضے نکات	فہم کا دروازہ کھولا تو اس کی خواہش
نافذہ کہ درتد تبرکلام اللہ یاروں را	ہوئی کہ بعض مفید نکات (جن سے
بکار آید در رسالہ مختصرے مضبوط	لوگوں کو تدریج قرآن میں مدد ملے گی)
نماید امید واری از عنایت حضرت	ایک مختصر رسالے میں لکھ دیئے جائیں
باری آن است کہ طالب علمان را	عنایت خداوندی سے امید ہے کہ
بہ مجرد فہم ایں قواعد رہے واضح	طالب علموں کے لئے ان قواعد کے
در فہم معانی کتاب اللہ کشادہ گردد کہ	فہم کے بعد فہم مطالب قرآن کی
اگر عمرے در مطالعہ تفاسیر یازرانید	ایسی کشادہ راہ مل جائے گی کہ اگر

انہا بر مفسران علی انہما قلی قلیل مطالعہ تفاسیر و مفسرین (جن کی

فی هذا الزمان بسر بزندان ضبط تعداد آجکل بہت ہی کم ہے) سے

و ربط بدست نیاندا رجوع کرنے میں ایک عمر بھی گزاریں گے

تب بھی فہم قرآن سے ایسا ربط

وضبط نہ پیدا کر سکیں گے۔

قرآن کے مضامین و مقاصد اس کے طرز و اسلوب کی خصوصیت اور انسانی تالیفات خصوصاً متاخرین کی کتب درسیہ سے اس کے اختلاف و امتیاز اور شان نزول کے متعلق چند نقطوں میں جو کچھ لکھا ہے آج اس میں ممکن ہے کوئی ندرت نہ معلوم ہو لیکن بارہویں صدی میں یہ قطعاً نئے خیالات تھے اور آج بھی کتنے حلقوں میں یہ خیالات نامانوس ہیں شان نزول کی روایتوں کی کثرت اور ان کی اہمیت پر زیادہ زور دینے سے (جو قرون متاخرہ کا شعار بن گیا تھا) قرآن کریم کے مضامین و قصص اور مواضع و عبرے ہر زمانہ میں جو فائدہ اٹھایا جانا چاہئے اور اپنے اپنے زمانہ اور حالات پر ان کا جس طرح انطباق ہونا چاہئے اس میں ٹا فرق ہو گیا تھا شاہ صاحب کی اس تحقیق و تنقیح سے وہ پردہ ہٹ جاتا ہے اور قرآن مجید کا جمال جہاں آرا سامنے آ جاتا ہے، الفوز الکبیر کے باب اول میں شاہ صاحب لکھتے ہیں:-

”عام مفسرین نے ہر ایک آیت کو نولہ مباحثہ کی ہویا احکام کی ایک قصے کے ساتھ

ربط دیا ہے اور اس قصے کو اس آیت کے لئے سبب نزول مانتا ہے لیکن حق یہ ہے کہ

نزول قرآنی سے مقصود اصلی نفوس بشریہ کی تہذیب اور ان کے باطل عقائد و

فاسد اعمال کی تردید ہے اس لئے آیات مناظرہ کے نزول کے لئے متکلمین میں

عقائد باطلہ کا وجود اور آیات احکام کے لئے ان میں اعمال فاسدہ اور مظالم کا شیوع اور آیات تذکیر کے نزول کے لئے ان کا بغیر ذکر آلاء الشر وایام الشر اور موت وواقعات بعد الموت کے بیدار نہ ہونا، اصلی سبب ہوا، خاص واقعات کو جن کے بیان کرنے کی عام مفسرین نے زحمت اٹھائی ہے، اسباب نزول میں چنداں دخل نہیں ہے، مگر سوائے چند آیات کے جن میں کسی ایسے واقعہ کی جانب اشارہ ہے، جو رسول الشر کے زمانے میں یا اس سے پیشتر واقع ہوا ہو۔

قرآن مجید نے جن فرقوں کی تردید کی ہے، ان کے اصلی اور صحیح خیالات و عقائد اور کمزوریوں کا بیان ان کی گمراہیوں اور غلط فہمیوں کے حقیقی اسباب اور ان کی تائید، نفاق کی تشریح اور مسلمانوں کی بعض جماعتوں پر ان کی تطبیق، فہم قرآن کی اساس ہے، جو اختصار کے باوجود اس وضاحت کے ساتھ کسی بڑی سے بڑی تفسیر میں نہیں ملے گی۔

نسخ میں متقدمین و متاخرین کے اصطلاحی فرق کی توضیح اور نسخ و ناسخ آیات میں تطبیق، صحابہ و تابعین کے تفسیری اختلافات کا حل شاہ صاحب کی عمدہ تحقیقات میں ہے۔
نحو کے مشہور اور ظاہری قواعد کی بعض آیات سے بظاہر عدم مطابقت کی جو توجہ شاہ صاحب نے کی ہے، اس کی قدر وہ لوگ کر سکتے ہیں، جو نحو کی تدوین کی تائید سے واقف اور بصیرہ و کوفہ کے دبستان کے اختلافات پر نظر رکھتے ہیں، رسالہ کا بڑا امتیاز یہ ہے کہ اس کو پڑھ کر ادیان سابقہ، فرق ضالہ اور اقوام و ملل کی پرانی بیماریوں اور کمزوریوں کی نشاندہی ہوتی ہے، اور اس کی توفیق ملتی ہے کہ قرآن کے آئینہ میں مسلمانوں کی نسلیں اور اپنے اپنے عہد کا مسلم معاشرہ اور طبقات امت اپنا چہرہ دیکھیں اور اس کی فکر کریں کہ مذاہب و فرق کی سابقہ بیماریاں اور کمزوریاں دے پاؤں ان میں تو

داخل نہیں ہو گئی ہیں :-

لَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ كِتَابًا فِيهِ
ذِكْرُكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝
ہم نے تمہاری طرف ایسی کتاب نازل
کی ہے جس میں تمہارا تذکرہ ہے کیا تم
(سورہ انبیاء - ۱۰) نہیں سمجھتے۔

مسئلہ توحید کی علمی تنقیح و تحقیق

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اصلاح عقائد اور توحید خالص کی دعوت کے سلسلہ میں قرآن مجید کے ترجمہ اور درس قرآن ہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ ایک عالم و محقق کے انداز سے اس کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیا، عقیدہ توحید ملت ابراہیمیؑ کا سب سے بڑا شعار اور حضرت ابراہیمؑ کی دعوت اور جدوجہد کا سب سے بڑا مقصد خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کی بنیاد اور ابتدا اور انتہا تھی، سارا قرآن اور احادیث کا دفتر اور سیرت نبویؐ اس پر شاہد ہے آپؐ نے توحید و شرک کے درمیان ایسا خط امتیاز کھینچا، توحید کی حقیقت کو اس طرح عیاں کیا، شرک کے ادنیٰ سے ادنیٰ شائبہ اور اس کی ہلکی سے ہلکی پرچھائیں کے خلاف ایسا جہاد کیا، امت کے عقائد میں شرک کے داخل ہو جانے اور عقائد میں فتور واقع ہونے کے ذرائع کا ایسا سد باب کیا جس سے زیادہ کا تصور ممکن نہیں، یہ سب حقائق ایسے متواتر اور بدیہی ہیں جن کے لئے دلائل اور مثالوں کی ضرورت نہیں، جس کی قرآن و حدیث پر ذرا بھی نظر ہے،

لے تبور کی تشیذان پر اجتماعات اور عین دے اہتمام، سجدہ تعظیم، حلف بغير اللہ کی ممانعت کے احکام، ایک بدو کے (إِنْ شَاءَ اللَّهُ وَ شِئْتَ) (اگر اللہ چاہے اور آپ چاہیں) کہنے پر سخت ناگواری اور یہ فرمانا کہ تو نے مجھے خدا کا، سر بنادیا؟ ہمیں تنہا جو اللہ چاہے اور ایسی ہی بیسیوں مثالیں اس بات کی شاہد ہیں۔

وہ اس کا قائل ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

پھر اس امت میں قرونِ مشہود ہمارا باخیر کے گزرنے، نئے نئے ملکوں کے فتح ہونے، وہاں کی آبادی کے قبولِ اسلام، غیر مسلم اقوام کی مخالفت و مجاورت اور مردِ زمانہ کے اثر سے عوام کے ایک بڑے طبقہ میں یہ شرکانہ عقائد و اعمال کہاں سے داخل ہو گئے، اور ان کو توحید کے بہت سے شاعر و علماء کے ساتھ مسلم معاشرہ میں اپنی جگہ بنالینے کا کیسے موقع مل گیا اور بہت سے مدعیانِ علم کو ان کی تاویل اور توجیہ کی اور ان کو گوارہ کرنے اور جائز قرار دینے کی جرأت کیسے ہوئی، اور بہت سے پڑھے لکھے مسلمان کیسے اس مخالطہ کے شکار ہو گئے؟

شاہِ صاحبؒ کے نزدیک اس کی وجہ توحید کی حقیقت اور شرکین جاہلیت اور اہل عرب کے خدا کے خالقِ کائنات اور مدبرِ امورِ عظام ہونے کے بارے میں عقیدہ کو صحیح طور پر نہ سمجھنا ہے، عوام کے ایک بڑے طبقہ نے شرک کی حقیقت یہ بھی کہ کسی ہستی کو (خواہ وہ زندہ ہو یا فوت شدہ) خدا کا بالکل ہمسر اور ہم پایہ بنالیا جائے، خدا کی تمام صفات اور افعال اس کی طرف منسوب کئے جائیں، اسی کو خالق، رازق، اور مخیر و ممیت (زندہ کرنے والا اور مارنے والا) حقیقتاً و اصلاً سمجھ لیا جائے، باقی اللہ تعالیٰ کی بعض صفات کا اس کے کسی مقبول بندہ کی طرف منسوب کرنا اور بعض افعال کا (جو خدا کے ساتھ مخصوص ہیں) ان سے صدور ماننا، قدرت کے بعض کارخانوں کا ان سے متعلق ہو جانا، اور اللہ کا اپنی مرضی سے اپنے بعض اختیار ان کے سپرد کر دینا، یہ توحید کے منافی اور شرک کے مراد نہیں اسی طرح کسی کی محض تقرب الی اللہ اور شفاعت عند اللہ کے لئے ایسی حد سے بڑھی ہوئی تعظیم کرنا اور ان کے ساتھ ایسے اعمال و حرکات سے پیش آنا جو عبادت کے حدود میں داخل ہیں، داخل شرک نہیں کہ یہ محض رضائے خداوندی کے حصول کا ایک ذریعہ اور اس بارگاہِ بے چون و بے چگون تک

پہونچنے کا (جس کے یہاں معمولی بشر کی رسائی نہیں) ایک مفید اور مؤثر طریقہ ہے کفار عرب کہتے تھے :-

مَا نَعْبُدُ هُمْ إِلَّا لِيَقَرُّ لُبُّنَا إِلَى (وہ کہتے ہیں کہ) ہم ان کو اس لئے پوجتے
اللَّهُ رُفْعَى (الزمر-۳) ہیں کہ ہم کو خدا کا مقرب بنادیں۔

یہ وہ مغالطہ اور التباس تھا جس کی وجہ سے اس امت کے بھی کثیر التعداد افراد شرک کی ارض ممنوعہ میں جا پڑے تھے اور اس سرحدی لکیر کو پار کر گئے تھے جو توحید شرک کی حد فاصل (LINE OF DEMARCATION) ہے اس لئے سب سے پہلی اور اہم ضرورت یہ تھی کہ معلوم کیا جائے کہ اہل جاہلیت اور مشرکین عرب کا عقیدہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں کیا تھا، وہ اس کی ذات و صفات کے بارے میں کن کن چیزوں کے قائل تھے اللہ تعالیٰ کو فاطر کائنات، خالق ارض و سماوات اور قادر مطلق سمجھنے کے باوجود اللہ کے رسول نے ان کو کیوں شرک گردانا، اور قرآن نے ان کے مشرک ہونے کا کیوں اعلان کیا ؟

شاہ صاحب اپنی بے نظیر کتاب "الغود الکبیر فی اصول التفسیر" میں لکھتے ہیں :-

”شُرک یہ ہے کہ ما سوا اللہ کے لئے ان صفات کو ثابت مانا جائے جو خدا تعالیٰ

کے ساتھ مختص ہوں، مثلاً عالم کے اندر تصرفات ارادی جس کو کُن فیکون سے

تعبیر کرتے ہیں، یا علم ذاتی جس کا اکتساب نہ ہو اس کے ذریعہ سے ہونہ عقل کی

رہنمائی سے اور نہ خواب اور الہام وغیرہ کے واسطہ سے، یا مریضوں کو شفا دینا

یا کسی شخص پر لعنت کرنا اور اس سے ناراض ہونا، جس کے باعث اس کو

تنگ دستی اور بیماری اور شقاوت گھیر لیں، یا رحمت بھیجنا جس سے اس کو

فراخ دستی، تند دستی اور سعادت حاصل ہو۔

مشترک بھی جواہر (اجسام) اور عظیم الشان امور کے پیدا کرنے میں کسی کو خدا تعالیٰ کا شریک نہیں جانتے تھے، ان کا اعتقاد تھا کہ جب خدا تعالیٰ کسی کام کے کرنے کا ارادہ کر لیتا ہے تو کسی میں اس کے روکنے کی قدرت نہیں ہے، ان کا شرک فقط ایسے امور کی نسبت تھا جو کہ بعض بندوں کے ساتھ مخصوص تھے، ان لوگوں کا گمان تھا کہ جیسے شاہان عظیم القدر اپنے مقربان خاص کو ملک کے مختلف حصوں کا فرماں روا مقرر کرتے ہیں، اور بعض امور خاصہ کے فیصل کرنے میں (جب تک کوئی شاہی حکم صریح موجود نہ ہو) ان کو مختار بنا دیتے ہیں، اور اپنی رعایا کی چھوٹی چھوٹی باتوں کا خود انتظام نہیں کرتے، اور اپنی کل رعایا کو محکام کے سپرد کر دیتے ہیں، اور حکام کی سفارش ان کے ماتحت ملازمین اور مہتممین کے حق میں قبول کی جاتی ہے، ایسے ہی بادشاہ علی الاطلاق جل مجدہ نے بھی اپنے خاص بندوں کو درجہ الوہیت کے خلعت سے سرفراز کیا ہے، اور ایسے لوگوں کی رضامندی و ناراضی دوسرے بندوں کے حق میں مؤثر ہے، اس لئے وہ ان بندگان خاص کے تقریب کو ضروری خیال کرتے تھے، تاکہ بادشاہ حقیقی کی درگاہ میں مقبولیت کی صلاحیت پیدا ہو جائے، اور جزائے اعمال کے وقت ان کے حق میں شفاعت درجہ قبولیت حاصل کرے، اور ان خیالی ضرورتوں کو دیکھتے ہوئے وہ لوگ ان کو سجدہ کرنا اور ان کے لئے قربانی کرنا اور ان کے نام کی قسم کھانا، اور ضروری امور میں ان کی قدرت کُن فیکون سے مدد لینا جائز سمجھتے تھے، انھوں نے پتھر، پتیل اور سیسہ وغیرہ کی مورتیں بنا کر ان (بندگان خاص) کی روحوں کی طرف متوجہ ہونے کا ایک وسیلہ قرار دیا تھا،

لیکن رفتہ رفتہ جہلاء نے ان پتھروں ہی کو اپنا اصلی معبود سمجھنا شروع کر دیا
اور خلطِ عظیم واقع ہوا۔

نیز حجتہ الشریبہ اللغز میں لکھتے ہیں :-

”شُرک کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کسی ایسے شخص کے بارے میں جو قابلِ تعظیم سمجھا جاتا ہے، یہ عقیدہ رکھے کہ اس سے جو غیر معمولی افعال و واقعات ظہور پذیر ہوتے ہیں، وہ اس بناء پر ہیں کہ وہ شخص صفات کمال میں سے کسی ایسی صفت کے ساتھ متصف ہے جس کا مشاہدہ نوع انسانی کے افراد میں نہیں ہوا، وہ صفت واجب الوجود جل مجدہ کے ساتھ مخصوص ہے، اس کے سوا کسی میں نہیں پائی جاتی، اس کی چند ہی شکلیں ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ وہ واجب الوجود اپنے کسی مخلوق کو خلعت الوہیت سے سرفراز کرے، یا وہ مخلوق ذات الہی میں فنا ہو کر باقی بالشر بن کر رہ جائے، یا اسی طرح کی کوئی شکل ہو اس عقیدہ کے حامل نے اپنی طرف سے گڑھ لی ہو، حدیث میں مشرکین کے جس تلبیہ (حج میں بٹیک بٹیک کہنا) کے الفاظ نقل کئے گئے ہیں وہ اسی عقیدہ کا ایک نمونہ اور اس کی مثال ہے، حدیث میں آتا ہے کہ مشرکین عرب (جاہلیت میں اور اسلام قبول کرنے سے پہلے) ان لفظوں میں بیک کہتے تھے:

لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ، خدایا! حاضر ہوں، حاضر ہوں!

إِلَّا شَرِيكَاهُ وَلَكَ، نَمْلَكَ، تیرا کوئی شریک نہیں، سوائے اس

وَمَمْلَكَ۔ شریک کے جو تیرا بندہ خاص ہے تو

اس کا بھی مالک ہے اور اس کی ملکوت
کا بھی مالک۔

اسی بناء پر یہ عقیدہ اس سستی کے لئے (جس کو وہ خدا کے بعض صفات کا حامل اور خلعت الوہیت سے سرفراز سمجھتا ہے) اپنے انتہائی تذلل اور فروتنی کا اظہار کرتا ہے اور اس کے ساتھ وہ معاملہ کرتا ہے جو بندوں کو خدا کے ساتھ کرنا چاہئے۔
حجۃ الشریعہ میں ایک دوسری جگہ مشرکین کے شرک کی حقیقت بیان کرتے ہوئے اور اس بات کی وضاحت فرماتے ہوئے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے بارے میں ان کے اور مسلمانوں کے درمیان (جو صحیح عقیدہ کے حامل ہیں) کئی باتوں پر اتفاق تھا، مشرکین عرب وجود باری اور اس کی یگانہ شان اور قدرت مطلقہ کے منکر نہیں تھے، صرف بعض صفات اور اختیارات میں وہ (خدا ہی کی مرضی اور نشانے) اس کے بعض مقرربین و محبوبین کو شریک اور صاحب اختیار سمجھتے تھے اور اس لئے ان کے ساتھ عبودیت اور بندگی کا معاملہ کرتے تھے، باب التوحید کے عنوان کے ماتحت تحریر فرماتے ہیں:-

”مشرکین اس بارے میں مسلمانوں ہی کے ہم خیال اور ہم عقیدہ تھے کہ امور عظام کے سرانجام اور جس چیز کا اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائیں اور اس کا ارادہ قطعی ہو جائے تو اس میں کسی غیر کا اختیار باقی نہیں رہتا، باقی دوسرے امور میں انھوں نے مسلمانوں سے الگ راستہ اختیار کیا تھا، ان کا خیال تھا کہ زمانہ ماضی کے صلحاء نے عبادت کی کثرت کی اور خدا کا قرب حاصل کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو الوہیت کا خلعت عطا فرمایا، اس بناء پر وہ خدا کے دوسرے بندوں کی عبادت کے

مستحق بن گئے، جیسے شہنشاہ کا کوئی (مزاج داں) غلام بادشاہ کی خدمت کا حق ادا کر دے تو شہنشاہ اس کو بادشاہی کا خلعت عطا فرماتا ہے اور اپنے ملک کے کسی شہر کا انتظام اس کے سپرد کر دیتا ہے تو اس طرح وہ شہر کے باشندوں کی سننے اور بات ماننے کا مستحق ہو جاتا ہے، وہ اس بات کے قائل تھے کہ خدا کی بندگی جب ہی قبول ہو سکتی ہے، جب ایسے مقبول اور برگزیدہ بندوں کی غلامی بھی اس میں شامل ہو، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں سے اس قدر بالا و برتر ہے کہ براہ راست اس کی عبادت کچھ کارگر اور اس کی وہاں رسائی نہیں ہے، ضروری ہے کہ ان مقربانِ بارگاہِ الہی کی عبادت کی جائے تاکہ وہ اللہ تک پہنچا دیں، وہ کہتے تھے کہ یہ (مقربین) سنتے، دیکھتے اور اپنے بندوں کی سفارش کرتے ہیں، اور ان کے معاملات کا انتظام کرتے اور ان کی مدد کرتے ہیں، انھوں نے ان کے ناموں پر پتھر تراشے اور ان کو اپنا قبیلہ تو جبر بنالیا، بعد میں وہ لوگ آئے جو ان بتوں اور جن کے نام پر یہ بت تھے، ان کے درمیان فرق کو نہیں سمجھ سکے، اور انھوں نے ان کو بذات خود مہمود سمجھ لیا۔

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

”مشرکین غیب اس کے قائل تھے کہ اللہ تعالیٰ کا آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں کوئی شریک نہیں، اسی طرح ان دونوں کے درمیان جو اجسام و اشیاء ہیں ان کی خلقت میں بھی کوئی اس کا شریک نہیں، نیز اہم امور کے سرانجام میں بھی کسی کی شرکت نہیں، اس کے فیصلہ کو کوئی ٹالنے والا، اور اس کے حکم قطع کو کوئی

روکنے والا نہیں، اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:-

وَلَيْنَ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ
اگر تم ان مشرکین سے پوچھو کہ آسمان
وزمین کس نے پیدا کیا تو وہ یقیناً کہیں گے
(لقمن - ۲۵) کہ اللہ نے۔

قرآن خود شہادت دیتا ہے کہ یہ مشرکین خدا کو مانتے تھے اور اس سے دعا بھی کرتے تھے۔
بَلْ اِيَّاكَ تَدْعُوْنَ (الانعام - ۴۱) بلکہ اسی سے مانگتے ہو۔
نیز فرماتا ہے:-

صَلِّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّا اِيَّاكَ۔ اسی سے دعا کرنا کام بناتا ہے،
(الاسراء - ۶۷) دوسروں سے دعا بیکار جاتی ہے۔

حقیقت میں ان مشرکین کی گمراہی اور بے دینی یہ تھی کہ ان کا اعتقاد تھا کہ کچھ فرشتے
اور ارواح ہیں جو (بڑے امور کو چھوڑ کر) اپنے پرستار کے ان جزئی و ضمنی مسائل
کو سنبھال لیتے ہیں اور ان کا کام کر دیتے ہیں جن کا تعلق اس کی ذات اولاد اموال
واملاک سے ہے، ان کے نزدیک ان کا خدا کے ساتھ ایسا ہی تعلق ہے جیسے کسی
ناز پروردہ غلام کا شہنشاہ سے اور سفارشیوں اور مصاحبوں کا باجبروت
بادشاہ سے ہوتا ہے، شرائع الہی میں جو کہیں اس بات کا تذکرہ آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ
نے بعض کام بعض فرشتوں کے سپرد کر دیئے ہیں، یا یہ کہ مقربین کی دعائیں قبول
ہوتی ہیں ان جاہلوں نے اسی کو بنیاد بنا کر ان کو ایسا صاحب اختیار اور
صاحب تصرف مان لیا، جیسے خود بادشاہ بنفس نفیس ہوتے ہیں،
حالانکہ یہ قیاس الغائب علی الشاہد تھا، اور اسی سے ساری خرابی

اسی طرح شاہ صاحب نے عوام اور خواص مشابہ عوام کے بہت سے مشترک عقائد و اعمال کی جڑ پکڑ لی اور اس مغالطہ کا پردہ چاک کیا جس کی وجہ سے بہت سے جہلاء اور تدعیان علم ان اعمال و رسوم، شعائر شرک، نذر و ذبح، بغیر اللہ بزرگوں کے نام پر روزے رکھنے، اولیاء و صاحبین سے دعا و التجا، خوف ورجاء، استمداد و استعانت ان کے مقامات دفن اور ان سے نسبت رکھنے والی چیزوں کی حرم شریف اور بیت اللہ کی طرح تعظیم کرنے اور ان کے لئے انھیں آداب کو مری رکھنے، ان کے جزئی تصرف فی الکائنات انسان کی شقاوت و سعادت، مرض و صحت، فراخی رزق و تنگی میں مؤثر ہونے کے عقیدہ مشرکانہ میں گرفتار اور "فَاعْبُدِ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ" پر عمل کرنے اور انابت و اخبات، توکل علی اللہ اور انقطاع الی اللہ کی جیسی بیش بہا دولت سے محروم تھے اور جن کے بعض احوال سن کر اور اعمال دیکھ کر بے اختیار قرآن مجید کی آیت یاد آتی تھی:-

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ

إِلَّا دَهُمُ مُشْرِكُونَ ۝ (یوسف: ۱۰۶) (اس کے ساتھ) شرک کرتے ہیں۔

شاہ صاحب اور ان کے اخلاف کا اگر اس عقیدہ توحید کی تجدید اس کی تنقیح و توضیح اس کی اشاعت و ترویج اور اس کے سلسلہ کی غلط فہمیوں کے رفع کرنے کے سوا کوئی کارنامہ نہ ہوتا، تو تنہا یہی کارنامہ ان کو مجتہدین امت میں شمار کرنے کے لئے کافی تھا، چہ جائیکہ ان کے اور متعدد کارنامے ہیں جن کی آئندہ صفحات میں وضاحت کی جائیگی۔

۱۔ حجة البیان باب ما کان علیہ حال أهل الجاهلیة فاصلہ اللہ ج ۱ ص ۱۲۵

عقائد کی تفہیم و تشریح کتاب و سنت کی روشنی میں اور صحابہ و سلف کے مسلک کے مطابق

شاہ صاحب کے اس بنیادی تجدیدی کارنامہ کے اسوجس کا تعلق عاتقہ المسلمین اور پورے مسلم معاشرہ سے تھا، اور جس کے بغیر ہدایت و نجات مشتبہ اور نصرت و تائید الہی محال تھی، ایک ضمنی، علمی و اصلاحی کارنامہ یہ تھا کہ آپ نے عقائد کی تشریح و تفہیم کا کام کتاب و سنت کی روشنی میں انجام دیا اور اس بارے میں صحابہ اور سلف کے مسلک و ذوق کے مطابق عمل کرنے کی دعوت دی، اور خود اس کا آغاز کر کے اس کا علمی نمونہ پیش کیا، عالم اسلام کے علمی حلقوں کو عرصہ سے ایسے نابغہ روزگار مفکرین اور پابند لصوص مجتہدین کی ضرورت تھی، جو فلسفہ اور فلسفیوں کے آراء و نظریات سے (جن کا خود علم کلام پر پورا اثر پڑ چکا تھا) آنکھیں ملا کر بات کریں، قرآن پر اس طرح ان کا ایمان ہو، جس طرح وہ نازل ہوا خدا تعالیٰ کے صفات و افعال کو وہ بغیر کسی تحریف و تاویل کے ویسا ہی مانتے ہوں جیسا وہ خود ان کے بارے میں فرماتا ہے، اور ان حقائق کی ایسی تفسیر کرتے ہوں جن کا ایک طرف علم و دلائل شرعی مؤید ہوں، دوسری طرف عقل و منطق بھی ان کو تسلیم کرتے ہوں، یہ دانش کدہ قرآنی، اور دبستان علوم بنوئی سے فیض پانے والے علمائے حق ہی ہو سکتے تھے، جو علوم حکمت اور شکرانہ مؤثر گافیوں سے پوری طرح واقف ہونے کے ساتھ عقائد میں کتاب الشرا و سنت متواترہ کے پابند تھے، اور خدا تعالیٰ پر انھیں صفات کے ساتھ ایمان و عقیدہ رکھتے تھے، جو اس نے اپنی کتاب میں بیان فرمائی ہیں، ایک حدیث میں علمائے حق کی جو تعریف آئی ہے وہ ان پر پورے طور پر صادق تھی۔

ینفون عن هذا الدین تحریف وہ غالی لوگوں کی تحریف باطل پرستوں

الغالبین، وانتحال المبتطلین کے غلط انتساب اور جاہلوں کی تاویل

وتأویل الجاہلین۔ سے دین کی حفاظت کرتے ہیں۔

ان علماء اسلام سے کوئی دور خالی نہیں رہا، ان نمایاں شخصیتوں میں ٹھوس صدی ہجری کے عالم جلیل شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ حرانی (م ۷۲۸ھ) ان کے بعد ان کے تلمیذ رشید علامہ ابن قیم جوزیہ صاحب زراۃ المعاد (م ۷۵۱ھ) اور اس مسلک پر چلنے والے بعض دوسرے جلیل القدر علماء ہیں جن کی فہرست زیادہ طویل نہیں۔

امام ابن تیمیہ کے بعد اگر اس سلسلہ میں کسی کا نام پوسے اعتماد کے ساتھ لیا جاسکتا ہے اور اس کا کام اہل علم کے سامنے ہے تو وہ حضرت شاہ ولی اللہ ہیں، وہ عقائد کی تشریح و فہم اور اس کو سلف کے فہم و مسلک کے مطابق پیش کرنے کی پوری صلاحیت رکھتے تھے اس لئے کہ انھوں نے ایک طرف یونانی فلسفہ کا گہرا اور وسیع مطالعہ کیا تھا، اور علم کلام کا پورا سرمایہ ان کی نظر کے سامنے بلکہ ان کی دسترس میں تھا، دوسری طرف وہ قرآن کے دقیق النظر مفسر، علم حدیث کے ماہر خصوصی اور اسرار و مقاصد شریعت کے راز داں تھے، اس لئے وہ نفیثہ اور تاویل کے درمیان راہ اعتدال پر قائم ہیں ان کی کتاب العقیدۃ المحسنۃ^۱ مطالعہ کی گہرائی

لے بروایت یہی، حدیث کے الفاظ یوں ہیں: "یحمل هذا العلم من كل خلف عدوله ينفون عنه

تحريف الغالبين" ۲۔ یہ کتاب "العقیدۃ المحسنۃ" کے نام سے فارسی میں مطبع مفید عام آگرہ سے

طبع ہوئی، دارالعلوم ندوۃ العلماء کے فاضل استاد تفسیر مولانا محمد اویس ندوی نگرانی مرحوم نے اس کو

اپنی شرح اور مفید حواشی کے ساتھ (جو خود شاہ حجت کی دوسری تصنیفات سے ماخوذ ہیں) اس کو

"العقیدۃ السنیۃ" کے نام سے مرتب کیا، اور راقم مطبوعہ کے مقدمہ کے ساتھ مطبع دارالعلوم ندوۃ العلماء

۳۸۲/۱۹۶۳ء میں شائع ہوئی، مصنف کی کتاب "العقیدۃ والعبادۃ والسلوک" اور اس کے (باقی صفحہ)

اور عبارت کی سلاست و روانی دونوں کی جامع ہے، یہ کتاب علم توحید (جس کو عام طور پر علم کلام سے موسوم کیا جاتا ہے) کا ایک ایسا متن ہے جس میں اہل سنت کے عقائد کا وہ نُت باب آگیا ہے جس سے ہر اس تعلیم یافتہ مسلمان کو واقف ہونا چاہئے جو اپنے تئیں اہل سنت میں شمار کرتا ہو، اور ان کے عقائد کو اپنا شعار بنانا چاہتا ہو۔

شاہ صاحب اپنے رسالہ ”وصایا“ میں (جو فارسی زبان میں ہے) لکھتے ہیں :-

اول وصیت این فقیر خجک زدن	اس فقیر کی پہلی وصیت یہ ہے کہ
است بکتاب سنت در اعتقاد	اعتقاد و عمل میں کتاب و سنت کو
و عمل پیوستہ بتدبیر ہر دو مشغول	مضبوط ہاتھوں سے تھا جائے
شدن و در عقائد مذہب	اور ہمیشہ ان پر عمل کیا جائے
قداء اہل سنت اختیار کردن	عقائد میں تقدّمین اہل سنت کے
و آں را تفصیل و تفتیش انچہ سلف	مذہب کو اختیار کیا جائے اور
تفتیش نکردند اعراض نمودن	(صفات و آیات تشابہات)
و بہ تشکیکات خام معقولیان	کے سلسلہ میں سلف نے جہاں تفصیل
اتفات نکردن۔	و تفتیش سے کام نہیں لیا، ان سے
	اعراض کیا جائے اور معقولیاں خام

(باقی صفحہ ۱۶۶ کا) ترجمہ و تنویر حیات میں اس کا خلاصہ آگیا ہے ”تفہیمات میں“ العقیدۃ الحسنۃ“ کا مضمون پورا آگیا ہے، غالباً اسی سے لے کر اس کو علیحدہ رسالہ کی شکل میں شائع کیا گیا (ملاحظہ ہو التفہیمات الإلهیۃ، ج ۱ صفحہ ۱۶۶-۱۶۸)۔ شاہ محمد نے اس رسالہ کا نام جو فارسی میں ہے ”المرآۃ الوضیۃ فی النصیحة والوصیۃ“ رکھا تھا، یہ شاہ صاحب کے بعض دوسرے رسائل کے مجموعہ میں بھی شامل ہے۔

کی تفکیکات کی طرف التفات نہ کیا جائے۔

شاہ صاحب کے اسماء و صفات کے بابے میں ذوق و مسلک کا کسی قدر اندازہ
اس اقتباس سے ہوگا جو یہاں پیش کیا جاتا ہے:-

مخدا اس سے بالا اور برتر ہے کہ وہ عقل یا حواس سے دریافت ہو سکے،
یا اس میں صفتیں اس طرح موجود ہوں کہ جس طرح حواض جوہر میں ہو کر
پائے جاتے ہیں، یا وہ اس طرح ہوں جن کو عام عقلیں اور اک کر سکیں یا متعارف
الفاظ ان کو ادا کر سکیں، یا انہیں یہ بھی ضروری ہے کہ لوگوں کو بتا بھی دیئے
جائیں، تاکہ جہاں تک انسانیت کی تکمیل ہو سکتی ہے ہو جائے، ایسی حالت
میں اس سے چارہ نہیں کہ ان صفتوں کا استعمال ان معنوں میں کیا جائے کہ
ان کے نتائج اور لوازم سمجھ لئے جائیں مثلاً ہم خدا کے لئے رحمت ثابت
کرتے ہیں، اس سے مقصود احسانات کا فیضان ہے، دل کی خاص کیفیت
نہیں (جس کو اصل میں رحمت کہتے ہیں) اسی طریقہ سے خدا کی وسعت
قدرت کے اظہار کے لئے مجبوراً ہم کو وہ الفاظ استعارۃ استعمال کرنے
پڑیں گے جو انسانوں کی قدرت و قوت کے لئے بولے جاتے ہیں، کیونکہ ان
معانی کے ادا کرنے کے لئے ہمارے پاس اس سے بہتر الفاظ نہیں اور اسی طرح
تشبیہا بہت سے الفاظ بولے جائیں گے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ ان سے
حقیقی معنی مراد نہ ہوں، بلکہ وہ معانی جو خدا کی ذات کے لائق اور مناسب
ہیں..... تمام آسمانی مذاہب کا اس پر اتفاق ہے کہ صفات اسی طریقہ پر

بولے گئے ہیں، اور اس پر کہ یہ الفاظ اسی طرح بولے جائیں، اور اس کے علاوہ کوئی اور بحث و کاوش نہ کی جائے، اور یہی مذہب اس زمانہ کا تھا جس کے خیر و برکت کی شہادت دی گئی ہے (یعنی تبع تابعین کے عہد تک) اس کے بعد کہ ایسے لوگ مسلمانوں میں پیدا ہو گئے، جنہوں نے بغیر کسی نقص قطعی اور دلیل مستحکم کے ان مسائل میں فکر و کاوش شروع کر دی۔

صدیوں سے عالم اسلام میں بالخصوص ان ملکوں میں جو علمی، عقلی اور درسی طور پر ایران کے زیر اثر تھے، جن متکلمانہ موٹگافیوں، صفات کی دوراز کا رتا ویلات جن سے نتیجہ وہ معطل اور بے معنی بن کر رہ جاتی ہیں، اور فلسفہ یونان سے ذہنی غلامی کی حد تک مرعوبیت کا دور دورہ تھا، اور سلف کے متعلق ان کا خیال استخفاف تک پہنچا ہوا تھا، جو بہت احتیاط و انصاف سے کام لیتے تھے وہ کہتے تھے "مذہب السلف أسلم و مذهب الخلف اعلم" (سلف کے مسلک میں احتیاط اور خلف کی تحقیقات میں علم کی شان ہے) اس پس منظر میں شاہ صاحب کی یہ خدمت و جہد ایک مجتہدانہ اور مجتہدانہ کا زامہ ہے۔ اسما و صفات کے بارے میں سلف کے مسلک کی تائید، فلاسفہ شکلیین (جنہوں نے دوراز کا رتا ویلات سے کام لیا اور ان کے اقوال صفات کے بارے میں تعطیل و نفی صفات کے حدود کو چھوتے ہوئے بعض اوقات نظر آتے ہیں) عدم مناسبت اور حدیث و سنت کی محبت و تعظیم نے ان کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی طرف سے دفاع اور ان کی جلالیت شان کے اعتراف پر آمادہ کیا، جن کی ذات ان آخری صدیوں میں بڑی متنازع فیہ بلکہ

لے حجة الله الباقية۔ جلد اول ص ۶۳۰ باب الايمان بصفات الله۔ ترجمہ منقول از رسالہ اہل السنۃ والجماعۃ

مطاعن اور شبہات کا ہدف بن گئی تھی، شاہ صاحب نے بڑے بلند الفاظ میں ان کی تعریف فرمائی اور ان کی طرف سے دفاع کیا، وہ "تفہیمات الہیہ" میں فرماتے ہیں :-

ولیس شیئ منها الا ومعه دلیله	شیخ الاسلام کے اقوال میں کوئی چیز
من الکتاب والسنة واثار السلف	ایسی نہیں ہے جس کے لئے ان کے پاس
فمثل هذا الشیخ عزیز الوجود	کتاب سنت اور آثار سلف میں سے
فی العالم، ومن یطیق أن	کوئی دلیل نہ ہو، ایسا عالم دنیا میں
یلحق شأوه فی تحریرہ وتقیرہ	عزیز الوجود ہے، کون ایسا شخص ہے
والذین ضیقوا علیہ ما بلغوا	جو تحریر و تقریر میں ان کے مرتبہ کو
مشاروا اتالا الله تعالیٰ	پہنچنے کی قابلیت رکھنا ہو، جن

لوگوں نے ان پر اعتراضات کی بوجھار
کی ہے ان کو ان کے کمالات کا
دسواں حصہ بھی نصیب نہیں۔



باب ششم

حدیث و سنت کی اشاعت و ترویج اور فقہ و حدیث میں تطبیق کی دعوت و سعی

حدیث کی اہمیت اور ہر ملک و ہر دور میں اس کی ضرورت
ہندوستان کے تختی براہم، بلکہ حقیقتاً دور اخیر میں (جو بارہویں صدی ہجری کے
وسط سے شروع ہو کر اس وقت تک قائم ہے) شاہ صاحب نے حدیث کی ترویج و اشاعت
درس حدیث کے احیاء و فن حدیث کے ساتھ اعتناء اور اس موضوع پر اپنی محققانہ
و مبصرانہ تصنیفات کے ذریعہ ایسا عظیم تجدیدی کارنامہ انجام دیا جو ان کے صحیفہ
تجدید اور کتاب زندگی کا ایک ہم اور روشن باب ہے اور جو ان کے دوسرے علمی کمالات
اور دینی خدمات پر ایسا غالب آیا کہ محدث دہلویؒ ان کے نام کا جزو اور ان کے
تعارف کا عنوان بن گیا، اور زبان و قلم پر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ جاری
اور ساری ہو گیا۔

لیکن اس کارنامہ کی تاریخ اور تفصیل بیان کرنے سے پہلے اس کارنامہ کی عظمت
سمجھنے کے لئے، اس کی ضرورت ہے کہ پہلے یہ معلوم کیا جائے کہ حدیث دین شریعت کے
نظام، اسلام کو اپنی صحیح شکل میں باقی رکھنے کی کوششوں اور اسلامی مزاج و ماحول کا

تشکیل و حفاظت میں کیا حیثیت رکھتی ہے؟ اس کی اشاعت و حفاظت ہر دور اور ہر ملک میں (جہاں مسلمان آباد ہوں) کیوں ضروری ہے اور اس سے تغافل، جہل یا انکار کن خطرات کا حامل اور کیسے عظیم نقصانات کو اپنے جلو میں لئے ہوئے ہے، اس علم کا کسی عہد یا ملک سے ختم یا فراموش ہو جانا کون سا خلاء پیدا کرتا ہے، جو کسی اور چیز سے پُر نہیں ہو سکتا، اس کی وضاحت کے لئے مصنف اپنے ہی ایک رسالہ کا ایک تقباس پیش کرے گا جس میں اس حقیقت کو پورے طور پر واضح اور ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

حدیث امت کے لئے صحیح میزان و معیار

”حدیث نبویؐ ایک ایسی صحیح میزان ہے جس میں ہر دور کے مصلحین و مجددین اس امت کے اعمال و عقائد، رجحانات و خیالات کو تولد کتے ہیں اور امت کے طویل تاریخی و عالمی سفر میں پیش آنے والے تغیرات و ماحولیات سے واقف ہو سکتے ہیں، اخلاق و اعمال میں کامل اعتدال و توازن اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتا جب تک قرآن و حدیث کو بیک وقت سامنے نہ رکھا جائے، اگر

لے یہ سال جس کا نام عربی میں ”دور الحدیث فی کتب النسخ الاسلامی و حیانتہ“ ہے، اعداد و میل اس کا ترجمہ ”اسلامی مزاج و ماحول کی تشکیل و حفاظت میں حدیث کا بنیادی کردار کے نام سے شائع ہوا ہے، حقیقتاً وہ مضمون ہے جس سے مصنف نے سنہ ۱۴۱۲ھ کے رابطہ عالم اسلامی کے دورِ محاضرات کا مکمل معجزہ میں افتتاح کیا، اور وہ مضمون ۶ ارڈی قدمہ سنہ ۱۴۱۲ھ (۱۳ ستمبر ۱۹۹۱ء) کو مکملہ میں اہل علم کے ایک مجمع کے سامنے پڑھا گیا

انگریزی میں بھی یہ رسالہ — ROLE OF HADITH IN THE PROMOTION OF ISLAMIC —

CLIMATE & ATTITUDES — کے نام سے مجلس تحقیقات و نشریات اسلام کی طرف سے شائع ہو گیا ہے۔

حدیث نبوی کا وہ ذخیرہ نہ ہوتا جو مستدل کامل و متوازن زندگی کی صحیح نمائندگی کرتا ہے، اور وہ حکیمانہ نبوی تعلیمات نہ ہوتیں اور یہ احکام نہ ہوتے جن کی پابندی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلامی معاشرہ سے کرائی تو یہ امت افراط و تفریط کا شکار ہو کر رہ جاتی، اور اس کا توازن برقرار نہ رہتا، اور وہ عملی مثال نہ موجود رہتی جس کی اقتداء کرنے کی خدا تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں ترغیب دی ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ
أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب-۲۱) یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اسوۂ حسنہ ہے۔

اور یہ فرما کر آپ کے اتباع کی دعوت دی ہے:-

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي
يُحِبُّكُمْ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ
آل عمران-۳۱) آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے تو میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرے گا، اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔

یہ ایک ایسا عملی نمونہ ہے جس کی انسانوں کو ضرورت ہے اور جس سے وہ زندگی اور قوت و اعتماد حاصل کر سکتا ہے اور یہ اطمینان کر سکتا ہے کہ دینی احکام کا زندگی پر نفاذ نہ صرف آسان، بلکہ ایک امر واقعہ ہے۔

حدیث نبوی زندگی، قوت اور اثر انگیزی سے بھرپور ہے اور ہمیشہ اصلاح و تجدید کے کام، فساد اور خرابیوں اور بدعتوں کے خلاف صفت آرا، اور پیر جگ ہونے اور معاشرہ کا احتساب کرنے پر ابھارتی رہی ہے اور اس کے اثر سے ہر دور اور ہر ملک میں

ایسے افراد پیدا ہوتے رہے جنہوں نے اصلاح و تجدید کا جھنڈا بلند کیا، کفن بردوش ہو کر میدان میں آئے اور بدعتوں و خرافات اور جاہلی عادتوں سے کھلی جنگ کی اور دین خالص اور صحیح اسلام کی دعوت دی، اسی لئے حدیث نبوی امت اسلامیہ کے لئے ایک ناگزیر حقیقت اور اس کے وجود کے لئے ایک لازمی شرط ہے اس کی حفاظت ترتیب و تدوین، حفظ اور نشر و اشاعت کے بغیر امت کا یہ دینی و ذہنی، عملی و اخلاقی دوام و تسلسل برقرار نہیں رہ سکتا تھا۔

تاریخ اسلام میں اصلاح و تجدید کی تحریکیں علم حدیث سے وابستہ ہیں

سنت نبوی اور حدیث نبوی کے مجموعے ہمیشہ اصلاح و تجدید اور امت اسلامیہ میں صحیح اسلامی فکر کا سرچشمہ رہے ہیں، انہیں سے اصلاح کا بیڑا اٹھانے والوں نے تاریخ کے مختلف دوروں میں صحیح علم دین اور خالص فکر اسلامی اخذ کیا، انہیں احادیث سے انہوں نے استدلال کیا اور دین و اصلاح کی دعوت میں وہی ان کی سند اور ان کا ہتھیار اور سپر تھی، بدعتوں، فتنوں اور شر و فساد سے جنگ و مقابلہ کے معاملہ میں وہی قوتِ محرکہ و دافعہ تھی، آج جو بھی مسلمانوں کو دین خالص اور اسلامِ کامل کی طرف آنے کی پھر دعوت دینا چاہتا ہے اور ان کے اور نبوی زندگی اور کامل اسوہ کے درمیان تعلق استوار کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اور جس کو بھی ضرورت اور زمانہ کے تغیرات نئے احکام کے استنباط کرنے پر مجبور کرتے ہیں، وہ اس سرچشمہ سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔

اس حقیقت پر اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی حدیث و سنت کی

کتابوں سے مسلمانوں کے تعلق اور واقفیت میں کمی آئی، اور طویل مدت تک یہ کمی باقی رہی تو داعیوں اور اخلاق کی تربیت، نفوس کا تزکیہ کرنے والے روحانی مربیوں کی کثرت دنیا میں زہد اختیار کرنے اور کسی حد تک سنت پر عمل کرنے کے باوجود اس مسلم معاشرہ میں جو علوم اسلامیہ کے ماہرین، اور فلسفہ و حکمت کے اساتذہ فن اور ادباء و شعراء سے مالا مال تھا، اور اسلام کے قوت و غلبہ اور مسلمانوں کی حکمرانی میں زندگی گذ رہا تھا، نیت نئی بدعتوں، عجمی رسم و رواج، اور اجنبی ماحول کے اثرات نے اپنا تسلط قائم کر لیا، یہاں تک کہ اندیشہ ہونے لگا کہ وہ جاہلی معاشرہ کا دوسرا ایڈیشن اور اس کا مکمل عکس بن جائیگا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئی اور حدیث حریف بکرت صحیح ثابت ہوئی۔

لَتَتَّبِعَنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ شَبْرًا تم پچھلی امتوں کے راستوں پر قدم بھدما
بشیر و ذرا غابذ راجع۔ (متحدک حاکم) چلو گے۔
اس وقت اصلاح کی آواز خاموش اور علم کا چراغ ٹھٹھانے لگا۔

دسویں صدی ہجری میں ہندوستان کے دینی حالات اور مسلمانوں کی زندگی کا جائزہ لیجئے جبکہ برصغیر ہند کے علمی و دینی حلقوں کا حدیث شریف اور سنت کے صحیح و اخذ و مراجع سے تعلق تقریباً منقطع ہو گیا تھا، علم دین کے مراکز، اور حجاز و یمن، مصر و شام کے ان مدارس سے جہاں حدیث شریف کا درس ہوتا تھا کوئی رابطہ نہ تھا، اور کتب فقہ، اصول اور ان کی شروح اور فقہی باریکیوں اور موشگافیوں اور حکمت و فلسفہ کی کتابوں کا عام چلن تھا، آسانی دیکھا جاسکتا ہے کہ کس طرح بدعتوں کا دور دورہ تھا، منکرات عام ہو گئے تھے اور عبادتوں اور تقرب الی اللہ

کی کتنی نئی شکلیں اور نئے طریقے ایجاد کر لئے گئے تھے۔

راقم الحروف نے "تایخ دعوت و عزیمت" کے حصہ چہارم میں دسویں صدی ہجری کے ایک مشہور و مقبول شیخ طریقت شیخ محمد غوث گویاریؒ کی کتاب "جواہر خمسہ" کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"گجرات کو مستثنیٰ کر کے جہاں علمائے عرب کی تشریف آوری اور جرمن شریفین کی آمد و رفت کی وجہ سے حدیث کی اشاعت ہو چکی تھی اور علامہ علی متقی برہان پوری اور ان کے نامور شاگرد علامہ محمد طاہر مٹھی پیدا ہوئے تھے (دسویں صدی ہجری میں ہندوستان صلیح ستہ اور ان مصنفین کی کتابوں سے نا آشنا تھا جنہوں نے نقد حدیث اور رد بدعت کا کام کیا، اور سنت صحیحہ اور احادیث ثابتہ کی روشنی میں زندگی کا نظام العمل پیش کیا، ہندوستان کے ان مقامی روحانی فلسفوں و تجربوں کا اثر اپنے زمانہ کے مشہور و مقبول شطاری بزرگ شیخ محمد غوث گویاریؒ کی مقبول کتاب "جواہر خمسہ" میں دیکھا جاسکتا ہے جس کی بنیاد زیادہ تر بزرگوں کے اقوال اور اپنے تجربات پر ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صحیح احادیث کے ثابت ہونے یا معتبر کتب شامل و سیر سے اخذ کرنے کو ضروری نہیں سمجھا گیا، اس میں نماز، احزاب، صلوٰۃ العاشقین، نماز تنویر القبر اور مختلف مہینوں کی مخصوص نمازیں اور دعائیں ہیں جن کا حدیث و سنت سے کوئی ثبوت نہیں ہے۔"

یہ صرف "جواہر خمسہ" کی خصوصیت نہیں، بزرگوں کے ملفوظات کے غیر مستند مجموعوں میں اس کی متعدد مثالیں مل سکتی ہیں، مشائخ کے لئے سجدہ تعظیمی کا

عام رواج تھا، قبروں کو کھلے طریقہ پر بگاڑا گیا تھا، ان پر چراغ جلائے جاتے تھے، چادریں چڑھائی جاتی تھیں، ان کے گرد و پیش کا ادب حرم کی طرح کیا جاتا تھا، عرس و فاتحہ کے نام سے طرح طرح کے جشن منائے جاتے تھے، جن میں بہت بڑی تعداد عورتوں کی ہوتی تھی، صلوٰۃ غوثیہ، صلوٰۃ معکوس، نذر غیر اللہ، اولیاء و صلحاء کے نام پر، اور ان کی رضامندی کی نیت سے ذبح و قربانی، غیر اللہ کے نام پر روزہ، اور ایسی کتنی بدعات (جن کے حدود و شرک سے مل جاتے تھے) مقبول عام و خاص تھیں، اولیاء و صالحین کے ایام پیدائش و وفات پر جلے کئے جاتے تھے، اور میلے لگتے تھے۔

اگر علماء اسلام کی دسترس میں کتب حدیث نہ ہوتیں، اور سنتوں و بدعتوں میں تفریق و امتیاز کا یہ معتبر و سہل ذریعہ نہ ہوتا تو شیخ الاسلام ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) کے عہد سے حکیم الاسلام شاہ ولی صاحب (م ۱۱۱۸ھ) کے عہد تک مصلحین امت اور دین خالص کے مبلغین کا یہ سلسلہ وجود میں نہ آتا، اور مصلحین روزگار اور صحیح عقائد و اصلاح رسوم کے علمبردار نظر نہ آتے۔

دسویں اور گیارہویں صدی ہجری میں افغانستان (کابل و ہرات و غزنی) کے علماء کے حالات پڑھئے، اور ان کی تصنیفات دیکھے، حمایت سنت اور رد بدعت، علمی تحقیق اور مسائل کی تنقیح کا رنگ بہت کم نظر آئیگا، دفعۃً علامہ ملا علی قاری (علی بن سلطان محمد ہروی م ۱۰۱۳ھ) کی شخصیت سامنے آتی ہے، جنہوں نے حجاز جاکر وہاں کے محدثین عظام اور اساتذہ کبار سے کتب حدیث کا درس لیا، اور اس میں کمال پیدا کیا، کتب حدیث و فقہ کی شرح مسائل کی

رجح، اور اپنے زمانہ کی بعض بدعات کی بلارو رعایت تردید میں ان کا یہ مصلحانہ
 و محققانہ رنگ صاف جھلکتا ہے، ان کو ان کے مطالعہ و تحقیق، اور حق گوئی اور
 صاف پسندی نے اس مقام تک پہونچا دیا کہ انھوں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ
 کی حمایت کی، اور اس کی شہادت دی کہ وہ اکابر اہل سنت و جماعت اور
 دیارِ امت میں سے تھے، یہی حال متعدد عرب ممالک عراق، شام، مصر،
 تونس، الجزائر، مراکش وغیرہ کا ہے۔

علم حدیث اور عرب

فلسفہ تاریخ اسلام کا یہ نکتہ ہے کہ جن ملکوں میں اسلام عربوں کے ذریعہ سے پہونچا،
 وہاں حدیث کا علم بھی اسلام کے ساتھ پھیلا اور پھلا پھولا کہ اس کو عربوں کے مزاج، ان کی
 قوت حفظ، ان کی عملیت، حقیقت پسندی، اور ذات نبوی سے گہری وابستگی سے خاص نسبت
 تھی، وہ جہاں گئے اپنے ساتھ علم حدیث بھی لے گئے، اور ان کی قیادت کے دور اور اثر و نفوذ
 کے حلقہ میں اس کے ساتھ پورا اغنا کیا گیا، اور اس کے درس اور اس کے مختلف پہلوؤں پر
 تصنیف و تالیف کا سلسلہ پوری سرگرمی سے جاری رہا، یمن، حضرموت، مصر و شام، عراق
 شمالی افریقہ اور اندلس (اسپین) جیسے ملکوں کا یہی حال ہے، خود ہندوستان میں صوبہ گجرات
 اس کی ایک مثال ہے جس نے شیخ علی متقی برہان پوری (صاحب کنز العمال) (م ۱۰۵۹ھ) اور
 شیخ محمد طاہر مٹھی (صاحب مجمع بحار الانوار) (م ۱۰۹۶ھ) جیسے بلند پایہ محدث پیدا کئے،
 اس کی وجہ وہی ہے جو ہم نے اوپر بیان کی کہ گجرات کا تعلق حجاز مقدس سے دوسرے عربوں کے

مقابلہ میں زیادہ رہا، اور وہاں علماء عرب کی آمد و رفت کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ لیکن جن ملکوں میں اہل عجم کے ذریعہ اسلام پہنچا وہاں کا یہ حال نہیں، ہندوستان میں ترکی النسل یا افغانی النسل خاندانوں نے حکومتیں قائم کیں، اور ان مشائخ اور داعیان اسلام کے ذریعہ اسلام کی تبلیغ اور اشاعت ہوئی جن میں بیشتر عجمی نژاد اور ایران و ترکستان کے باشندے تھے، پھر جب ہندوستان میں درس و تدریس، مدارس کے قیام اور نصاب کی ترتیب کا زمانہ آیا، تو اس پر عجمی فضلاء اور دانشمندان ایران کا پورا اثر پڑ چکا تھا، بابا دل میں بتایا جا چکا ہے کہ ایران میں صفوی حکومت کے قیام اور شیعیت کے سرکاری مذہب ہو جانے کے بعد سے (جو دسویں صدی ہجری کے ابتدا ہی کا واقعہ ہے) ایران کا (جسے ایوان حدیث کے اہم ستون پیدائے تھے) حدیث سے رشتہ ٹوٹ چکا تھا، اس لئے اس کے ذریعہ سے ہندوستان میں علم حدیث کی اشاعت اور اس کی اہمیت و عظمت قائم ہونے کا کوئی امکان نہ تھا، اس کے برعکس جس قدر اس کا اثر ہندوستان کے علمی حلقوں پر گہرا ہوتا جاتا تھا، حدیث سے بے اعتنائی بڑھتی جاتی تھی، بارہویں صدی ہجری جس میں شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا ظہور ہوا، اس کا نقطہ ارتقا تھا۔

ہندوستان میں علم حدیث کا عروج و زوال

ہندوستان میں علم حدیث کے عروج و زوال کا جائزہ لینے کے لئے ہم یہاں مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب کی کتاب "الثقافة الإسلامية في الهند" کا ایک اقتباس پیش کرتے ہیں جس میں سیکڑوں صفحات کے مطالعہ کا پنچوڑا گیا ہے :-

"جب ہند میں عربوں کی حکومت ختم ہو گئی اور ان کے بجائے غزنوی اور

خوری سلاطین سندھ پر قابض ہوئے اور خراسان اور اہل النہر سے سندھ میں علم
آئے تب علم حدیث اس علاقہ میں کم ہوتا گیا یہاں تک کہ معدوم ہو گیا، اور
لوگوں میں شعر و شاعری، فن نجوم، فن ریاضی اور علوم دینیہ میں فقہ و اصول فقہ
کار و ارج زیادہ ہو گیا، یہ صورت حال عرصہ تک قائم رہی یہاں تک کہ
علمائے ہند کا خاص مشغلہ یونانی فلسفہ رہ گیا اور علم تفسیر و حدیث سے
غفلت بڑھ گئی، مسائل فقہیہ کے سلسلہ سے جو تھوڑا سا تذکرہ کتاب سنت
میں آجاتا تھا اس اسی مقدار پر قانع تھے، فن حدیث میں امام صفائی کی
تشریح الا نوار کا رواج تھا، اگر کوئی شخص اس فن میں زیادہ ترقی کرتا تھا
تو امام بغوی کی مصابیح السنۃ یا مشکوٰۃ پڑھ لیتا تھا، اور ایسے شخص کے بارے
میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ محدث ہو گیا، اور یہ سب محض اس لئے تھا کہ لوگ
عام طور پر ہندوستان میں اس فن کی اہمیت و مرتبت سے ناواقف تھے،
وہ لوگ اس علم کی طرف سے بالکل غافل تھے، نہ اس علم کے اثر کے حال سے
واقف تھے، اور نہ اس علم کا ان کے درمیان کوئی چرچا تھا، محض تبرکاً مشکوٰۃ
شریف پڑھا کرتے تھے، ان کے لئے سب سے زیادہ سرمایہ علم فقہ کی تحصیل تھا،
اور وہ بھی تقلید کے طور پر تحقیق کے طور پر نہیں، اسی وجہ سے اس زمانہ میں فرائض
اور روایات فقہیہ کا رواج بڑھ گیا تھا، انصوص محکمات متروک ہو گئی تھیں،
مسائل فقہیہ کی صحت کو کتاب سنت کے جانچنا اور فقہی اجتہادات کو احادیث نبویہ
پر تطبیق دینے کا طریقہ متروک ہو گیا تھا۔

پھر ایک زمانہ ایسا آیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہندوستان میں اس علم کی اشاعت کا

انتظام فرمایا، دسویں صدی ہجری میں بعض علماء ہندوستان آئے اور ان کے
 ذریعہ یہ علم ہندوستان میں رواج پذیر ہوا، مثلاً
 شیخ عبدالمعطلی کی بن حسن بن عبد اللہ بکشر متوفی باحد آباد ۹۸۹ھ۔
 شہاب احمد مصری بن بدر الدین متوفی باحد آباد ۹۹۲ھ۔
 شیخ محمد فاکہ بن احمد بن علی متوفی باحد آباد ۹۹۲ھ۔
 شیخ محمد مالکی مصری بن محمد عبد الرحمن متوفی باحد آباد ۹۹۹ھ۔
 شیخ رفیع الدین چشتی شیرازی متوفی بکبر آباد ۹۵۲ھ۔
 شیخ ابراہیم بغدادی بن احمد بن حسن۔
 شیخ ضیاء الدین مدنی مدفون کاکوری ضلع لکھنؤ۔
 شیخ بہلول بدشتی، خواجہ میرکلاں ہروی متوفی بکبر آباد ۹۸۱ھ۔
 اور بہت سے علماء کرام۔

ہندوستان کے کچھ علماء کرام نے حرمین شریفین کا سفر اختیار فرمایا، اور
 وہاں انھوں نے فن حدیث شریف حاصل کیا، اور اس فن کو لے کر ہندوستان
 واپس تشریف لائے، اور عرصہ دراز تک گجرات میں درس حدیث دیتے رہے، پھر
 دوبارہ حجاز ہجرت کر گئے، شیخ یعقوب بن حسن کشمیری متوفی سن ۱۰۳۸ھ، شیخ
 جوہر کشمیری متوفی سن ۱۰۳۶ھ، شیخ عبد النبی گنگوہی بن احمد، شیخ عبد اللہ سلطان پوری
 بن شمس الدین، شیخ قطب الدین عباسی گجراتی، شیخ احمد بن اسماعیل مانڈوی،
 شیخ راجح بن داؤد گجراتی، شیخ علیم الدین مانڈوی، شیخ محمد ابراہیم بن داؤد
 مانڈوی مدفون بکبر آباد، شیخ محمد بن طاہر بن علی مثنیٰ مصنف "مجمع بی الرانوار"

سید عبدالاول حسینی بن علی بن العلماء الحسینی اور دوسرے علمائے کرام^{۱۵}۔
مصنف "الثقافة الإسلامية في الهند" آگے چل کر لکھتے ہیں:-

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا کارنامہ

"اس کے بعد فن حدیث کی نشر و اشاعت کے لئے اللہ تعالیٰ نے شیخ عبدالحق محدث دہلوی بن سیف الدین بخاری متوفی ۱۲۵۲ھ کو منتخب فرمایا، ان کے ذریعہ علم حدیث کی اشاعت بہت عام ہوئی، انھوں نے دارالسلطنت دہلی میں مندرجہ آراستہ فرمائی، اور اپنی ساری کوشش و صلاحیت اس علم کی نشر و اشاعت پر صرف فرمائی، ان کی مجلس درس سے بہت سے علماء نے فن حدیث کی تکمیل کی اور بہت سی کتابیں بھی فن حدیث میں تصنیف فرمائیں، شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اس علم کی نشر و اشاعت میں بڑی جدوجہد کی، ان کی ذات اور ان کے علم سے اللہ کے بندوں کو بہت نفع پہونچا، فن حدیث کی نشر و اشاعت میں ان کی جدوجہد اور کوششیں اپنے پیروؤں سے اس قدر نمایاں و ممتاز رہیں کہ لوگوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ فن حدیث کو ہندوستان میں سب سے پہلے لانے والے یہی شیخ عبدالحق محدث دہلوی ہیں، حالانکہ جیسا میں نے اوپر بتلایا تاریخی حقیقت سے یہ بات صحیح نہیں ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے بعد ان کے صاحبزادہ شیخ نورالحق متوفی ۱۲۷۲ھ نے اس علم کی خدمت اور نشر و اشاعت کا بیڑا اٹھایا، اور ان کے بعض تلامذہ

اور اولاد نے بھی اس فن کی خدمت کی ہے، مثلاً شیخ الاسلام شامخ بخاری اور
شیخ نورالحق کے صاحبزادہ مولانا سلام اللہ مصنف مُحَلِّی وکَمَالِیْنؒ
پروفیسر خلیق احمد نظامی نے صحیح لکھا ہے کہ:-

”بہر حال حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے جس وقت سند درس پچائی
تھی، اس وقت شمالی ہندوستان میں حدیث کا علم تقریباً ختم ہو چکا تھا، انھوں نے
اس تنگ و تاریک ماحول میں علوم دینی کی ایسی شمع روشن کی کہ دور دور سے لوگ
پردانوں کی طرح کھینچ کر ان کے گرد جمع ہونے لگے، درس حدیث کا ایک نیا سلسلہ
شمالی ہندوستان میں جاری ہو گیا، علوم دینی خصوصاً حدیث کا مرکز ثقل گجرات
سے منتقل ہو کر دہلی آ گیا۔“

ایک مُجدد کی ضرورت

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے صدق و اخلاص اور برکت انھاس سے حدیث
کی طرف توجہ شروع ہوئی اور انھوں نے اس کے درس و مطالعہ تدریس اور شرح و تفسیر کا
ایک نیا ذوق اور ایک نئی تحریک پیدا کر دی، امید تھی کہ ان کے جانشین افراد خاندان جو اپنی
اپنی جگہ پر محدث، مدرس اور صاحب تصنیف تھے، اس سلسلہ کو اس طرح جاری رکھیں گے کہ
اس فن شریف کو ہندوستان کے نظام تعلیم، نصاب درس اور علمی و تصنیفی سرگرمیوں میں
شایان شان مقام حاصل ہوگا، خود ان کے صاحبزادہ گرامی قدر علامہ مفتی نورالحق دہلوی
(م ۱۳۷۳ھ) جنھوں نے صحیح بخاری کی فارسی میں چھ جلدوں میں شرح لکھی اور ثَمَل تَزْدَا

پر بھی ان کی شرح ہے، اس سلسلہ میں ان کے شروع کئے ہوئے کام کی تکمیل فرما سکتے تھے، لیکن غالباً عہدہ قضا کی وجہ سے جس پر وہ اکبر آباد (اگر جیسے مرکزی شہر میں فائز تھے، ان کو زیادہ درس و تدریس و اشاعت علم حدیث کا موقع نہیں مل سکا، ان کے نبیرہ مولانا شیخ الاسلام دہلویؒ بھی بڑے محدث تھے جن کی صحیح بخاری پر فارسی میں مبسوط شرح ہے۔

لیکن بعض معلوم اور بعض نامعلوم اسباب کی بناء پر ان حضرات کی انفرادی مساعی سے ہندوستان میں حدیث کی طرف وہ رجوع عام اور اس کی اشاعت و درس و تدریس میں وہ جوش و سرگرمی نہیں پیدا ہوئی، جس کی توقع تھی، شاید اس وجہ سے بھی کہ ان حضرات پر حدیث کے ذریعہ مذہب حنفی کی تائید کا جذبہ و رجحان غالب تھا، دوسرا سبب یہ بھی تھا کہ بارہویں صدی کے وسط ہی میں تعلیم و تعلم کا مرکز ثقل دہلی سے لکھنؤ منتقل ہو رہا تھا، اور وہاں استاد العلماء ملا نظام الدین سہالوی (م س ۱۰۰۰ھ) کے بابرکت اور طاقتور ہاتھوں سے نئے نصاب کی تشکیل ہو رہی تھی، اس نصاب کے واضعین و مصنفین کا علمی رابطہ حرمین شریفین اور ان مقامات سے قائم نہیں ہو سکا تھا، جو حدیث کے درس و تدریس و خدمت و اشاعت کے مرکز تھے، اور ان پر (جیسا کہ درس نظامی کی تاریخ اور کتب سوانح و تذکرہ سے ظاہر ہوتا ہے) علوم حکمت اور علوم دینیہ میں سے اصول فقہ کا غلبہ تھا۔

بہر حال ہندوستان کا علمی و دینی حلقہ ایک ایسی شخصیت کا منتظر اور محتاج تھا، جو حدیث سے عشق و فریفتگی کا تعلق رکھتی ہو اور اس کے نشر و اشاعت کو اس نے اپنی زندگی کا مقصد اولیں قرار دیا ہو، ہندوستان کو یہ شخصیت بارہویں صدی کے وسط میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی ذات میں حاصل ہوئی جنہوں نے صحیح معنی میں اس شعر پر عمل کیا۔ عی
 نا انچہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم الا حدیث دوست کہ تکراری کنیم

مصنف "الثقافة الإسلامية في الهند" نے ان حضرات کا تذکرہ کرنے کے بعد جنہوں نے

گیارہویں اور بارہویں صدی کے اوائل میں ہندوستان میں علم حدیث کی نشر و اشاعت میں حصہ لیا، اور اپنے درس و تصنیف سے بڑے حلقہ کو فیض پہنچایا، حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت حدیث کا ذکر کیا، جو اس ملک ہی میں نہیں اس دہ آخ میں تجدیدی و اجتہادی شان اور احیاء کا رنگ رکھتی ہے اور جس سے اس ملک میں حدیث کا سکہ رائج الوقت کی طرح چلن ہو گیا وہ نصاب درس کا ضروری جزء اور معیار فضیلت قرار پائی، درس حدیث کے مستقل حلقے قائم ہوئے مدارس میں صحاح ستہ کے درس بالخصوص کتب اربعہ بخاری، مسلم، ابوداؤد و ترمذی کو تحقیق کے ساتھ پڑھنے کا رواج ہوا، (جواب عرب ممالک میں بھی مفقود ہے) شروح حدیث کا دور شروع ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس پر ایک وسیع و عظیم کتب خانہ تیار ہو گیا، جس کی مثال ممالک عربیہ میں بھی نظر نہیں آتی، کتب حدیث کے تراجم ہوئے جن سے عامۃ المسلمین اور غیر عربی دانوں کے نیز مسلمان ختائین کو بیش بہا فائدہ پہنچا، اور عمل کی تحریک اور اتباع سنت کا شوق ہوا، اجازت حدیث اور سند کا شوق ہوا، اور ہندوستان اس فن شریف کا ایسا مرکز بن گیا کہ مصر کے جلیل القدر عالم علامہ سید رشید رضا مدیر المنار کے قلم سے حسب ذیل الفاظ نکلے۔

دولہ عناية إخواننا علماء الهند اگر ہمارے بھائیوں علمائے ہندوستان نے

لے شاہ صاحب کی تعلیم و تربیت اور دعوت و تحریک کے اثر سے ہندوستان میں حدیث کے اساتذہ، شارحین و مصنفین کی جو جماعت کثیر پیدا ہوئی، اور اس کے نتیجے میں حدیث اور علوم حدیث پر عظیم کتب خانہ وجود پائی یا اس کی وسعت اور تنوع کا اندازہ کرنے کے لئے ملاحظہ ہو مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب کی کتاب "الثقافة الإسلامية في الهند" بیانی کی فصل رابع "مصنفات أهل الهند في الحديث" ص ۱۱۳ تا ۱۶۰، یا اس کا ترجمہ اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں "از مولانا ابوالعرفان ندوی شائع کردہ دارالمصنفین۔ اعظم گڑھ۔

معلوم الحدیث فی هذا العصر اس زمانہ میں علوم حدیث کے ساتھ
 لقنی علیہا بالزوال من اصدار اعتناء نہ کیا ہوتا تو مشرقی ممالک میں
 الشرق، فقد ضعف فی مصر مکمل طور پر ان کا زوال ہو چکا ہوتا،
 والشام والعراق والحجاز منذ القرن اس لئے کہ مصر، شام، عراق و حجاز
 العاشر للهجرة، حتی بلغت میں دسویں صدی ہجری ہی سے انہیں
 منتهی الضعف فی أوائل هذا ضعف پیدا ہو گیا تھا، جو اس پورے
 القرن الرابع عشر صدی ہجری کے اوائل میں اپنی انتہا کو
 پہنچ گیا۔

حدیث کے بارے میں شاہ صاحب کے خیالات و جذبات

شاہ صاحب کے لئے کون سا جذبہ اس علم کے ساتھ اشتغال، پھر اس کی نشر و اشاعت
 کی سرگرمی اور اس کے لئے اپنی زندگی اور صلاحیتیں وقف کر دینے کا محرک ہوا، اس کو
 معلوم کرنے کے لئے خود شاہ صاحب ہی کی تحریرات کی طرف رجوع کرنا چاہئے کہ یہ ان کے
 خیالات کا صحیح آئینہ ہے حجۃ اللہ الیہ کے مقدمہ کے پہلے ہی صفحہ پر لکھتے ہیں:۔

إن عمدة العلوم یقینیة علوم یقینیہ کا معتمد علیہ سرمایہ و نتائج
 ورأسها، ومبنى الفنون الدینیة اور فنون دینیہ کی اصل و اساس
 وأساسها، هو علم الحدیث علم حدیث ہے جس میں فضل المرسلین
 الذی یذکر فیہ ما صدر من صلے اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل

أَفْضَلُ الْمُرْسَلِينَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَالْهَيْسَلُ وَالْمَعْبُودُ الْجَمْعِيْنَ
مِنْ قَوْلٍ أَوْ فِعْلٍ أَوْ تَقْرِيرٍ، فَهُوَ
مَصَابِيحُ الدُّجَى وَمَعَالِمُ الْهُدَى
وَيَمْنُزِلَةُ الْبَدْرِ الْمُنِيرِ، مَسْنُونٌ
اِنْقَادَ لَهَا وَهُوَ فَقْدُ رِشْدِ الْهُدَى
وَأَوْتَى الْخَيْرَ الْكَثِيرَ وَمِنْ أَمْرٍ
وَتَوَلَّى فَقْدَ غَوًى وَهُوَ،
وَمَا زَادَ نَفْسَهُ إِلَّا التَّخْيِيرَ، فَانْهَ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَالْهَيْسَلُ وَالْمَعْبُودُ
وَأَمْرٌ، وَأَنْذَرُ وَبَشَرٌ، وَضَرْبٌ
الْأَمْثَالِ وَذِكْرٌ، وَإِنْهَا الْمَثَلُ
الْقُرْآنُ أَوْ الْكُتُبُ

یا کسی بات پر آپ کے سکوتِ رمضان کا
کا ذکرِ خیر ہوتا ہے، اس لئے یہ حدیثیں
تاریکی میں روشن چراغِ ارشادِ ہدایت
کا سنگِ میل اور بدرِ کابل کا حکمِ کھتی
ہیں، جو شخص ان پر عمل پیرا ہوتا اور
ان کی نگہداشت کرتا ہے تو وہ
ہدایت یاب اور خیر کثیر سے فیض یاب
ہوتا ہے اور جو بد بخت اس سے
اعراض و روگردانی کرتا ہے وہ گمراہ
اور ہلاک ہوتا ہے اور اپنا ہی نقصان
کرتا ہے، اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کی زندگی امر و نہی، انذار و بشر
اور نصیحت و تذکیر سے معمور ہے اور
آپ کی حدیثوں میں یہ چیزیں قرآن ہی
کی طرح یا اس سے (مقدار میں) کچھ
زیادہ ہی ہیں۔

ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:-

اول چیزے کے عقل آزار بخودش پہلی چیز جس کو عقل اپنے اوپر

واجب میگردو آنست که قبح اخبار
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در بیان
 احکام الہی و پیروی آن اخبار
 بدل و جواح باید نمود زیرا کہ کلام
 در شخصے است کہ تصدیق کردہ
 است بتکلیف اللہ تعالیٰ عباد خود
 را با احکام و قصد خروج از عہدہ تکلیف
 مصمم ساختہ۔

واجب قرار دیتی ہے یہ ہے کہ
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
 حالات و ارشادات کا تتبع کیا
 جائے کہ آپ نے احکام الہی کے
 بارے میں کیا ارشاد فرمایا اور کس طرح
 ان پر عمل کیا، پھر قلب و جواح سے
 ان اقوال و احوال کی پیروی کی جا
 اس لئے کہ ہماری گفتگو اس شخص کے
 بارے میں ہے جس نے یہ حقیقت تسلیم
 کر لی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں
 کو اپنے احکام کا مکلف بنایا ہے
 اور اس شخص نے تکلیف شرعی کی
 اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کا
 عزم مصمم کر لیا ہے۔

ہندوستان میں علم حدیث سے بے اعتنائی کا شکوہ

شاہ صاحب کے لئے ہندوستان میں علم حدیث کے احیاء اور اشاعت و ترویج کا
 دوسرا محرک ہندوستان کی وہ صورت حال تھی جس کا ذکر کتاب کے باب دوم میں تفصیل سے

گز چکا ہے، دینی حلقوں پر بدعات، رسوم جاہلیت، غیر مسلموں کی تقلید اور غیر اسلامی شعائر اختیار کرنے کا دھواں چھایا ہوا تھا جس کے اندر سے اصل اسلام کی صورت زیبا دیکھنی مشکل تھی، علمی و درسی حلقوں پر یونان سے آئے ہوئے یونانی علوم جن کو وہ 'فنون دانشمندی' کہتے تھے، اور علوم آریہ اور فنون بلاغت اور علم کلام کا غلبہ تھا، اور دونوں حلقوں میں علوم شرعیہ بالخصوص علم حدیث بار نہیں پانے پاتا تھا، اگر علوم دینیہ کی طرف توجہ بھی ہوتی تھی تو معاملہ فقہ اور اصول فقہ اور اس کی موٹگانیوں سے آگے نہیں بڑھنے پاتا تھا، اس صورت حال کو دیکھ کر شاہ صاحب فرماتا تھا اور شدت تأسف میں لکھتے ہیں:-

”میں ان طالبان علم سے کہتا ہوں جو اپنے آپ کو علماء کہتے ہیں کہ اللہ کے بند! تم یونانیوں کے علوم کے ظلم اور صرف و نحو و معانی کے دلدل میں پھنس کر رہ گئے، تم نے سمجھ لیا کہ علم اسی کا نام ہے، حالانکہ علم یا تو کتاب اللہ کی آیت حکیم ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ثابتہ، تمہیں چاہئے تھا کہ تمہیں یہ یاد رہتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیسے نماز پڑھی، آپ کیسے وضو فرماتے تھے، قضاے حاجت کے لئے کس طرح جاتے تھے، کیسے روزہ رکھتے تھے، کیسے حج کرتے تھے، کیسے جہاد کرتے تھے، آپ کا انداز گفتگو کیا تھا، حفظِ لسان کا طریقہ کیا تھا، آپ کے اخلاق عالیہ کیا تھے؟ تم آپ کے اسوہ پر چلو اور آپ کی سنت پر چل کر، اس بنا پر کہ وہ آپ کا طریق زندگی اور سنت نبویؐ ہے، اس بنا پر نہیں کہ وہ فرض و واجب ہے، تمہیں چاہئے تھا کہ تم دین کے احکام و مسائل سیکھو، باقی سیر و سولہ اور صحابہؓ اور تابعین کی وہ حکایات جو آخرت کا شوق پیدا کریں تو وہ ایک تکمیلی چیز اور امر زائد ہے، اس کے مقابلہ میں

تہاے شاغل اور جن باتوں پر تم پوری توجہ صرف کرتے ہو، وہ آخرت کے علوم نہیں ہیں، دنیاوی علوم ہیں۔

تم اپنے سے پہلے کے فقہاء کے استحضانات اور ان کی تفریعات میں غوطہ لگاتے ہو، اور یہ نہیں جانتے کہ حکم وہ ہے جو اللہ اور اس کا رسول دے، تم میں کتنے آدمی ہیں، جب ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی حدیث پہنچتی ہے تو اس پر عمل نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ ہمارا عمل تو فلاں کے مذہب پر ہے، حدیث پر نہیں ہے، پھر تم نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ حدیث کا فہم اور اس کے مطابق فیصلہ کا ملین اور ماہرین کا کام ہے، حضرات ائمہ سے یہ حدیث مخفی نہیں ہو سکتی، پھر انھوں نے جو اس کو چھوڑا تو کسی وجہ سے جو ان پر منکشف ہوئی، نسخ یا مرجوحیت۔

یاد رکھو کہ اس کا دین سے کچھ تعلق نہیں، اگر تمہارا اپنے نبی پر ایمان ہے تو اس کی پیروی کرو، وہ تمہارے مذہب کے موافق ہو یا مخالف، خدا کی مرضی تو یہ تھی کہ تم کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے ساتھ شریع سے اشتغال کرتے، اگر ان دونوں پر عمل کرنا تمہارے لئے آسان ہو تو کیا کہنا، اور اگر تمہارے فہم اس سے قاصر ہوں تو پھر کسی سابق عالم کے اجتہاد سے مدد لو، اور جس کو زیادہ صحیح، صریح اور سنت کے موافق پاؤ اس کو اختیار کرو، علوم آئیہ سے اس ذہن کے ساتھ اشتغال کرو کہ وہ آلات و وسائل ہیں، ان کی مستقل حیثیت اور مقصود کا درجہ نہیں، کیا خدا نے تمہارے اوپر یہ واجب نہیں کیا کہ تم علم کی اشاعت کرو، یہاں تک کہ مسلمانوں کے ملک میں شعار اسلام

ظاہر و غالب ہوں تم نے شائر کا تو اظہار نہیں کیا، اور لوگوں کو زوائد میں
مشغول کر دیا!

شاہ صاحب کو حدیث کے ذکر میں جو سرشاری کی کیفیت اور ائمہ حدیث کی ذات
کے ساتھ جو گہری حقیقت تھی اس کا کچھ نمونہ اس مکتوب میں دیکھا جاسکتا ہے، جو انھوں نے
امام بخاریؒ کے مناقب میں اپنے ایک ستر شد کو لکھا ہے۔

خدمت و اشاعت حدیث کی سرگرمی

اوپر گزر چکا ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ جب اپنے استاد و شیخ ابوطاہر مدنی سے
رضعت ہونے لگے تو انھوں نے یہ شعر پڑھا

نسیتُ کل طریق کنت اُعرفہ الاطریقاً یؤدینی لربکم
(میں چلنے کا ہر راستہ بھول گیا سوئے اس راستے جو آپ کے گھر تک پہنچاتا ہے)
شاہ صاحبؒ بھی چلتے وقت فرمایا کہ میں نے جو کچھ پڑھا تھا سب بھلا دیا سوئے
علم دین حدیث کے!

شاہ صاحب کی پوری زندگی اس کی تصدیق کرتی ہے کہ وہ حدیث شریف
ہی کی تشریح و تفہیم، تدریس و تعلیم اور اشاعت و تمہیم میں مصروف رہے بقول شاعر
جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم
سو اس عہد کو ہم وفا کر چلے

ہندوستان واپس آتے ہی انھوں نے حدیث کی نشر و شاعت کے لئے گئی لگرس لائی
 بہت جلد ان کا مدرسہ رحیمیہ ہندوستان کے طول و عرض میں حدیث کی سب سے بڑی درس گاہ
 بن گئی، جہاں ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے تشنگانِ علم حدیث نے پروانہ وار ہجوم کیا،
 ان مقامات میں سندھ اور کشمیر جیسے دور دراز مقامات بھی تھے، دہلی اور اس کے اطراف
 اور شمالی ہند کا تو کچھ کہنا نہیں، سندھ اور ہند حضرت شاہ عبدالعزیز کے ماسواکہ وہ
 فرزند ارجمند اور شاہ صاحب کے کاموں کی توسیع و تکمیل کرنے والے تھے، اسی درس
 حدیث سے فائدہ اٹھانے والے فخر ہندوستان علامہ سید مرتضیٰ بلگرامی مشہور بزرگ
 (۱۲۵۹ھ - ۱۳۲۵ھ) صاحب تاج العروس شرح قاموس اور اتحاف السادة المتقين
 شرح احیاء علوم الدین تھے جن کے تبحر و تحدیث کی عالم عربی میں دھوم مچ گئی، اور جن کی
 مجلس قاہرہ میں سلاطین کے درباروں سے چٹک کرتی تھی، انھیں تلامذہ میں بہت ہی وقت
 قاضی ثناء اللہ پانی پتی (م ۱۳۲۹ھ) خلیفہ ارشد حضرت مرزا مظہر جان جاناں،
 و مصنف تفسیر مظہری والا بد بھی تھے۔

لے سندھ کے مولانا محمد حسین دہلی آئے اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب سے حدیث کا درس لیا اور استفادہ
 کیا، ان کی مشہور تصنیف "داسات اللیب فی الأسوۃ الحسنۃ بالحبیب" ہے، جس میں شاہ صاحب کی
 تحقیقات اور فہم کا عکس صاف نظر آتا ہے، ۱۳۱۹ھ میں وفات ہوئی (ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر ج ۶)
 لے شاہ ولی اللہ صاحب کے خاص تلامذہ اور ان کی تحقیقات و اذواق کے حامل و مبلغ خواجہ محمد امین کشمیری
 (م ۱۳۸۹ھ) تھے جو محمد امین الہی کے نام سے مشہور ہیں، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب ان کے
 شاگرد تھے، شاہ صاحب نے ان کے لئے اپنے بعض رسائل بھی تصنیف فرمائے (ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر ج ۶)

لے ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر ج ۷۔

اس طرح ہندوستان میں صدیوں کے بعد (قابلی پہلی مرتبہ) علم حدیث کا ایسا پورا
اور اس کی طرف ایسا رجوع ہوا کہ ہندوستان میں کاسمیرین گیا، اور اس کے جانفزاہو کے
خود سرزمین حجاز تک پہنچنے لگے، نواب سید صدیق حسن خاں مرحوم نے شاہ صاحب کی خدمت
و اشاعت حدیث کی سرگرمیوں کو ذکر کرتے ہوئے، عربی کے دو طبع شریف تھے ہیں، جو حقیقت حال
کی صحیح تصویر ہیں۔

من نار بابك لم تبرح جوامعہ تروی لحدیث عالویت مؤثرت
فالعین من قنہ، والکف من حلة والقلب من جابر والجمع من حب
(جو تہا سے دروازہ پر آیا اس کے اعضاء و جوارح تہا سے احسانات کی روایت
حدیث میں مشغول ہو گئے)

(آنکھ کہتی ہے کہ (قرۃ) سے مجھے ٹھنڈک ملی، ہاتھ کہتے ہیں کہ ہم (صلہ) سے
مال مال ہوئے، دل راوی ہے کہ اس کو (جابر کے ذریعہ) سکون کی دولت حاصل
ہوئی، کانوں کی روایت ہے کہ وہ (حسن کی بدولت) اچھی اچھی باتوں سے
معمور ہوئے۔)

لطف یہ ہے کہ ان اعضاء نے جن احسانات کا تذکرہ کیا ہے، اور ان کے سلسلہ میں چمکائیں
کے نام لئے ہیں، وہ سب راویان حدیث اور شیوخ کالمین ہیں، مثلاً قرۃ بن خالد السدوسی،
صلۃ بن اشیم العدوی، حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ، اور امام حسن بصریؒ۔

لے اسی مدرسہ ولی اللہی کے فضلاء اور شاہ صاحب کے تلامذہ کے تلامذہ شاہ اسحق صاحب دہلوی، اور
شاہ عبدالغنی صاحب مجددی نے حرمین شریفین میں خدمت و درس حدیث کی بہا طبعائی، عرب و عجم کو
فیض پہنچایا، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ذہبۃ الخواطر ج ۷۔

شاہ صاحب کی تصنیفی خدمات

شاہ صاحب نے حدیث اور علوم حدیث پر جو تصنیفات کیں ان کے نام حسب ذیل ہیں،

۱۔ مصنف (موطا امام مالک کی فارسی شرح)

۲۔ مسوٹی (موطا کی عربی شرح)

شاہ صاحب فقہ حدیث اور درس حدیث کا جو طریقہ رائج کرنا چاہتے تھے، یہ دونوں کتابیں اس کا نمونہ ہیں، اور ان سے شاہ صاحب کی علوم حدیث اور فقہ حدیث میں محققانہ اور مجتہدانہ شان کا اظہار ہوتا ہے، وہ موطا کو صحاح ستہ میں پہلے درجہ پر رکھتے تھے اور اس کو ان میں ابن ماجہ کی جگہ پر شمار کرتے تھے، وہ موطا کے بے حد قائل اور اس کے ساتھ اعتناء کرنے اور اس کو درس حدیث میں اولیت دینے کے پر جوش داعی اور مبلغ ہرگز نہ تھے۔

شاہ صاحب اپنے وصیت نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:-

چوں قدرت بزبان عربی یافت	جب عربی زبان پر قدرت حاصل
موطا بروایت یحییٰ بن یحییٰ مصمودی	ہو جائے موطا کے اس نسخہ کو جو
بخوانانند و ہرگز آں را معطل	یحییٰ بن یحییٰ مصمودی کی روایت
نگذارند کہ اصل علم حدیث	سے ہے پڑھائیں، ہرگز اس سے
ہست و خواندن آن فیض باد اؤملدا	پہلو تہی نہ کریں کہ وہ علم حدیث کی

لے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مولانا عبید اللہ سندھی کا مقالہ "الفرقان" شاہ ولی اللہؒ نمبر ۲۹۲-۲۹۸

لے ملاحظہ ہو "مقدمہ" نیز "العائدة الثانیة فی درجۃ المقطعات بین کتب الحدیث"

مقدمہ اوجز المسائل از حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکیا صاحب مکتب مطبوعہ مطبعة السعادة مصر ۱۳۹۳ھ

سماع جمیع آن مسلسل است
اصل ہے اور اس کا پڑھنا بڑے
فیوض کا حامل ہے، ہم کو مکمل موطا
کی سماعت مسلسل طریقہ پر حاصل ہے۔

۳۔ بشرح تراجم ابواب صحیح بخاری، صحیح بخاری کے تراجم و ابواب کی جو ہر زمانہ میں
درس بخاری کے سلسلہ کی دقیق ترین چیز سمجھی گئی ہے، اور ہر زمانہ میں بخاری کے شراح اور
اساتذہ نے اس میں اپنی ذہانت اور دقیقہ سنجی کے نمونے پیش کئے ہیں، یہ رسالہ عربی میں ہے
پہلے ۱۳۲۳ھ میں دائرۃ المعارف، حیدرآباد سے شائع ہوا، پھر اصح المطابع، دہلی کے
صحیح بخاری کے نسخے کے شروع میں بطور مقدمہ شامل کیا گیا۔

۴۔ مجموعہ رسائل اربعہ چار مختصر رسائل کا مجموعہ ہے جن میں ”ارشاد الی مہمات الاسناد“
اور تراجم البخاری (یہ بشرح تراجم ابواب بخاری کے علاوہ ہے) اور صرف ایک ورق پر ہے)
شاہ صاحب کی تصنیف ہیں۔

۵۔ ”الفصل المبین فی المسئل من حدیث النبی الامین“ النوادر من حدیث سید
الاول والاولیٰ والآخر، اربعین، شاہ صاحب نے اس فضیلت کے حصول کے لئے جو چالیس
احادیث جمع کرنے کے بارے میں وارد ہوئی ہے، اور مختلف زمانوں میں علماء نے اس پر عمل
کیا ہے، یہ رسالہ تصنیف کیا، یہ احادیث عام طور پر بہت مختصر قلیلۃ المبنی کثیرۃ المعنی
ہیں، اور رسالہ اس قابل ہے کہ زبانی یاد کیا جائے، اور نصاب میں داخل کیا جائے۔

۱۔ وصیت نامہ فارسی ص ۱۱

۲۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب سہارن پوری (م ۱۴۰۲ھ) کے رسالہ ”تراجم ابواب بخاری“
میں بھی وہ شامل ہے۔

وہ کتابیں جو براہ راست فن حدیث پر نہیں ہیں، مگر ان کا بالواسطہ حدیث سے تعلق ہے اور وہ مقدمات علم حدیث کے طور پر پڑھی جانی چاہئیں اور ان سے شاہ صاحب کی علم حدیث پر گہری نظر، فقہ حدیث میں تطبیق اور مذاہب کے محاکمہ میں انصاف و معیت قلب طبقات محدثین اور طبقات کتب حدیث کے بارے میں ان کی وسیع نظر اور عمومی طور پر ان کے اس توازن و اعتدال کا اندازہ ہوتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے ان کو نوازا تھا، یہ کتا ہیں حسب ذیل ہیں:-

۱۔ "الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف"

"حجۃ اللہ البانہ" میں تتمہ ۲ کے عنوان سے چند عناوین و مضامین میں جو صفحہ ۱۳۲-۱۶۲ تک پھیلے ہوئے ہیں، یہ تتمہ چار ابواب پر منقسم ہے، ناشر کی تحقیق ہے کہ یہ تتمہ صرف ایک ہی نسخہ میں پایا گیا، اس باب کے آخر میں شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ:-

"میں نے ایک مستقل کتاب کی تالیف کا غرض کیا جس کا نام "غایۃ الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف" رکھوں گا، اور اس میں تفصیل سے اسباب اختلاف پر بحث اور اس کے شواہد و امثال بھی پیش کروں گا، لیکن اس وقت تک اس کام کے لئے فرصت نہیں ملی، جب اس کتاب (حجۃ اللہ البانہ) میں اس مقام تک بحث پہنچی تو میں نے مناسب سمجھا کہ جو کچھ اس وقت ذہن میں ہے اور اس کا قلم بند کرنا آسان ہے، اس کو پیش کر دوں۔"

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں شاہ صاحب کو اس کا موقع ملا اور حجۃ اللہ کے

اس مضمون کو لے کر کچھ اضافوں کے ساتھ علیحدہ رسالہ میں "الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف" کے نام سے مکمل کر دیا، اس لئے اس رسالہ اور حجة الشریعہ کے تتمہ دوم میں کہیں کہیں اختلاف اور خفیف حذف و اضافہ نظر آتا ہے۔

یہ رسالہ الانصاف (جو اپنے موضوع پر مفرد ہے) ہندوستان اور بیرون ہند میں کئی مرتبہ شائع ہوا، جن میں کہیں کہیں الفاظ کا اختلاف پایا جاتا تھا، ۱۳۲۷ھ میں "مشرکتہ المطبوعات العلمیہ" مصر کی طرف سے پہلی مرتبہ "اورث مکتبۃ المنصورة" مصر کی طرف سے دوسری مرتبہ رسالہ عربی ٹائپ میں شائع ہوا، اس وقت ہمارے سامنے "دارالنفائس" بیروت کا عمدہ ٹائپ کا چھپا ہوا نسخہ ہے، جو چھوٹے سائز کے ایک سو گیارہ صفحات میں آیا ہے، عصر حاضر کے محدث جلیل شیخ عبدالفتاح ابو غدہ نے اس کے مقابلہ اور تصحیح کی خدمت انجام دی اور اس پر حواشی کا اضافہ کیا۔

۲۔ عقد المجید فی احکام الاجتهاد والتقلید۔

۳۔ حجة الله البالغة کا المبحث السابع۔

در حقیقت حجة الله البالغة کے پہلے حصہ کے القسم الثانی فی بیان اسرار ما جاء عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تفصیلاً سے لے کر دوسرے جز کے آخری حصہ "الفتن والمناقب" تک حدیث ہی کی حکیمانہ اور متکلمانہ شرح اور اس کے اسرار و حکم، اور اس کی عملی تطبیق کی وہ مجتہدانہ کوشش ہے جو شاہ صاحب ہی کا حصہ تھا، اور جس میں ان کو سبقت و اولیت حاصل ہے، افسوس ہے کہ حجة الله البالغة کا مطالعہ کرنے والے اور اس کا درس دینے والے بھی (علیٰ انہم اقل قلیل) اس حصہ کو غیر اہم سمجھ کر

تطبیق بین الفقہ والحدیث

عرصہ سے عالم اسلام کے بہت سے علمی، تدریسی اور تصنیفی حلقوں میں فقہ و حدیث کے دو متوازی سلسلے چلے آ رہے تھے، جن میں سے ہر ایک اپنی جگہ پر (جیسے اس کا اجرا ہوا تھا) دوسرے سے مستغنی و بے نیاز ہو کر اپنا سفر طے کر رہا تھا، اور اکثر اوقات ایک دوسرے سے جدا ہو کر پھر وہ کسی نقطہ پر جا کر ہکنا رہیں ہوتے تھے، بہت سے فقہی مسلکوں میں حدیث اسی وقت زیر بحث آتی، جب مسئلہ کی تائید اور دوسرے مذہب فقہی کے ناٹندوں کے اس اعتراض کو دفع کرنا ہوتا کہ یہ مسئلہ حدیث کے خلاف ہے، یا دوسرے مذہب پر اس کی ترجیح ثابت کرنی ہوتی، اصلاح کے درس میں یا تو ان احادیث کی تاویل کی جاتی جو اپنے مذہب کے خلاف پڑیں یا دوسری کتابوں کی ان احادیث کو پیش کیا جاتا جو اپنے مذہب کی تائید میں ہیں، اگر کسی مذہب فقہی کی کسی مستند و معیاری کتاب میں احادیث سے استدلال کیا گیا ہے تو بعض اوقات اس مذہب کے ان علماء نے جن کی فن حدیث پر وسیع نظر تھی اور محدثانہ ذوق رکھتے تھے، ان احادیث کی تخریج کی کوشش کی ہے اور ان پر محدثانہ کلام کیا ہے، جن سے اس کتاب میں استدلال کیا گیا ہے، تو یہ سعی محمود بھی اس مذہب فقہی کی تائید و نصرت اور اس کو مطابقت حدیث ثابت کرنے کا ایک طریقہ اور اس مذہب کی ایک عالمانہ اور محققانہ خدمت تھی، جو قابل قدر اور مستحق شکر ہے، نفس مسائل پر نظر ثانی کرنے اور فقہ و حدیث میں تطبیق کی کوشش نہیں تھی۔

لے اس کی ایک روشن مثال علامہ زمینی کی کتاب "نصب الرایۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ" ہے۔

مذہب فقہیہ کے کچھ ایسے آہنی سانچے بن گئے تھے جن کا ٹوٹ جانا تو ممکن تھا، پھیلنا ممکن نہیں تھا، ہر مذہب کے پیرو اپنے مذہب کے متعلق یہ خیال قائم کئے ہوئے تھے کہ ان کے مذہب کا سو فیصدی صحیح ہونا تو اصل حقیقت ہے باقی بشریت کی بناء پر غلطی کا امکان ضرور ہے کسی نے اس طرز فکر کو بڑے مبلغ انداز میں اس جملہ سے ادا کیا ہے، "مذہبنا صوابٌ یحتمل الخطاء ومذہب غیرنا خطأ یحتمل الصواب" (ہمارا مذہب اصل میں تو درست اور حق ہے خطا کا احتمال ہے، اور دوسرے کا مذہب (فقہی) اصلاً نا صواب ہے، صحت کا احتمال ہے) اس طرز فکر کا نتیجہ یہ تھا کہ مذہب اربعہ (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) کے درمیان (جن کو امت نے عام طور پر سند قبول عطا کی اور جن کے متعلق اہل حق و اہل علم کے درمیان شروع سے یہ اصولی طور پر تسلیم کیا جاتا رہا ہے کہ حق ان میں دائر ہے، ان کے بانی اور مؤسس ائمہ الہدیٰ اور امت کے پیشوا تھے اور یہ مذہب حقانی ہیں) خلیج روز بروز عمیق اور وسیع ہوتی چلی جا رہی تھی، ان پر عمل کرنے والوں کے درمیان اختلاف منافرت تک اور بحث و مناظرہ بعض اوقات مجاہدہ اور مقاتلہ تک پہنچ جاتا تھا، اس سے زیادہ سخت معاملہ ان اہل علم کے ساتھ ہوتا تھا، لہٰذا یعنی اس مذہب کو ترک کر کے دوسرے مذہب کو اختیار کر لینے حنفیت سے شافعیت یا مالکیت یا حلیت یا حدیث کا مسلک اختیار کر لینے کی مثالیں ہر زمانہ میں ملیں گی، لیکن ایک ہی مذہب کے دائرہ میں رہ کر بعض مسائل سے جزئی طور پر عدول اور کسی دوسرے مذہب کے مسئلہ کو اختیار کر لینے، یا کسی مسئلہ میں حدیث پر عمل کرنے کی مثالیں بہت کم ملیں گی، اس لئے کہ بہت سے حضرات کے نزدیک "تجزئی تقلید" صحیح نہیں، یعنی کسی مذہب امام کا تقلید کسی مسئلہ میں بھی اگر دوسرے مذہب امام کی تقلید ادا اس کے مسئلہ پر عمل کرے تو وہ اپنے امام کی تقلید کے دائرہ سے خارج ہو جاتا ہے۔

جو کئی یا جزئی طور پر عبادات میں حدیث پر عمل شروع کر دیتے تھے اس کی ایک مثال اسی بارہویں صدی کے ایک سلفی عالم و محدث مولانا شیخ محمد فاخر زائر الہ آبادی (۱۱۲۰ھ-۱۱۶۲ھ) ہیں، جو بعض مصنفین کی روایت کے مطابق اپنے اتباع حدیث و سلفیت کی وجہ سے عوام کی ناراضگی کا نشانہ بنے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے مجددانہ کارناموں میں ایک کارنامہ اور خدمت حدیث اور انتصار للسنۃ ہی کے سلسلہ زریں کی ایک اہم کڑی ان کی فقہ و حدیث میں تطبیق کی اور پھر مذاہب اربعہ میں جمع و تالیف کی کوشش تھی، اس سے اس بشارت نبوی کی تصدیق ہوتی ہے جس میں کہا گیا تھا کہ تم سے خدا اس امت کی شیرازہ بندی کے ایک خاص نوع کا کام لے گا۔

جہاں تک ہندوستان کے تحتی براعظم کا تعلق ہے اس میں اس طرز فکر اور جمع و تطبیق کی اس کوشش کا سر رخ نہیں ملتا اور اس کے تاریخی و علمی اسباب ہیں یا تحتی براعظم شروع سے ان فاتحین اور بانیان سلطنت کے زیر نگین رہا جو یا ترکی النسل تھے یا افغانی النسل، اور یہ دونوں قومیں تقریباً اپنے اسلام قبول کرنے کے زمانہ سے مذہب حنفی کی حلقہ بگوش بلکہ اس کی حمایت اور نشر و اشاعت میں سرگرم اور پر جوش رہیں، یہاں اسلام کی تقریباً آٹھ سو سال کی تاریخ میں مذہب مالکی اور مذہب حنبلی کو تو قدم بھی رکھنے کا موقعہ نہیں ملا، شافعی مذہب سواصل تک محدود رہا، یا جنوبی ہند مدراس اور شمالی کنارے (موجودہ کرناٹک) بعض حصوں بھنگل وغیرہ اور کیرالا میں محدود رہا، ان میں بھی مالابار (قدیم بلاد المعبر) کو مستثنیٰ کر کے جہاں زیادہ تر شافعی مسلک کے داعیان اسلام، تجارت، مشائخ اور فقیہ و عالم آئے، شیخ مخدوم لے شیخ فاخر الہ آبادی کے تذکرہ کے لئے ملاحظہ ہو، نزہۃ النواظر ج ۶ صفحہ فیوض المحرمین ص ۱۱۱

فقیہ علی مہامی (م ۱۸۳۵ھ) صاحب تفسیر تبصیر الرحمن وتبصیر المتان، اور مالابار کے شیخ
مخدوم اسماعیل فقیہ السکری الصدیقی (م ۱۹۲۹ھ) نیز مخدوم شیخ زین الدین طیباری (م ۱۹۲۸ھ)
صاحب فتح العین کے علاوہ ہمارے مخدوم علم میں اس پایہ کے شافعی فقیہ و محدث نہیں پیدا ہوئے
جو ہندوستان (یا خصوصاً شمالی ہند کے) علمی حلقوں پر گہرا اثر ڈالتے، اور علماء حنفیہ کو فقہ شافعی
پر محقق نظر ڈالنے اور اس سے استفادہ پر آمادہ کرتے، ہندوستان سے جو علماء اور طالبانِ علم حدیث
وفقہ حجاز جاتے (جو ترکی سلطنت کے زیر انتظام تھا، اور ترک ہر دور میں سو فیصدی سنی اور حنفی
ہے ہیں) وہ بھی زیادہ تر اپنے ہی مذہب کے علماء اور خصوصیت کے ساتھ اپنے ہم وطن اساتذہ فقہ
و حدیث سے رابطہ رکھتے، جو وہاں ہندوستان یا افغانستان سے ہجرت کر کے چلے گئے تھے اور
ان کے شاگردوں کا بڑا حلقہ تھا۔

شاہ ولی اللہ صاحب پہلے شخص تھے، جن کا حرمین شریفین میں اصل تلمذ اور استفادہ ایک
جلیل القدر شافعی محدث شیخ ابوطاہر کردی مدنی سے تھا، وہ ان کے علم، ان کی شخصیت اور ان کے
باطنی کمالات، وسعت نظر اور وسعت قلب سے بھی متاثر ہوئے، شاہ صاحب نے انسان امین میں
اپنے جن مشائخ حرمین کا تعارف کرایا، ان میں صرف ایک شیخ تلمج الدین قلعی حنفی عالم و محدث
تھے، ان مشائخ میں شیخ محمد وفد الشربین شیخ محمد بن محمد بن سلیمان مالکی المذہب تھے، جس دور میں
شاہ صاحب نے حرمین میں قیام کیا ہے، اس دور میں حجاز کی علمی قیادت اور تعلیم و تدریس کے میدان
(یا خصوصاً فن حدیث کی تعلیم) میں سربراہی اور پیشوائی علماء و محدثین میں یا کردی النسل علماء

لہ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتاب عرب و دیار ہند تالیف مولانا خواجہ بہاء الدین اکری تدویٰ بمبئی۔

علامہ خٹا علامہ شیخ علی متقی بریلوی، صاحب کنز العمال، علامہ قطب الدین نہروالی، علامہ علی قاری ہروی کی،
شیخ عبدالوہاب متقی اور شیخ محمد حیات سندی وغیرہ۔

کے ہاتھ میں تھی، اور وہ بالعموم شافعی تھے، ان تمام اسباب کی بناء پر شاہ صاحب کو فقہ شافعی کے اصول و قواعد اس کی خصوصیات اور بعض مابہ الامتیاز چیزوں سے واقف ہونے کا پورا موقع ملا، اور اسی طرح فقہ مالکی اور فقہ حنبلی سے بھی باخبر ہونے کا وہ موقع ملا جو علمائے ہندوستان کو طویل عرصہ سے (تاریخی، جغرافیائی، سیاسی، اور تمدنی اسباب کی بناء پر) میسر نہیں آیا تھا، اور اس طرح مذاہب اربعہ کا تقابلی مطالعہ (الفقہ المقارن) ان کے لئے ممکن اور آسان ہوا، جو ان علماء کے لئے دشوار تھا، جن کو یہ مواقع حاصل نہیں ہوئے تھے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں تیس سال کی عمر میں جب وہ تقریباً بارہ سال ہندوستان میں درس دے چکے تھے عازم حجاز ہوئے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی طبیعت میں فطری طور پر جو جامعیت نظر و قلب میں وسعت اور فطرتاً تطبیقی ذوق اور عارف رومی کی اس وصیت پر عمل کرنے کا فطری رجحان پیدا کیا تھا کہ

تو برائے وصل کردن آمدی

نے برائے فصل کردن آمدی

اس کی بناء پر سفر حجاز سے پہلے ہی ان کے اندر تطبیق بین الفقہ والحدیث کا جذبہ اور فقہائے محدثین کے مسلک کو ترجیح دینے اور اس کو اپنی زندگی کا وسیلہ بنانے کا عزم پیدا کر دیا گیا تھا، المجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف میں خود تحریر فرماتے ہیں :-

بعد ملاحظہ کتب مذاہب اربعہ

واصول فقہ ایشاں واحادیثیہ کہ

تمسک ایشاں است قرار داد

خاطر بد نور غیبی روش فقہائے محدثین

مذاہب اربعہ اور ان کے اصول فقہ

کی کتابوں کے مطالعہ اور جن احادیث

سے وہ استدلال کرتے ہیں ان پر غور

و فکر کرنے کے بعد طبیعت میں فقہائے محدثین

افتاد بعد ازاں شوق زیارت حرمین کی روش کی پسندیدگی قرار پذیر ہوئی،
محترمین در سرافقاد۔
اس میں نور غیبی کی مدد بھی شامل تھی
اس کے بعد حرمین محترمین کی زیارت
کا شوق دامن گیر ہوا۔

شاہ صاحب نے غالی فقہاء (جو اپنے مذہب کے سرواخران کرنے کے لئے تیار نہیں) اور
فرقہ ظاہریہ (جو مطلقاً فقہ کا منکر اور ان فقہاء کی شان میں لب کشائی کرتا ہے جو عالمین علم کے
سرتاج اور اہل دین کے امام و پیشوا ہیں) کی روش پر سخت تنقید کی ہے اور دونوں کے منسلو و
انتہا پسندی کو ناپسند کیا ہے اور صاف لکھا ہے کہ "إِنَّ الْحَقَّ أَمْرَيْنِ بَيْنَهُمَا مَعَالِمٌ بَيْنَهُمَا
نَهْيًا فَرَقَ تَوْفِيقِي حَقٌّ يَرَى نَهْيًا دُورًا سَرَفَرَقَ۔"

شاہ صاحب اپنی معرکہ الآراء کتاب حجة الشد البالغہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔
"لیک طرف کلام فقہاء پر تخریج، دوسری طرف احادیث کے الفاظ کا تشبیہ و تمثیل
کی دین میں مستحکم اصل موجود ہے اور ہر زمانہ کے علمائے محققین ان دونوں اصولوں پر
عمل کرتے رہے ہیں بعض ایسے ہیں جن کا تخریج کے بارے میں قدم بچھے اور حدیث کے
الفاظ کے تشبیہ میں قدم آگے ہے اور بعض اس کے برعکس ان میں سے کسی ایک اصول سے بھی
مطلقاً صرف نظر نہ سنبھیں، جیسا کہ فریقین کے عوام کا شیوہ ہے اس بارے میں
صراطِ مستقیم یہی ہے کہ دونوں کے درمیان تطبیق کی کوشش کی جائے اور ایک کی
کی دوسرے سے پوری کی جائے اور یہی لام حسن بصری کا قول ہے:۔"

لہذا بحرہ الطیفة فی ترجمۃ العبد الضعیف شہرہ انفاص المذہبین مطبع مجتبائی ۱۳۳۰-۱۳۳۱ھ حجة الشد البالغہ ص ۱۵۵

جزء اول تفصیل کے لئے پوری بحث "حکایۃ حال الناس قبل المائۃ الرابعة و بعدھا" میں دیکھیں جائے۔

اپنے فارسی وصیت نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:-

در فروع پیروی علماء محدثین کہ
جامع باشند میاں فقہ و حدیث کردن
مائل فرومی میں ایسے علماء محدثین
کی پیروی کرنی چاہئے جو فقہ و حدیث
دونوں کے عالم ہوں، مسائل فقہیہ کو
کلام الشرا و حدیث رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاتے
رہنا چاہئے۔

آگے تحریر فرماتے ہیں:-

امت را هیچ وقت از عرض مجتہد
بر کتاب و سنت استغناء حاصل
نہست۔
امت کے لئے قیاسی مسائل کا
کلام الشرا و حدیث رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تقابل
کرتے رہنا ضروری ہے اس سے
کبھی بے نیازی نہیں ہو سکتی۔

شاہ صاحب کا سارا علمی نشوونما فقہ حنفی و اصول فقہ حنفی کے ماحول میں ہوا تھا، اور وہ
مذہب حنفی کی خصوصیات سے اتنا ہی واقف اور ان کے اتنا ہی قائل تھے جتنا کہ کوئی بڑے
سے بڑا حنفی عالم ہو سکتا ہے، وہ اس حقیقت سے واقف تھے اور جابجا اس کا اظہار کرتے ہیں کہ
مختلف تاریخی، علمی، سیاسی و تمدنی اسباب کی بناء پر جتنی فقہ حنفی (نیز فقہ شافعی) کی خدمت
ہوئی ہے اور ان کی نوک پلک درست کی گئی ہے ان کے متون کی شرح اور اصول کی تفسیر کی گئی ہے

اکسی دوسرے مذہب کے سلسلہ میں پیش نہیں آیا، وہ امام ابو حنیفہؒ کے متعلق لکھتے ہیں:-

کان عظیم الشان فی التخریج علی	امام ابو حنیفہؒ کا مرتبہ ابراہیمؒ نفعی اور
مذہب ابراہیمؒ و قرآنہ	ان کے ہم مرتبہ علماء کے مذہب پر
دقیق النظر فی وجوہ التخریج	اجتہاد و استنباط کے سلسلہ میں بہت
مقبلا علی الفروع اتمرا قبلا	بلند تھا، ان تخریجات کے وجہ و نکال
	میں وہ بڑی دقت نظر رکھتے تھے، مسائل
	جزئیہ اور فروع کے استخراج میں ان کا
	انہماک بہت بڑھا ہوا تھا۔

لیکن اس کے ساتھ وہ امام مالکؒ کی عظمت اور خاص طور پر موطا کی صحت اس کے
رتبہ و مقام اور اس کی برکت کے نہ صرف قائل بلکہ داعی ہیں اور اس کو حدیث کی اساسی کتابوں
سمانتے ہیں، دوسری طرف مذہب شافعی کے منقح و مصنف اور حدیث سے اقرب ہونے کا ذکر
بند الفاظ میں کرتے ہیں، اور امام شافعیؒ کی دقیق النظری کے بڑے قائل ہیں۔

پھر اس کے ساتھ امام احمد بن حنبلؒ کا تذکرہ کرتے ہوئے حجة الشریعہ میں لکھتے ہیں:-

فکان اعظمهم شأنًا وأوسعهم	ان فقہاء محدثین میں سب سے عالی مرتبہ
روایۃ، وأعرفهم للحديث مرتبۃ	وسیع الروایۃ، حدیث سے باخبر اور
وأعمقهم فقهًا أحمد بن حنبلؒ	تفہیم میں عمیق النظر امام احمد بن حنبلؒ
ثم اسحاق بن راہویہؒ	پھر اسحاق بن راہویہؒ ہیں۔

لے الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف، طبع دار النفا، بیروت ۱۴۰۲ھ، ملاحظہ ہو مقدمہ مصنف۔

۱۴۰۲ھ ملاحظہ ہو اخیر الکثیر ۱۳۳۲ھ و کتاب قرۃ العینین ۱۳۳۲ھ حجة الشریعہ ج ۱ ص ۱۵۱

ان ائمہ اربعہ کے علو شان، وسعت علم، دقت نظر اور امت پر احسان سے (ان کتابوں اور تاریخ و تراجم کے ذریعہ) براہ راست واقفیت اور ان سے دلی عقیدت کی بناء پر شاہ صاحب میں وہ جامعیت اور فقہ و حدیث کے تقابلی مطالعہ میں وہ توازن و اعتدال پیدا ہو گیا جس کی قدرۃ ان علماء و مصنفین سے توقع نہیں کی جاسکتی جن کا مطالعہ اور ذہنی وابستگی ایک ہی مذہب فقہی اور اس کے بانی و مؤسس سے تھی، اور ان کو اس دائرہ سے باہر نکلنے کی (بہت) طبعی و شخصی اسباب کی بناء پر) نوبت نہیں آتی۔

اجتہاد و تقلید کے درمیان نقطہ اعتدال

حضرت شاہ صاحبؒ کے ان وہی کمالات اور تجدیدی امتیازات میں سے جن سے اللہ تعالیٰ نے ان کو خاص طور پر نوازا تھا، وہ متوازن و معتدل مسلک اور وہ نقطہ اعتدال ہے جو انھوں نے اجتہاد و تقلید کے درمیان اختیار کیا، اور جو ان کی طبع سلیم، ذوق صمیم اور حقیقت پر کیا کا بہترین مظہر ہے، ایک طرف وہ لوگ تھے جو ہر مسلمان کو خواہ عامی ہو یا خاص براہ راست کتاب و سنت پر عمل کرنے اور ہر معاملہ میں وہیں سے احکام حاصل کرنے کا مکلف قرار دیتے تھے، اور تقلید کی مطلق حرمت کے قائل تھے، اگر ان کے کلام میں اس کی صراحت نہیں ملتی تو ان کے طرز عمل اور ان کی تحریروں سے قدرتی طور پر یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے اس گروہ میں تقنین میں علامہ ابن حزمؒ پیش پیش نظر آتے ہیں، لیکن یہ بالکل ایک غیر عملی بات ہے اور اس کا ہر مسلمان مکلف قرار دینا تکلیف مالا یطاق ہے۔

دوسری طرف وہ گروہ تھا جو تقلید کو اسی طرح ہر مسلمان پر واجب قرار دیتا تھا اور اس تبارک کو سخت فقہی احکام "فاسق" اور "ضال" سے یاد کرتا تھا جیسا کہ پہلا گروہ مقلدین

اور کسی خاص مذہب فقہی کے قبیحین کو یہ گروہ اس حقیقت کو بھول جاتا تھا کہ تقلید عوام کو نفسانیت اور خود رائی سے بچانے، مسلم معاشرہ کو انتشار اور فوضویت (انارکی) سے محفوظ رکھنے، دینی زندگی میں وحدت و نظم پیدا کرنے، اور احکام شریعت پر سہولت عمل کرنے کا موقع دینے کی ایک انتظامی تدبیر ہے، لیکن انھوں نے اس انتظامی عمل کو تشرعی عمل کا درجہ دے دیا، اور اس پر اس شدت سے اصرار کیا جس نے اس کو ایک مذہب فقہی اور مسئلہ اجتہادی کے بجائے منصوص اور قطعی عمل اور مستقل ذہن کا درجہ دے دیا۔

شاہ صاحبؒ نے اس بارے میں جو مسلک اختیار کیا، اور اس کی جو تعبیر کی وہ روح شریعت سے قریب تر، قرن اول کے عمل سے زیادہ ہم آہنگ، فطرت انسانی سے زیادہ مطابق اور عملی زندگی سے سازگار ہے، اس سلسلہ میں شاہ صاحبؒ چوتھی صدی ہجری سے پیشتر کے طرز عمل کا ذکر کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ لوگوں کو اپنی دینی زندگی میں عبادات و معاملات میں جو نئے نئے مسائل و مشکلات پیش آتے تھے، ان کو وہ کس طرح حل کرتے تھے، اور اس سلسلہ میں وہ کیا راستہ اختیار کرتے تھے، ”حجة الله البالغة“ کے باب ”حکایة حال الناس قبل المائة الرابعة و بعدھا“ (چوتھی صدی ہجری سے پیشتر اور اس کے بعد کے لوگوں کا مسائل دینی کی تحقیق و عمل کے بارے میں کیا طرز عمل تھا؟) میں تحریر فرماتے ہیں:-

قرون اولیٰ میں مسلمانوں کا طرز عمل

”معلوم ہونا چاہئے کہ چوتھی صدی سے قبل کے لوگ کسی ایک متین مذہب (فقہی) کی پابندی اور اس کی مکمل تقلید پر اجماع کئے ہوئے نہیں تھے، ابوطالب مکی (اپنی مشہور کتاب ”قوت القلوب“ میں لکھتے ہیں: ”ک تصنیفی انداز کی کتابیں (اور

فقہی مسائل کے مجموعے) اس زمانہ کے بعد کی باتیں ہیں، لوگوں کی کہی ہوئی باتوں کا کہنا کسی ایک مذہب پر فتویٰ دینا، اس کے قول کو دستور العمل بنالینا اور اسی کو نقل کرنا اور اسی مذہب کے اصولوں اور نیادوں پر تفقہ کا پہلی اور دوسری حد میں وجود نہیں تھا۔

میں اس میں اضافہ کر کے کہتا ہوں کہ دو ابتدائی صدیوں کے بعد تخریج کا کسی قدر سلسلہ شروع ہوا لیکن یہ بات مسلم ہے کہ چوتھی صدی کے لوگ ایک ہی مذہب کے دائرہ میں رہ کر تقلید خالص کے پابند اور اسی کے مطابق مسائل احکام میں تفقہ اور اسی مذہب کے تحقیقات و اجتہادات کی نقل و روایت کے عادی نہیں تھے، جیسا کہ قبضے سے معلوم ہوتا ہے۔

امت اور (مسلم معاشرہ) میں دو طبقے تھے ایک علماء کا ایک عوام کا۔ عوام کا توقع یہ ہے کہ ان اجتماعی مسائل میں جن میں مسلمانوں یا جمہور مجتہدین کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے، وہ صرف صاحب شرع (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تقلید کرتے تھے، وہ وضو غسل کرنے اور نماز و زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ اور اسی طرح کی عبادات و فرائض، اپنے والدین یا اپنے شہر کے استادوں عالموں سے اخذ کرتے تھے، اور اسی کے مطابق عمل کرتے تھے، اور اگر کوئی نئی بات پیش آتی تو اس کے بارے میں کسی مفتی سے بھی جس تک ان کی رسائی ہوتی تھی، کسی خاص مذہب کے تعین کے بغیر رجوع کر لیتے تھے، اور اس سے مثلاً پیچ لیتے تھے۔ جہاں تک خواص کا تعلق ہے، ان کا معاملہ یہ تھا کہ جن کافن حدیث تھا، وہ حدیث سے اشتغال رکھتے تھے، ان کو احادیث نبویہ اور آثار صحابہ کا تاذخیرہ

مل جانا تھا کہ اس کی موجودگی میں ان کو اس مسئلہ میں کسی اور چیز کی مزید ت نہیں
 پڑتی تھی، ان کے پاس کوئی نہ کوئی ایسی حدیث جو درجہ شہرت، استفاضہ یا صحت
 کو پہنچی ہوئی تھی، یا صحیح حدیث ہوئی تھی، موجود تھی، جس پر فقہاء اور علمائے کبار
 میں کسی نہ کسی نے عمل کیا ہوتا تھا، اور کسی کے پاس اس کو ترک کرنے کا کوئی معقول
 عذر نہیں ہوتا تھا، یا جمہور صحابہؓ اور تابعین کے پے درپے ایک دوسرے کی
 تائید کرنے والے اقوال ان کے پاس ہوتے تھے، جن سے اختلاف کرنے کی کوئی
 گنجائش نہیں ہوتی تھی، اگر ان میں سے کسی کو مسئلہ میں کوئی ایسی چیز ملتی جس سے
 اس کا قلب مطمئن ہوتا، نقول کے تعارض یا ترجیح کے اباب کے عدم وضاحت
 کی وجہ سے یا کسی اور معقول سبب سے تو پھر وہ اپنے پیشرو فقہاء اور علماء کے کلام
 کی طرف رجوع کرتا تھا، اگر اس کے بارے میں اس کو دو قول ملتے، تو ان میں سے
 وہ اس کو اختیار کر لیتا جو زیادہ قوی اور مدلل ہوتا، چاہے یہ قول علمائے مدینہ
 کا ہوتا، یا علمائے کوفہ کا، جو تخریج (اجتہاد و استنباط) کی اہلیت رکھتے تھے،
 وہ ایسے مسئلہ میں جس میں ان کو کوئی صراحت نہیں ملتی تھی، تخریج و اجتہاد سے
 کام لیتے تھے، یہ لوگ اپنے اساتذہ یا اہل گروہ کی طرف منسوب کئے جاتے تھے،
 مثلاً کہا جاتا تھا کہ فلاں شافعی ہے، فلاں حنفی، علمائے حدیث میں بھی جو کسی
 مذہب سے زیادہ اتفاق کرتا تھا، اس کی طرف منسوب ہو جاتا تھا، مثلاً نسائی
 اور بیہقی کی نسبت امام شافعیؒ کی طرف کی جاتی تھی، اس زمانہ میں قصاص
 و افتاء پر اسی کا تقرر کیا جاتا تھا، جس میں اجتہاد کی صلاحیت ہوتی تھی، فقہیہ
 وہی کہلاتا جو مجتہد ہوتا، پھر ان صدیوں کے بعد دوسری طرح کے لوگ

پیدا ہوئے جنہوں نے چپ و راست کا راستہ اختیار کیا ہے

تقلید کی جائز اور فطری شکل

شاہ صاحب غایت انصاف اور حقیقت پسندی سے کام لیتے ہوئے ایسے شخص کو تقلید کے بارے میں معذور سمجھتے ہیں جو کسی مذہب فقہی یا معین امام کا تقلد تو ضرور ہے لیکن اس کی نیت محض صاحب شریعت کی پیروی اور اتباع نبوی ہے لیکن وہ اپنے اندر اس کی اہلیت نہیں پاتا کہ وہ حکم شرعی اور جو چیز کتاب و سنت سے ثابت ہے اس تک براہ راست پہنچ جائے اس کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں مثلاً وہ عامی شخص ہے یا اس کے پاس براہ راست تحقیق کرنے کے لئے وقت و فرصت نہیں یا ایسے وسائل (علم و تحقیق) حاصل نہیں جن سے وہ نصوص کا خود پتہ چلائے یا ان سے مسئلہ استنباط کر لے شاہ صاحب علامہ ابن حزم کا یہ قول نقل کرنے کے بعد کہ تقلید حرام ہے اور کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی کے قول کو بلا دلیل قبول کر لے تحریر فرماتے ہیں:-

۱- ابن حزم کے قول کا مصداق وہ شخص نہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کے قول کے علاوہ کسی کو اپنے لئے واجب الطاعت نہیں سمجھتا، وہ حلال

اسی کو گردانتا ہے جس کو اللہ اور اس کے رسول نے حلال کیا، اور حرام اسی کو

مانتا ہے جس کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا، لیکن چونکہ اس کو براہ راست

آن حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (کے اقوال و احوال) کا علم حاصل نہیں اور وہ

آپ کے مختلف اقوال میں تطبیق دینے کی صلاحیت اور آپ کے کلام سے

مسائل استنباط کرنے کی قدرت نہیں رکھتا، وہ کسی خدا ترس عالم کا دامن پکڑ لیتا ہے، یہ سمجھتے ہوئے کہ وہ صحیح بات کہتا ہے اور اگر مسئلہ بیان کرتا ہے تو اس میں وہ محض سنت نبویؐ کا پیرو اور ترخان ہوتا ہے، جیسے ہی اس کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا یہ خیال صحیح نہیں تھا، اسی وقت وہ بغیر کسی بحث و اصرار کے اس کا دامن چھوڑ دیتا ہے، بھلا ایسے آدمی کو کوئی کیسے مطمئن کرے گا، اور اس کو شرعیات کا مخالف قرار دے گا؟

سب کو معلوم ہے کہ استفتاء اور افتاء کا سلسلہ عہد نبویؐ سے لے کر برابر چلتا رہا ہے اور ان دونوں میں کیا فرق ہے کہ ایک آدمی ہمیشہ ایک سے فتویٰ لیتا ہے یا کبھی ایک سے فتویٰ لیتا ہے کبھی دوسرے سے، ایسی حالت میں کہ اس کا ذہن صاف ہے، اس کی نیت سلیم ہے، اور وہ صرف اتباع شریعت چاہتا ہے، یہ بات کیسے جائز نہیں؟ جبکہ کسی فقیہ کے بارے میں ہمارا یہ ایمان نہیں ہے کہ اللہ نے اس پر آسمان سے فقہ اناریٰ اور ہم پر اس کی اطاعت فرض کی ہے، اور یہ کہ وہ معصوم ہے تو اگر ہم نے ان فقہاء اور ائمہ میں سے کسی کی اقتداء کی تو محض اس بناء پر کہ ہم یہ جانتے ہیں کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا عالم ہے، اس کا قول (فتویٰ) دو حالتوں میں سے کسی ایک حالت سے خالی نہیں یا وہ کتاب سنت کے صریح حکم پر مبنی ہے یا وہ استنباط کے اصولوں میں سے کسی اصول کے مطابق اس سے مستنبط کیا ہوا ہے، یا اس نے قرائن سے یہ سمجھ لیا ہے کہ حکم فلاں علت کے ساتھ وابستہ ہے (اور وہ علت یہاں پائی جاتی ہے) اور اس کا قلب اس بات پر مطمئن ہو گیا ہے،

اس بناء پر اس نے غیر منصوص کو منصوص پر قیاس کیا، گویا وہ زبان حال سے کہتا ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا کہ جہاں یہ علت پائی جائے وہاں حکم یہ ہوگا، اور یہ قیاسی مسئلہ اس عموم اور کلمہ میں شامل ہے اس طرح اس حکم کی نسبت بھی آن حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کی جاسکتی ہے، لیکن ظنی طریقہ پر اگر صورت حال یہ نہ ہوتی تو کوئی صاحب ایمان کسی مجتہد کی تقلید نہ کرتا، اگر ہمیں رسول معصوم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن کی طاعت کو اللہ تعالیٰ نے ہم پر فرض کیا ہے کوئی حدیث قابل وثوق سند سے پہنچے جو اس مجتہد یا امام کے فتوے اور قول کے خلاف ہو، اور ہم اس حدیث کو چھوڑ دیں اور اس ظنی طریقہ کی پیروی کریں تو ہم سے بڑھ کر ناروا طریقہ اختیار کرنے والا کون ہوگا، اور کل ہمارا خدا کے سامنے کیا عذر ہوگا؟

مذہب اربعہ کی خصوصیت

اس مصنفانہ اور محققانہ تجزیہ کے بعد شاہ صاحبؒ ان چار فقہی مذاہب (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) کے بارے میں جن پر عالم اسلام میں عام طور پر عمل کیا جا رہا ہے اپنے رسالہ "معتقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید" میں جو بہ قامت کہتر بقیہ بہتر کا مصداق ہے تحریر فرماتے ہیں:-

”یادرکھو کہ ان مذاہب اربعہ کے اختیار کرنے میں بڑی مصلحت ہے، اور

ان چاروں کو بالکل نظر انداز کر دینے میں بڑا مفسدہ ہے اس کے کئی وجوہ و اسباب ہیں، ایک یہ کہ امت کا اس پر اتفاق رہا ہے کہ شریعت کے معلوم کرنے کے بارے میں وہ سلف متقدمین پر اعتماد کرے، تابعین نے اس بارے میں صحابہؓ پر اعتماد کیا اور تبع تابعین نے تابعین پر و علیٰ ہذا القیاس ہر دور کے علماء نے اپنے پیشروؤں پر اعتماد کیا، عقل سے بھی اس کا تمسک ہونا ثابت ہوتا ہے اس لئے کہ شریعت کے علم کا ذریعہ نقل اور استنباط ہے اور نقل جب یہی ممکن ہے جب ہر طبقہ اپنے اس پہلے طبقہ سے جو اس سے متصل ہے اخذ کرے استنباط میں بھی یہ ضروری ہے کہ متقدمین کے مذاہب معلوم ہوں تاکہ ان کے اقوال کے دائرہ سے خارج ہو کر خرق اجراع نہ ہو جائے اس لئے ان اقوال کے جاننے اور سابقین سے مدد لینے کی ضرورت ہے دوسرے علوم و فنون اور ہنروں اور پیشوں کا بھی یہی حال ہے، صرف نحو، طب، شاعری، لوہاری، تجارتی زندگی وغیرہ سب اسی وقت حاصل ہوتے ہیں جب ان کے استادوں اور ان کے ساتھ اشتغال رکھنے والوں کی صحبت اختیار کی جائے اس کے بغیر مہارت حاصل ہو جائے ایسا بہت کم پیش آتا ہے اگرچہ عقلاً ایسا ممکن ہے لیکن واقعہً ہوتا نہیں۔

جب یہ بات متعین ہو گئی کہ سلف کے اقوال و تحقیقات پر اعتماد ضروری ہے تو پھر یہ ضروری ہو گیا کہ جن اقوال پر اعتماد کیا جا رہا ہے وہ سند صحیح سے مروی مشہور کتابوں میں مدون ہوں اور ان پر ایسا کام ہوا ہو کہ اس میں راجح اور مرجوح اور عام و خاص کا امتیاز آسان ہو جہاں اطلاق پایا جاتا ہے وہاں

یہ تہ چل سکے کہ اس میں مقتد کیا ہے؟ مختلف اقوال میں تطبیق دی جا چکی ہو اور احکام کے علل پر روشنی ڈالی جا چکی ہو، نہیں تو ایسے مذاہب و اجتہادات پر اعتماد صحیح نہیں ہوگا، ان پچھلے ادوار میں کوئی مذہب (فقہی) بھی ایسا نہیں ہے جس میں یہ صفت پائے جاتے ہوں اور یہ شرطیں پوری ہوتی ہوں سوائے ان مذاہب اربعہ کے!

اس طرح شاہ صاحب نے اجتہاد و تقلید کے درمیان وہ نقطہ اعتدال اختیار کیا ہے جو مقاصد شریعت، فطرت انسانی اور واقعات کی دنیا سے پورے طور پر مطابق ہے انھوں نے تقلید کے ساتھ یہ شرط لگا دی ہے کہ اس بابے میں ذہن صاف اور نیت درست ہو کہ مقصود صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع اور کتاب و سنت کی پیروی ہے اور یہ اس اعتماد پر ہے کہ ہم جس کو واسطہ بنا رہے ہیں وہ کتاب و سنت کا عالم اور شریعت اسلامی کا محض نمائندہ اور ترجمان ہے نیز یہ کہ ذہن اس کے لئے تیار رہے (خواہ اس کا موقع مدتوں میں آئے) کہ جب اس بات کا یقین پیدا ہو جائیگا کہ صورت حال اس سے مختلف ہے اور سنت سے ثابت حکم دوسرا ہے تو ایک صاحب ایمان کو دوسری شکل کے اختیار کرنے میں کبھی تامل نہ ہوگا۔

فَلَا وَرَيْكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يَكْمُؤُوا
فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي
أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ
وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا
تہا ہے پروردگار کی قسم یہ لوگ جب تک
اپنے تنازعات میں تمہیں نصف نہ بنائیں
اور جو فیصلہ تم کرو اس سے اپنے دلیلیں
تنگ نہ ہوں بلکہ اس کو خوشی سے
مان لیں تب تک مومن نہیں ہوں گے۔

(سورہ نساء - ۶۵)

ہر زمانہ میں اجتہاد کی ضرورت

مذہب اربعہ کی خصوصیات اور فقہائے محدثین کی خدمات اور ان کی عظمت کا پورا اعتراف کرتے ہوئے اور اس فقہی و حدیثی ذخیرہ کو بیش قیمت اور قابل استفادہ قرار دیتے ہوئے اور اس سے بے نیازی و استغناء کو معز و محرومی کا سبب مانتے ہوئے شاہ صاحب اس کے قائل ہیں کہ اجتہاد (اپنی شرطوں اور ضروری احتیاطوں کے ساتھ) ہر دور کی ضرورت، حیات انسانی اور تمدن و معاشرت کی تغیر پذیری، اور نمودار تقاضا کی صلاحیت اور انسانی ضروریات، حوادث و تغیرات کے تسلسل کا فطری تقاضا اور شریعت اسلامی کی وسعت، اس کے من جانب الشر ہونے اور قیامت تک انسانوں کی رہنمائی اور معاشرہ کے جائز تقاضوں کی تکمیل کی صلاحیت رکھنے کا ثبوت ہے، جس کا اظہار اور ثبوت ہر دور میں ضروری اور عاملین شریعت کا فرض ہے۔

مقدمہ مصنف میں لکھتے ہیں:۔

”اجتہاد ہر زمانہ میں فرض با کلفایہ ہے، یہاں اجتہاد سے مراد اجتہاد مستقل نہیں، جیسا کہ امام شافعیؒ کا اجتہاد تھا، جو جرح و تعدیل، زبان دانی وغیرہ میں کسی دوسرے کے محتاج نہ تھے، اور اسی طرح اپنی مجتہدانہ درایت میں (اپنے پورے اقسام کے ساتھ) وہ دوسرے کے تابع نہ تھے، مقصود اجتہاد منتسب ہے، اور وہ نام ہے احکام شرعی کو ان کے تفصیلی ادلہ کے ذریعہ جاننے کا، اور مجتہدین کے طریقہ پر تفریع مسائل اور ترتیب احکام کا، خواہ وہ کسی صاحب مذہب کی رہنمائی سے ہو۔“

اور ہم جو یہ کہتے ہیں کہ اجتہاد اس زمانہ میں فرض ہے (اور یہ محققین اہل علم کا
 اجماعی مسئلہ ہے) اس کی وجہ یہ ہے کہ مسائل کثیر الوقوع ہیں جن کا حصر ممکن
 نہیں اور ان کے بارے میں اللہ کے حکم کا جاننا واجب ہے اور جو تحریر قدس
 میں آچکا ہے وہ ناکافی ہے اور ان کے بارے میں اختلافات بہت ہیں جن کا
 حل کرنا دلائل کی طرف رجوع کے بغیر ممکن نہیں ائمہ مجتہدین سے جو مسائل کی روایا
 منقول ہیں ان میں اکثر میں انقطاع ہے کہ قلب ان پر اطمینان کے ساتھ اعتماد
 نہیں کر سکتا، اس لئے ان کو قواعد اجتہاد پر پیش کئے اور تحقیق کئے بغیر معاملہ
 بنتا نہیں ہے



باب ہفتم

شرعیات اسلامی کی مربوط و بدلتل ترجمانی اور اس میں مقاصد جدید کی نقاب کشائی
حجۃ اللہ البالغۃ کے آئینہ میں

حجۃ اللہ البالغۃ کا امتیاز و انفرادیت

شاہ صاحبؒ کی سب سے معرکہ الآراء کتاب اور علمی کارنامہ حجۃ اللہ البالغۃ ہے جس میں دین و نظام شرعیات کا ایک ایسا مربوط، جامع اور بدلتل نقشہ پیش کیا گیا ہے جس میں ایمانیات، عبادات، معاملات، اخلاق، علم الاجتماع و تمدن، سیاست و احسان کو ایک ایسے ربط و تعلق اور صحیح تناسب کے ساتھ پیش کیا گیا ہے کہ وہ ایک ہمارے موتی اور ایک زنجیر کی کڑیاں معلوم ہوتی ہیں اور ان میں اصول و فروع، مقاصد و وسائل اور دائمی و موقت کا فرق لگنا ہوں سے اوچھل نہیں ہونے پاتا، جو ان بہت سی تصنیفات و تحقیقات کی قدیم کمزوری ہے جو کسی غلو یا انصاف کے رد عمل یا کسی جذبہ یا جوش کے ماتحت لکھی گئی ہیں اس ربط و تناسب کی وجہ سے (شاہ صاحبؒ کی فطری سلامت طبع و اعتدال کے علاوہ) ان کا علم حدیث کا گہرا اور وسیع مطالعہ اور وہ مخصوص مزاج ہے جو حدیث اور سیرت کے اشتغال یا مزاج نبویؐ سے مناسبت رکھنے والے کسی عالم ربانی کی صحبت و تربیت میں پیدا ہوتا ہے، اسلام کی یہ مربوط و جامع ترجمانی جو حجۃ اللہ کے صفحات میں دیکھنے میں آتی ہے،

بہت کم دینی تصنیفات میں نظر آئیگی، اس طرح حجة الشرائع اس دور عقلیت کے لئے ایک نیا علم کلام بن گیا ہے جس میں ایک حق پسند و سلیم الطبع انسان کے لئے (جس کو علمی استعداد اور دقت نظر کا بھی کچھ حصہ ملا ہو) تشفی کا وافر سامان ہے، ہمارے علم میں کسی مذہب کی تائید اور اس کی حکیمانہ توجیہ و تشریح میں (ان زبانوں میں جن سے ہم واقف ہیں) اس پایہ کی کتاب نہیں لکھی گئی، اور اگر لکھی گئی تو اس وقت علمی دنیا کے سامنے نہیں ہے۔

بارہویں صدی کے کچھ بعد ہی ہندوستان اور پورے عالم اسلام میں (مختلف تعلیمی، تمدنی، علمی و عقلی اسباب کی بناء پر) ایک خاص طرح کی عقلیت کا جو دور شروع ہونے والا تھا، اور احکام شریعت کے اسرار و مصالح کی جستجو کا جو عام ذوق پیدا ہونے والا تھا اور اس کی وجہ سے بہت سے ذہن بھٹکنے اور بہت سے قلم بہکنے کے لئے تیار تھے، خاص طور پر حدیث اور سنت (خاص اسباب کی بناء پر) اعتراضات و شبہات کا سب سے زیادہ نشانہ بننے والی تھی، ان نئے تقاضوں سے صحیح طور پر وہی شخص عہدہ برآ ہو سکتا تھا جو کتاب سنت علوم حکمت، علم کلام، علم الاخلاق، علم النفس (اور اپنے زمانہ کے حدود کے اندر) علم الافتقار علم المعیشت اور علم سیاست سے واقف ہو، پھر ان سب کے ساتھ احسان اور تزکیہ کے

لے عام مرغب علماء و اہل نظر میں راقم سطور نے زعم مغرب علامہ عطاء اللہ الفاسی مراکشی مصنف مقاصد الشریعة الاسلامیہ و مکارہا اور محالی الاتاد محمد المبارک مابین عمید کلیۃ الشریعة و وزیر اعلیٰ کو شاہ حاکمی مدح او حجة الشرائع کی تعریف میں ہمیشہ رطب اللسان پایا، وہ خاص طور پر اسی پہلو سے متاثر تھے کہ اس کتاب میں دین کے تمام شعبوں یہاں تک کہ اخلاق اور تزکیہ نفس و احسان تک کی نائندگی و ترجمانی ہے۔

۱۱۵ اس کی تفصیل مصنف کے رسالہ اسلامی مزاج و ماحول کی تشکیل و حفاظت میں حدیث کا بنیادی کردار میں دیکھی جاسکتی ہے، ملاحظہ ہو ص ۱۴۱-۱۴۵

فن کے جوہر و حقیقت سے نہ صرف آگاہ بلکہ اس میں درجہ اجتہاد پر فائز ہو۔

اس سب کا اقتضاء تھا کہ اس دور کے شروع ہونے سے پہلے بارہویں صدی کے لام کے قلم سے ایسی کتاب لکھوا دی جائے جو اس ضرورت کو اس بڑی حد تک پورا کرے جو کسی ایسے انسان کے قلم سے ممکن ہے جو بہر حال انسان ہے وہ نہ معصوم ہے نہ اس کا علم سارے زمانوں، مقامات اور معلومات پر محیط ہے اس پر اپنے زمانہ کی (کم سے کم درجہ میں) چھاپ اور اس نظام تعلیم و تربیت کا اثر بھی ہے جس میں اس نے نشوونما پایا ہے پھر بھی وہ اصلاً دانش کدہ قرآنی اور درس گاہ حدیث و سنت کا فیض یافتہ اور ان کا ترجمان نظر آتا ہے۔

شاہ صاحب کتاب کی تصنیف کے محرکات و دواعی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”علوم حدیث میں سب سے باریک، دقیق و عمیق، رفیع و بدیع، علم اسرار دین کا وہ علم ہے جس میں حکام کی حکمتیں اور ان کے لمبیات اور خواص اعمال کے اسرار و نکات بیان کئے جائیں، جن کے ذریعہ انسان شریعت کی لائی ہوئی چیزوں کے بارے میں صاحب بصیرت بن جاتا اور خلط و خبط سے محفوظ رہتا ہے۔“

موضوع کی نزاکت

لیکن حقائق دینی اور احکام شرعی کی حکمتوں، مصالح اور اسباب و علل کے بیان کرنے کا موضوع بڑا نازک ہے، ذرا سی بے اعتدالی، کسی خاص رجحان کے غلبہ یا زمانہ کے اثر سے پڑھنے والے کا ذہن شرائع مساوی اور تعلیمات نبوی کی پیڑی سے اتر کر جس میں صل مقصود رضائے الہی، قرب خداوندی اور نجات اخروی کو قرار دیا گیا ہے، مادی منافع زندگی

بہتر تنظیم اور تمدنی فوائدا سیاسی مقاصد کے حصول کی پٹری پر چلتا ہے اور کسی وجہ کے پورے سلسلہ سے ایمان و اعتساب کی روح یا تو بالکل نکل جاتی ہے یا بہت کمزور و مجروح ہو کر رہ جاتی ہے مثال کے طور پر نماز کی حکمت و مصلحت یہ بیان کی جاسکتی ہے کہ وہ ایک فوجی پر پڑ ہے اور اس کے نظم و اطاعت امیر اور حکومت اسلامی کے قیام میں مدد ملتی ہے روزہ صحت کے لئے مفید ترین طریقہ ہے زکوٰۃ اہل دولت پر غریبوں کا ٹیکس ہے حج ایک سالانہ بین الاقوامی اسلامی موٹر (کانفرنس) ہے جس میں ملت کے مفاد میں مسائل پر غور و مشورہ کیا جاتا ہے۔

ان خطرات کے پیش نظر (جنہوں نے امکانات و احتمالات سے بڑھ کر واقعات اور عملی مثالوں کی جگہ لے لی ہے) اس موضوع سے صحیح طور پر وہی عالم ہمہ گیر آہو سکتا تھا جس کے ہاتھ میں دین و شریعت کا اصل سر رشته ہو جو شرائع الہی کے نزول اور انبیاء کی بعثت کے مقصد کے آگاہ ہو، اور جس کے رگ و پے میں ایمان و اعتساب کی روح سرایت کر چکی ہو اور جس کا ذہنی و علمی نشوونما کتاب سنت اور ایمان و اعتساب کے ماحول میں اور ان کے زیر سایہ ہوا ہو اور شاہ صاحب (جیسا کہ ان کے حالات سے معلوم ہو چکا ہے) اس نازک موضوع پر قلم اٹھانے کے لئے موزوں ترین شخصیت تھے۔

لے حدیث و سنت کی اصطلاح میں کسی عمل کو اجر و ثواب کی لاپچ اور شوق اور اس پر اللہ کی طرف سے جو وعدے ہیں ان کے یقین کے ساتھ کرنے کو اعتساب کہتے ہیں صحیح حدیث میں آتا ہے: "من صام رمضان ایما ناً واحتساباً غُفِرَ لہ ما تقدم من ذنبہ" (بخاری) (جو رمضان کے روزے اللہ کے وعدوں پر یقین کرتے ہوئے اور اس کے اجر و ثواب کے شوق و طمع میں رکھے گا اس کے سب کچھ گناہ معاف ہو جائیں گے) قیام میلۃ القدر کے بارے میں بھی ایسی ہی حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔

مستقل تصانیف کی ضرورت اور علمائے متقدمین کی ابتدائی کوششیں

شاہ صاحبؒ اس موضوع پر متقدمین کی مختصر کاوشوں کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”متقدمین نے ان مصالح کی نقاب کشائی کی ہے جن کی ابواب شرعی میں رہتا
کی گئی ہے، بعد کے محققین نے بعض بڑے قیمتی نکتے بھی بیان کئے ہیں لیکن اس کی
مقدار اتنی ہی ہے کہ اب اس موضوع پر کلام کرنا فوق اجماع نہیں رہا، کسی نے
اس موضوع پر مستقل تصنیف نہیں کی، اور اس کے اصول و فروع کو پورے
طور پر مرتب نہیں کیا۔“

اس سلسلہ میں شاہ صاحبؒ نے امام غزالیؒ، علامہ خطابیؒ، اور شیخ الاسلامؒ بن
عبد السلامؒ کا حوالہ دیا ہے جن کی کتابوں اور تحریروں میں جستہ جستہ ایسے مضامین اور اشارے
ملتے ہیں، شاہ صاحبؒ نے اس دھوے کی تردید کے سلسلہ میں کہ احکام شرعی مصالح پر مشتمل نہیں ہیں
اور اعمال و جزا میں مناسبت کا ہونا کچھ ضروری نہیں ہے، ان آیات و احادیث سے استدلال
کیا ہے جن میں اعمال اور ان کے نتیجوں میں ربط بتایا گیا ہے، بعض احکام کی قلت و مصلحت بھی بیان
کی گئی ہے، نیز ان احادیث کا بھی ذکر کیا ہے جن میں کسی عبادت یا عمل کی مشروعیت کا سبب یا
تعیینات کے اسرار بیان کئے گئے ہیں، نیز بعض ممانعتوں کے ان اسباب اور حکمتوں کی مثالیں بھی
دی ہیں جو حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہؓ سے منقول ہیں، اور ان خیالات و ظنون کی تردید فرمائی ہے،
اور ان کا جواب دیا ہے، جو اس نازک عمل کی تدوین کو نامکن یا غیر مفید یا فعل جدید بتلاتے
ہیں، اور اس کی وضاحت کی ہے کہ اس موضوع کی طرف اس وقت پوری توجہ نہ ہونے کے

بہر حال اللہ تعالیٰ نے شاہ صاحب کو اس ماہم کام کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائی اور ان کے قلم سے جلیل القدر کتاب نکل کر اہل علم کے ہاتھوں تک پہنچی ہے۔

تمہیدی و بنیادی مضامین تکلیف و مجازات

کتاب کے ابتدائی حصہ میں شاہ صاحب نے ان تمہیدی مباحث کو شامل کیا ہے جن سے ہدایت ربانی تعلیمات آسمانی اور انبیاء کی بعثت اور ان کی تعلیم و تربیت کی ضرورت ثابت ہو اس میں بنیادی اصولی لہجہ اللہ ابانہ صبح پہلے بھوپال کے عالم و باخدا وزیر و نظم ریاست دارالہمام مولانا جلال الدین (م ۱۳۹۹ھ) کے ایام و ہدایت پر انھیں کے مصارف مولانا محمد حسن صدیقی (م ۱۳۱۲ھ) کے اہتمام میں طبع صدیقی بریلی میں ۱۳۱۲ھ میں طبع ہوئی دوسری مرتبہ امیر الملک لاجپور نواب میر صدیقی حسن خان بہادر (م ۱۳۰۹ھ) کے حکم پر ۱۳۱۲ھ میں طبع بلالاق مصر سے اس کی اشاعت ہوئی مصر سے اس کے دعاویٹیشن اور نکلے ۱۳۱۲ھ (۱۹۰۹ء) میں مولانا عطیہ اللہ خلیفہ حنا کے اہتمام میں المکتبۃ السلفیہ لاہور نے اس کا ایک ایڈیشن نکالا جو مصری ایڈیشن کا آفسٹ ہے مصر سے حال ہی میں اس کا چوتھا ایڈیشن نکلا ہے جو مشہور مصری عالم اور اخوانی رہنما سید سابق کی تحقیق و مراجعت مفصل مقدمہ و مصنف مقام کے تعارف اور مولف کے ساتھ دارالکتب الحدیث قاہرہ اور مکتبۃ المثنیٰ بغداد کی طرف سے شائع ہوا ہے لیکن کتاب کی تصحیح و تنسیخ تحریری احادیث اور اشارات کی توضیح کے ذریعہ جو خدمت ہوئی چاہئے تھی وہ ابھی تک نہیں ہوئی۔

اردو میں اس کے دو ترجمے شائع ہوئے پہلا ترجمہ اپنے ہم کردہ قائل جلیل عالم تاجر مولانا عبدالحق خانی کے قلم سے فقہانہ الاسانفہ کے نام سے دو حصوں میں مکمل ہوا یہ ترجمہ ۱۳۱۲ھ میں مکمل ہوا تھا اور ۱۳۱۲ھ میں طبع احمدی پرنٹرز نے شائع ہوا بعد میں نور محمد امجدی المطابع آرمینیا بلخ کراچی سے دوبارہ شائع ہوا اور راز محمد خان خلیل احمد صاحب اسرائیلی کے قلم سے آیات اللہ الکاملہ کے نام سے طبع اسلامی کی طرف سے شائع ہوا۔

لیکن یہ کتاب ان کتابوں میں نہیں ہے جن کا محض کسی زبان میں منتقل کر دینا اور فطری ترجمہ کر دینا کافی ہو اس لئے اردو خواں اصحابان ترجموں کے خاطر خواہ فائدہ نہیں لے سکتے اور ان کو اس کتاب کے مضامین کی بلندی اور افادیت کا صحیح اندازہ نہیں ہوا۔

اور بنیادی بحث وہ ہے جو انھوں نے "باب سوا التكليف" کے عنوان کے ماتحت پیش کی ہے اور جس میں ثابت کیا ہے کہ "تکلیف" نوع انسانی کے فطری تقاضوں میں سے ہے، انسان اپنی زبان استعداد سے سوال کرتا ہے کہ خدا اس پر ایسی چیز واجب کرے جو قوت ملکیت کے مناسب ہو، پھر اس پر ثواب دے، اور اس پر قوت یہیمہ میں انہماک کو (جو اس کے اندر ودیعت ہے) حرام کرے اور اس کو سزا دے، اس سلسلہ میں شاہ صاحب کے حیوانات، نباتات اور نوع انسانی کے وسیع اور دقیق مطالعہ کا اظہار ہوتا ہے، نیز طبیعیات و طب اور نباتات سے واقفیت بھی ظاہر ہوتی ہے، شاہ صاحب نے عقلی طور پر یہ ثابت کیا ہے کہ انسانوں کو حیوانات و نباتات سے جو امتیاز حاصل ہے اور ان میں جو استعدادیں اور فطری طلب رکھی گئی ہیں، وہ زبان حال سے تکلیف شرعی اور ہدایت ربانی کا سوال کرتی ہے، شاہ صاحب اس کو "التكليف المحاسی" (زبان حال سے بھیک مانگنا اور ہاتھ پھیلاتا) کے بلیغ الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں، اس کے ساتھ التکلیف العلمی (علمی در یوزہ گری) کا اضافہ کرتے ہیں۔

ان کے نزدیک انسان کے اندر (عقل و نطق کے علاوہ) دو چیزیں اور ہیں "زیادة القوة العقلية" اور "براعة القوة العملية" اس میں انسان کے اندر صرف قوت عقلیہ اور قوت عملیہ کا وجود ہی نہیں، بلکہ ان کی ترقی، بلند ہمتی، طلب کمال، نا آسودگی بھی اس کی فطرت میں ہے، شاہ صاحب کے نزدیک خلق ملائکہ، حوادث عظیمہ اور ارسال رسل اسی کا نتیجہ ہے، وہ یہ سب (عنایتاً بالنوع) اس اعتنا و اہتمام کا کرشمہ ہے جو پوری نوع انسانی کے شامل حال ہے، اور یہ سب ربوبیت و رحمت الہی کی تجلیات ہیں، ان کے نزدیک

لے خدا کا اپنے بندوں کو مخاطب کرنا اور احکام پھیل کرنے اور مائے ہی سے بچنے کا مکلف بنانا جس کو قرآن مجید میں "الامانة" کے لفظ سے ادا کیا گیا ہے "اِنَّا عَزَمْنَا الْاَمَانَةَ" (الاحزاب ۷۲) کی تفسیر لاطم موحیۃ الشرا بانہ

ملہ ایضاً ص ۲

عبادات اور عمل بالشرائع نوع انسان کا ایسا ہی نوعی تقاضا ہے جیسا درندوں کا گوشت کھانا، بہائم کا گھاس چرنا، اور شہد کی مکھیوں کا اپنے سردار (عیسوب) کی فرماں برداری کرنا، البتہ حیوانات کے علوم الہام جبلی سے تعلق رکھتے ہیں اور انسان کے علوم، اعمال، کسب، نظریہ و عمل یا اتباع سے تعلق رکھتے ہیں۔

اس کے بعد پھر شاہ صاحب مجازات (جزا و سزا) کو تکلیف شرعی کا قدرتی تقاضا بتاتے ہیں ان کے نزدیک اس کے چار اسباب ہیں (۱) صورت نوعیہ کا تقاضا (۲) ملأ اعلیٰ کے اثرات (۳) شریعت کا مقتضی (۴) نبی کی بعثت کا نتیجہ و تقاضا اور اللہ تعالیٰ کے اس کی قبولیت و نصرت کے فیصلہ کا لازمہ، پھر انسانوں میں اپنی جبلت میں اختلاف کی وجہ سے اخلاق و اعمال اور مراتب کمال میں بھی اختلاف ہوتا ہے، اس موقع پر شاہ صاحب نے "ملکیت" اور "بہیمیت" کے اجتماع، ان کے غلبہ و ضعف کے تناسب اور ان کے باہمی تعلق کی نوعیت کی (جن کو وہ "متجاذب" و "اصطلاح" کے الفاظ سے ادا کرتے ہیں) آٹھ شکلیں اور ان کے خواص بیان کئے ہیں اور ان میں جن کو ترجیح حاصل ہے اس کا ذکر کیا ہے، یہ بحث اور تفریع شاہ صاحب کی قوت استقراء اور ذہانت کا نمونہ اور کتاب کی خصوصیت میں ہے، اور ان سے انسانوں کے احوال و فطرت کا دقیق مطالعہ معلوم ہوتا ہے۔

اعمال کی اہمیت اور ان کے اثرات

شاہ صاحب اعمال کی اہمیت ان کلمات انسانی پر اثر ان اعمال کے دنیا اور

لے باب انشقاق التکلیف من التقدير من ۲۴-۲۵ لے شاہ صاحب نے کتاب کے شروع ہی میں عالم مثال

اور ملأ اعلیٰ کو ثابت کیا ہے کہ ان دونوں کے حوالہ کی بار بار ضرورت پیش آئیگی اور بہت سی احادیث و آیات کا

ان دونوں کے بغیر سمجھنا مشکل ہے، ملاحظہ ہو ص ۱۵-۱۶ لے ایضاً ص ۲۵ لے ایضاً

آخرت میں اثرات مرتب ہونے کی شکلیں بیان کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ اعمال میں (لما اعلیٰ کی پسندیدگی یا ناپسندیدگی کی وجہ سے) وہ اثر پیدا ہو جاتا ہے جو ان تعویذوں اور نقوش میں ہوتا ہے جو اپنی ہیئت خاصہ اور شرائط کے ساتھ سلف منقول ہیں اس طرح یہ ابتدائی مباحث کتاب کے مطالعہ کرنے والے کے ذہن کو آگے کے ان مباحث کے لئے تیار کر دینے ہیں جن کی بنیاد ہی انسان کے نوعی تقاضوں کے سمجھنے، نگہداشت شرعی کے اسباب اور ان پر مرتب ہونے والی مجازات، ربوبیت و رحمت کے تقاضوں اعمال کی اہمیت اور ان کے انسانوں کی ہیئت اجتماعی اور حیات انسانی سے ربط و تعلق اور ان غیبی حقائق اور غیر مرئی عوالم و اشیاء کے وجود کے تسلیم کرنے پر منحصر ہے۔

ارتفاقات

حجۃ اللہ کے مطالعہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کی دور بین نگاہ اور بدلتے ہوئے حالات کے عمیق اور حقیقت پسندانہ مطالعہ نے (تا یہ کہ نبی کی مدد سے) یہ دیکھ یا تھا کہ جلد وہ زمانہ آنے والا ہے جس میں ایک طرف لوگ احکام شریعت یا خصوص حدیث و سنت کی تعلیمات اور اثرات نبوی کے حکم و اسرار کے سمجھنے کی کوشش کریں گے اور ان کے تمدنی، اجتماعی، معاشرتی اور عملی فوائد معلوم کرنا چاہیں گے، دوسری طرف وہ دین و زندگی میں ربط معلوم کرنا چاہیں گے اور دینی تعلیمات اور آسمانی ہدایات کو زندگی کے وسیع دائرہ (CANVAS) اور انسانوں کے باہمی روابط اور اساتذہ و نتائج کے باہمی تعلق کے سیاق و سباق (CONTEXT) میں سمجھنے اور ان کی افادیت معلوم کرنے کی کوشش کریں گے۔

اس لئے شاہ صاحب نے ”حجۃ الشراب النفع“ کو جو اصلاً شریعت کے اسرار و حکم اور حدیث و سنت کی عقلی تشریح کے لئے لکھی گئی، نظام تشرعی سے شروع کرنے سے پہلے جو ان اوامروں کو اپنی پرستش میں ہوتا ہے جن کا اصلاً تعلق ثواب و عقاب، نجات و فلاح اخروی اور شاہ صاحب کی اصطلاح میں ”مبحث البر والائتم“ سے ہے، کتاب کو ان مباحث سے شروع کیا ہے جن کا تعلق دنیا کے نظام تکوینی اور حیات انسانی سے ہے اور جن کی پابندی سے ایک صحت مند ہیئت اجتماعی، اور ایک صالح تمدن وجود میں آتا ہے، شاہ صاحب نے اس کے لئے ”ارتفاقات“ کی اصطلاح استعمال کی ہے جو ہمہ علم میں اس سے پہلے مسلمان متکلمین، فلاسفہ اور علمائے اجتماع نے (کم سے کم اس وضاحت اور تسلسل سے) استعمال نہیں کی۔

ارتفاق کی اہمیت

ارتفاق سے شاہ صاحب کی مراد افراد کا ایک دوسرے سے جائز انتفاع، تعاون، اشتراک عمل اور معتدل و متوازن شہری زندگی کے قیام کے لئے ”تدبیرات نافعہ“ ہیں۔
 اس طرح شاہ صاحب نے انسانی سعادت کے انفرادی و اجتماعی دونوں پہلوؤں اور دنیوی و اخروی دونوں زندگیوں سے بحث کی ہے، شاہ صاحب کے نزدیک یہ نظام تکوینی انبیاء علیہم السلام کے لائے ہوئے نظام تشرعی کے نہ صرف مطابق ہونا چاہئے، بلکہ اس کے لئے لے عربی زبان کے سب سے بڑے لغت ”لسان العرب“ میں رفق کے مادہ میں ہے ”یقال للمتطیب مترفق ورفیق“ والرفق والرفق والرفق ما استعین به، وقد ترفق به وارتفق، وفي التنزيل ”وَبِهِدْيٍ لَّكُمْ مِّنْ أَمْرِكُمْ مَّرْفَقًا“ وهو ما ارتفعت وانتفعت به، وقد ترفق عليه وارتفقوا، وقال عز وجل ”يَعْمَلُونَ الْتَوَابِعَ وَحَسَنَتُ مَّرْفَقًا“ وترافق القوم وارتفقوا صار وارتفقاء۔ (لسان العرب باختصار) لے مولانا عبدالحق خاں نے ارتفاقات کا ترجمہ اسی طرح کیا ہے۔

متمدن و معاون اور ان کے مقاصد کا خادم بن کر رہنا چاہیے، انھوں نے (علمائے اخلاق اور ماہرین اقتصادیات میں) پہلی مرتبہ اقتصادیات و علم المعیشت کا علم الاخلاق سے گہرا ربط ثابت کیا ہے شاہ صاحب کے نزدیک یہ ربط جب ٹوٹ جاتا ہے تو معاشیات اور اخلاقیات دونوں کو شدید بھران سے واسطہ پڑتا ہے جس کا اثر مذہب و اخلاق پر سکون زندگی انسانوں کے باہمی روابط اور تمدن و تہذیب سب پر پڑتا ہے ان کے نزدیک انسانوں کے اجتماعی اخلاق اس وقت بالکل برباد ہو جاتے ہیں جب کسی جبر سے ان کو اقتصادی تنگی پر مجبور کر دیا جائے اس وقت انسان (جن کے اندر اللہ نے اعلیٰ روحانی ملکات اور ترقی کے امکانات و ولایت فرمائے ہیں) گدھے اور بیل کی طرح سے روٹی حاصل کرنے کے لئے سرگرداں رہنے لگتے ہیں اور ہر طرح کی سعادتوں اور ترقیوں کو محروم ہو جاتے ہیں۔

شہری و اجتماعی زندگی کی اہمیت اور ان کی شکلیں

شاہ صاحب شہری اور اجتماعی زندگی کی (جس کے مرکز کو وہ "المدينة" سے تعبیر کرتے ہیں) تعریف ایسے علمی انداز میں کرتے ہیں جس سے بہتر اور جامع تعریف اس زمانہ تک (مصنفین و حکماء کے یہاں) نہیں کی گئی تھی "باب سياسة المدينة" میں لکھتے ہیں:-

وَأَعْنَى بِالْمَدِينَةِ جَمَاعَةً مُتَقَارِبَةً	المدينة (شہر) سے ہماری مراد انسانوں
تَجُورِي بَيْنَهُمُ الْمَعَامِلَاتُ وَيَكُونُونَ	کی وہ جماعت ہے جس میں کسی نوع کی
أَهْلُ مَنَازِلَ شَتَّى	قریب ہو اور ان کے درمیان معاملہ میں
	اشتراک ہو اور وہ مختلف ٹھکانوں میں

وہ سیاست المدینہ کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:-

ہی المحکمة الباحثة عن کیفیة سیاست مدُن سے ہماری مراد وہ
حفظ الربط الواقع بین اہل حکمت ہے جو اس شہری زندگی کے
المدینۃ افراد کے درمیان اس ربط و تعلق کی
حفاظت کے طریقوں سے بحث کرے
جو ان کے درمیان موجود ہے۔

پھر اس تمدنی زندگی یا المدینہ کی مزید تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:-

المدینۃ شخص واحد من جهة شہر کو اس ربط کی وجہ سے جو اس کے
ذلك الربط مرکب من اجزاء افراد کے درمیان پایا جاتا ہے،
وہیئة اجتماعية شخص واحد تصور کرنا چاہئے جو
مختلف اجزاء اور ایک ہیئت اجتماع
سے مرکب ہے۔

ان کے نزدیک "ارتفاق" کی دو قسمیں ہیں:-

۱۔ ابتدائی اور ضروری، جو اہل بادیہ کو بھی حاصل ہوتا ہے۔

۲۔ اجتماعی یا ترقی یافتہ، جو اہل مصر (شہریت و تمدن والوں کو) حاصل ہوتا ہے۔

ان دو کے بعد تیسری قسم آتی ہے، وہ سیاست و انتظام کی ہے، پھر اس کے نتیجے میں چوتھی
قسم خلافت عامہ کی ہے، ارتفاق رابع میں شاہ صاحب اہل اقالیم (ملک کے متفرق اوڈو دراز
علاقوں) کے باہمی ربط کی حفاظت پر زور دیتے ہیں، یہ ربط (مختلف علاقوں کے درمیان)

اتنا ہی ضروری ہے، جتنا کہ ایک شہر کے افراد کے درمیان ابتدائی اور محدود حالت میں ضروری تھا۔

مکاسب اور وجوہ معاش کی محمود و مذموم شکلیں

ارتفاقات کے سلسلہ میں حصولِ مکاسب اور وجوہ معاش بیان کرتے ہوئے شاہ حسنؒ غیر طبعی اور غیر اخلاقی ذرائع معاش کا ذکر فراموش نہیں کرتے، فرماتے ہیں:-

وبقيت نفوسٌ أعتيت بهم بہت سی طبیعتیں ایسی ہوتی ہیں جن کو

المذاہب الصالحة فأنحدروا جائز اور صحت مند راستوں سے

إلى أكساب ضارة بالمدينة کسبِ معیشت خشک معلوم ہوتا ہے تو وہ

كالسوق والقمار والتكدى^۱ ایسے ذرائع معاش کی پستی کی طرف

اتر آتی ہیں جو شہری و اجتماعی زندگی

کے لئے مضر رساں ہوتے ہیں، مثلاً

چوری، بھوا، درپوزہ گری (بھیک مانگنا)

اور غیر قانونی و اخلاقی طریقہ مبادلہ۔

اس موضوعِ ارتفاقات کے باب میں شاہ صاحبؒ کے قلم سے بعض ایسے حقائق نکل گئے

ہیں جن سے تمدن و معاشرہ اور انسانیت کے عروج و زوال کی تاریخ پر ان کی گہری نظر معلوم ہوتی ہے، فرماتے ہیں:-

كلما رقت النفوس وأمعنت جب طبیعتوں میں غیر طبعی نزاکت،

فی حُبِّ اللِّذَّةِ الرفاهیۃ تفرقت صدراعتدال سے بڑھی ہوئی لذت پینکا
 حواشی المکاسب واختصت اور غلو کی حد تک پہنچی ہوئی خوشحالی
 کل رجل یکسب اور فایز ابالی پیدا ہو جاتی ہے تو
 کسب معیشت کی باریکیاں اور ذیلی
 قسین پیدا ہو جاتی ہیں اور ہر شخص
 ایک خاص ذریعہ معاش کا اجاڑ دے
 بن جاتا ہے۔

شاہ صاحب شہری زندگی کو نقصان پہنچانے والی چیزوں میں اس کا بھی ذکر کرتے ہیں کہ سب اہل شہر ایک ہی ذریعہ معاش اختیار کر لیں مثلاً سب تجارت شروع کر دیں زراعت چھوڑ دیں یا جنگ کے ذریعہ کسب معاش حاصل کریں ان کے نزدیک زراعت بمنزلہ طعام کے ہے اور صنعت و تجارت اور نظم و نسق بمنزلہ نمک کے ہے اسی سلسلہ میں شاہ صاحب ایک بڑے نکتہ کی بات لکھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ملک کی تباہی کے اس زمانہ میں بڑے سبب ہیں۔

۱۔ بیت المال پر بغیر کسی محنت کے بار بٹنا۔

لے حجة الشرا بانه صلا ملے ان بار بنے والوں میں بطور مثال کے شاہ صاحب نے ان سپاہیوں، عاملوں، زہد پیشہ صوفیوں اور شعراء اور دان دوسرے گروہوں کو شامل کیا ہے جو ملک میں سلطنت کی کسی خدمت کے بغیر جاگیروں کے مالک اور مفت کی کماٹی اور انعامات و اکرائے کاادی ہو جاتے ہیں اس میں وہ نظام جاگیر داری بھی آگیا جس نے سلطنت کے مال کو سخت نقصان پہنچایا تھا اور مفت خوروں اور تن آسانوں کا ایک لشکر پیدا کر دیا تھا، اس کے شاہ حاکم کی سیاسی بصیرت اور زوال سلطنت منلیہ کے اسباب گہری واقفیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

۲۔ اہل زراعت و تجارت اور اہل حرفہ و اہل ہنر پر بھاری ٹیکس لگانا، آخر میں فرماتے ہیں:

فلینبہ اهل الزمان لهذه ہمارے زمانہ کے لوگوں کو حقیقت
النکتۃ۔ کو سمجھ لینا چاہئے اور ہوشیار ہونا

چاہئے۔

تمدن و معاشرہ میں فساد پیدا کرنے والے اسباب میں شاہ صاحب تفریحات کی کثرت کو بھی شمار کرتے ہیں جس سے معاش و معاد دونوں تغافل کا شکار ہوتے ہیں، ان میں شطرنج میں انہماک، شکار کی کثرت اور کبوتر پالنے کو شامل کرتے ہیں، اسی طرح سے اخلاقی جرائم اور ایسے اعمال کو برداشت کرنا جن کو عام طور پر سلیم الفطرت لوگ اپنی ذات کے لئے برداشت نہیں کر سکتے ہیں، اور ان کو تمدن کے لئے مضرب سمجھتے ہیں، ان کے نزدیک اس سے حکومتوں کا زوال ظہور میں آتا ہے۔

سعادت اور اس کے اصول چہارگانہ

کتاب کا مبحث رابع مبحث السعادة ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ سعادت کا حصول انسان کے لئے سب سے اہم ہے اور وہ تہذیب نفس اور قوت بہیمہ کو قوت ملکیہ کے تابع بنانے سے حاصل ہوتی ہے۔

شاہ صاحب کے نزدیک سعادت کے اصل اصول چار ہیں جن کے لئے انبیاء کی بعثت ہوئی اور ان کی تفصیل شرائع سماوی ہیں، یہ درحقیقت ادیان و شرائع کی بنیادی شعبوں کے جامع عنوانات اور مقاصد بعثت کی تکمیل کے موثر ذرائع ہیں۔

۱۔ ایضاً ۲۔ ایضاً ۳۔ ایضاً ۴۔ ملاحظہ ہو ص ۵

۱۔ طہارت (جسمانی پاکیزگی جو انسان کو توجہ الی اللہ و تعلق باللہ کے لئے تیار کر دیتی ہے)

۲۔ اجنبات الی اللہ تعالیٰ (انابت و توجہ الی اللہ اور عجز و تواضع)

۳۔ سماحت، مکارم اخلاق و معالی امور۔

۴۔ مدارائے (ایسا نفسانی ملک جس کے افعال کی وجہ سے شہر و قوم کا انتظام بہولت قائم

ہو جاتا ہے۔)

اس طرح شاہ صاحب نے انسان کی شخصیت کی مکمل تعلق مع اللہ کی تحصیل اور ایک صحت مند اور متعاون معاشرہ کی تشکیل کی بنیادوں پر روشنی ڈالی ہے جو شریعت آسمانی اور بعثت انبیاء کے مقاصد میں ہے۔

اس کے بعد ان خصال اربعہ کے اکتساب کا طریقہ بتایا ہے، پھر ان حجابات کا ذکر کیا ہے جو فطرت کے ظہور سے مانع ہیں ان میں تین قسموں کو لیا ہے، (۱) حجاب الطبع (بشری و نفسانی تقاضوں کا غلبہ) (۲) حجاب الرسم (خارجی حالات و ماحول کا مضار) (۳) حجاب سوء الخلق (علا تعلیم و تربیت اور پھیلے ہوئے فاسد عقائد کا اثر) پھر ان کے رفع کرنے کے طریقے بتائے ہیں۔

عقائد و عبادات

کتاب کا اصل مضمون المبحث الخامس "مبحث البر والاثم" سے شروع ہوتا ہے حقیقت میں کتاب کا یہی موضوع و مقصد ہے۔

اصول بر میں شاہ صاحب نے سب سے پہلے توحید کو لیا ہے اس لئے کہ اسی پر اجنبات انابت کا

لے ان اصول کی تعریف ص ۵۴ پر دیکھی جائے ص ۵۵-۵۶ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ص ۵۷

ص ۵۷-۵۸ پر ان کی تشریح ملاحظہ کی جائے ص ۵۹

انحصار ہے جو سعادت کے حصول کا سب سے بڑا ذریعہ ہے اس سلسلہ میں شاہ صاحب نے توحید کے چار مراتب بیان کئے ہیں اور مشرکین عرب کے شرک کی حقیقت واضح کی ہے، توحید کے بعد صفات خداوندی پر ایمان، ایمان بالقدر اور شعائر الشریعہ کی تنظیم کے (جن میں شاہ صاحب کے نزدیک قرآن، کعبہ، نبی اور صلوٰۃ سب سے واضح اور اہم شعائر ہیں) ذکر کے بعد شاہ صاحب عبادات و فرائض پر آجاتے ہیں اور وضو و غسل کے اسرار، اسرار الصلاۃ، اسرار الزکاۃ، اسرار الصوم اور اسرار حج پر اجمالی طور پر بحث کرتے ہیں، یہ مباحث اگرچہ اصولی اور اجمالی ہیں پھر بھی ان میں بعض ایسے نکتے آگئے ہیں جن کا دوسری جگہ ملنا مشکل ہے۔

مثلاً اسرار الصلاۃ میں شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ عبادت کا یہ طریقہ اوضاع ثلاثہ، قیام رکوع، سجود کا جامع ہے اس میں بجائے اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف منتقل ہونے کے ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف (قیام سے رکوع، رکوع سے سجود کی طرف) ترقی رکھی گئی ہے اور یہی عقل و فطرت کے مطابق ہے، پھر شاہ صاحب نے عبادت کے سلسلہ میں الشریعہ کی عظمت میں تفکر و مراقبہ اور دوام ذکر پر اکتفا نہ کرنے کی (جو اشراقیین، حکماء اور ہندو تاسیوں کا طریقہ رہا ہے اور بعض بے قید صوفیوں نے بھی اس کو اختیار کیا) وجہ بیان کی ہے اور بتایا ہے کہ یہ تفکر و مراقبہ انھیں لوگوں کے لئے ممکن و مفید تھا جن کی طبیعتیں ان سے مناسبت رکھتی تھیں اور وہ ان کے ذریعہ سے ترقی کر سکتے تھے نماز فکر و عمل، ذہنی توجہ اور جسمانی مشغولیت کا مجموعہ مرکب ہے، وہ ہر طبقہ کے لئے مفید اور تریاق قوی الاثر ہے، غوائل رسم (ماحول کے خراب اثرات) سے نفع دینے اور طبیعت کے عقل کے تابع ہونے کی مشق کے لئے نماز سے زیادہ کوئی مفید و مؤثر طریقہ نہیں ہے۔

لہٰذا یہ بحث اس کتاب کے باب پنجم میں گذر چکی ہے۔ ۲۷ تفصیل کتاب کے حصہ دوم میں آئی ہے جس میں احادیث کو سامنے رکھ کر ان پر علیحدہ علیحدہ تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے۔ ۲۸ ص ۳۷

جہاں تک روزہ و حج کا تعلق ہے ان کے بارہ میں اگرچہ اس بحث میں بھی اشارے کئے گئے ہیں، لیکن کتاب کے حصہ دوم میں ان کے مقاصد اور اسرار و حکمتوں پر جو لکھا گیا ہے اس کی نظیر اس سے پہلے کسی کتاب میں دیکھنے میں نہیں آئی، اس کا ذکر آئندہ صفحات میں اپنی جگہ آئیگا۔

سیاساتِ ملی اور انبیاء کی ضرورت

المبحث السادس کا عنوان "مبحث السياسات الملّية" ہے، یہ کتاب کا بہت اہم بحث ہے، اس کے پہلے باب میں شاہ صاحب نے بڑی نکتہ سنجی اور حقیقت پسندی کے ساتھ بتایا ہے کہ انسانی نسلوں کو ہادیانِ طریق اور قیامینِ ملل (انبیاء) کی ضرورت کیوں پیش آتی رہی ہے اس کے لئے ان کی فطرتِ سلیم اور عقلِ عام کیوں کافی نہیں تھی؟ پھر اس گروہ کے صفات اور ضروری شرائط سے بحث کی ہے اور یہ کہ وہ کب اور کس طرح اپنے مقصد کی تکمیل کر سکتا اور اس میں کامیاب ہو سکتا ہے یہ باب علمِ الکلام کی کتابوں میں اثباتِ نبوت کی عام بحثوں سے بالکل الگ نظر آتا ہے، اور اس میں عقلِ عام اور عقلِ سلیم کو مطمئن کرنے کا وہ سامان ہے جو علمِ کلام اور عقائد کی کتابوں میں عام طور پر نہیں ملتا، اس بحث میں منصبِ نبوت اور اس کے خواص پر جو باب ہے، وہ شاہ صاحب کی روحِ شریعت اور حقیقت مزاجِ نبوت سے واقفیت نفسِ انسانی کے گہرے مطالعہ اور اخلاق کے اندرونی سرچموں سے باخبری پر دلالت کرتا ہے اس باب میں بعثتِ انبیاء کے اسباب سے تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔

بعثت مقرونہ

شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ سب سے کامل بعثت اس نبی کی ہوتی ہے جس کی بعثت "مقرون" ہوتی ہے، یعنی اس کی بعثت کے ساتھ ایک پوری قوم تبلیغ و دعوت پر مامور اور اس کے فیض صحبت سے تیار ہو کر دوسرے انسانوں کی تعلیم و تربیت کا ذریعہ بنتی ہے، نبی کی بعثت بالاصالت ہوتی ہے (اور اس کو نبوت کہتے ہیں) امت کی ماموریت اور تفویض خدمت کی نوعیت بالواسطہ و بالنیابت ہوتی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ایسی ہی جامع بعثت تھی جس کے ساتھ ایک پوری امت کو آپ کے منصب نبوت کی خدمت و اشاعت کے لئے "جاریہ" اور آفکار بنایا گیا، اور اس کے لئے بعثت اور بعثت کے ہم معنی الفاظ استعمال کئے گئے ہیں قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:-

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ جتنی امتیں پیدا ہوئیں تم ان میں
تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ سب سے بہتر ہو لوگوں کو نیک کام کرنے کو
عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران - ۱۱۰) کہتے ہو اور بُرے کاموں سے منع کرتے ہو۔

اور حدیث میں بعثت ہی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے آپ نے صحابہ کرامؓ کو مخاطب کر کے فرمایا:-

فَأَنْتُمْ بَعَثْتُمْ مِثْرَيْنِ وَلَمْ تَبْعَثُوا تم تیسیر (آسانی پیدا کرنے کے لئے)
مِثْرَيْنِ. پیدا کئے گئے ہو تیسیر (مشکلات پیدا
کرنے کے لئے) نہیں مِثْرَيْنِ کے لئے ہو۔

اس باب کا خاص مضمون وہ ہے جس میں انبیاء علیہم السلام کی سیرت اور ان کے

مذاق و مزاج اور ان کے طریق دعوت اور طرز خطاب تفہیم کو بیان کیا گیا ہے اس شاہ صاحب کی دقیق النظری اور خصائص نبوت اور انبیاء کے گہرے مطالعہ اور قرآن مجید کے عمیق تدبر کا اندازہ ہوتا ہے۔

ایرانی و رومی تمدن میں اخلاقی و ایمانی قدروں کی پامالی اور انسانیت کی زبوں حالی، عہد جاہلیت اگرچہ عرب کے ساتھ مخصوص نہیں تھا، وہ ایک عالمگیر اعتقادی، اخلاقی، معاشرتی اور اقتصادی و سیاسی بحران تھا جو ساری دنیا پر محیط تھا لیکن ایرانی اور رومی اس کا قائد اور اصل ذمہ دار تھے کہ انھیں کا تمدن اس وقت دنیا میں میاری سمجھا جاتا تھا، اور اسی کی تقلید ہر جگہ کی جاتی تھی اور انھیں کے ممالک مرکزی شہر اور معاشرہ سب سے زیادہ اس کی زد میں تھا۔

اس صورت حال کا جو نقشہ شاہ صاحب نے کھینچا ہے اور اس کے جو اسباب بیان کئے ہیں اس سے بہتر نقشہ سیرت و تاریخ کی کسی کتاب میں جو دور ماضی میں لکھی گئی اور فلسفہ تاریخ اور علوم عمرانیہ کے کسی فاضل کے قلم سے دیکھنے میں نہیں آیا، یہاں پر اگر شاہ صاحب کا قلم اپنے پورے جوہر دکھاتا ہے اور ان کی قوت تحریر اور حسن انشا اپنے نقطہ عروج پر نظر آتا ہے۔ یہ مضمون یہاں نقل کیا جاتا ہے کہ اس سے شاہ صاحب کی تاریخ پر گہری نظر حقیقت تک پہنچنے کی صلاحیت اور صورت حال کے صحیح تجزیہ کی خداداد قابلیت کا اندازہ ہوتا ہے شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:-

لے لے یہ حصہ سلاست، زور بیان جن انشاء کا ایک نمونہ ہے اسی بناء پر مصنف نے اس کو عربی ادب کے منتخبات کے مجموعہ "مختارات" میں ایک نمونہ کے طور پر شامل کیا ہے۔

• صدیوں سے آزادانہ حکومت کرتے کرتے اور دنیا کی لذتوں میں منہمک رہنے، آخرت کو کبھی بھول جانے اور شیطان کے پورے اثر میں آ جانے کی وجہ سے ایرانیوں اور رومیوں نے زندگی کی آسانیوں اور سامانِ راحت میں بڑی موٹگانی اور نازک خیالی پیدا کر لی تھی اور اس میں ہر قسم کی ترقی اور نفاست میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے اور فخر کرنے کی کوشش کرتے تھے، دنیا کے مختلف گوشوں سے ان مرکروں میں بڑے بڑے صنایع اہل ہنر اور اہل کمال جمع ہو گئے تھے، جو اس سامانِ آرائش و راحت میں نزاکتیں پیدا کرتے تھے اور نئی نئی تراش و تراش نکالتے تھے، ان پر عمل فوراً شروع ہو جاتا تھا، اور اس میں برابر اضافے اور جدتیں ہوتی رہتی تھیں اور ان باتوں پر فخر کیا جاتا تھا، زندگی کا معیار اتنا بلند ہو گیا تھا کہ امراء میں سے کسی کا ایک لاکھ درہم سے کم کا پٹکا باندھنا اور تاج پہننا سخت میوہ تھا، اگر کسی کے پاس عالی شان محل، فوارہ، حمام، باغات، خوش خوراک اور تیار جانور، خوش رو جوان اور غلام نہ ہوتے، کھانے میں تکلفات اور لباس و پوشاک میں تحق نہ ہوتا تو ہم چشموں میں اس کی کوئی عزت نہ ہوتی اس کی تفصیل بہت طویل ہے اپنے ملک کے بادشاہوں کا جو حال دیکھتے اور جانتے ہو اس سے قیاس کر سکتے ہو۔

یہ تمام تکلفات ان کی زندگی اور معاشرت کا جزو بن گئے تھے اور ان کے دلوں میں اس طرح بچ بس گئے تھے کہ کسی طرح نکل نہیں سکتے تھے، اس کی وجہ سے ایک ایسا علاج مرض پیدا ہو گیا تھا جو ان کی پوری شہری زندگی اور ان کے

لے شاہانِ دہلی اور شاہوں کی طرف اشارہ ہے۔

پورے نظام تمدن میں سراسر گریا تھا۔ یہ ایک عسبیت غلطی تھی جس سے عام و خاص اور امیر و غریب میں سے کوئی محفوظ نہیں رہا تھا، ہر شہری پر یہ بڑھکٹ اور امیرانہ زندگی ایسی مسلط ہو گئی تھی جس نے اس کو زندگی سے عاجز کر دیا تھا، اور اس کے سر پر غم و افکار کا ایک پہاڑ ہر وقت رکھا رہتا تھا۔

بات یہ تھی کہ یہ تکلفات بیش قرار رقیں صرف کئے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے تھے اور یہ رقیں اور بے پایاں دولت کا شکاروں، تاجروں اور دوسرے پیشہوروں پر محمول اور ٹیکس بڑھانے اور ان پر تنگی کئے بغیر دستیاب نہیں ہو سکتی تھیں اگر وہ ان مطالبات کے ادا کرنے سے انکار کرتے تو ان سے جنگ کی جاتی اور ان کو سزائیں دی جاتیں، اور اگر وہ تعمیل کرتے تو ان کو گدھے اور سیلوں کی طرح بنا لیتے، جن سے آپاشی اور کاشت کاری میں کام لیا جاتا، اور صرف خدمت کرنے کے لئے ان کو پالا جاتا ہے اور محنت و مشقت سے ان کو کسی وقت چھٹی نہیں ملتی۔

اس پر مشقت اور حیوانی زندگی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کو کسی وقت سہراٹھانے اور سعادۂ اخروی کا خیال بھی کرنے کا موقعہ اور مہلت نہیں ملتی تھی بسا اوقات پورے پورے ملک میں ایک فرد بشر بھی ایسا نہ ملتا جس کو اپنے دین کی فکر اور اہمیت ہوتی ہے

بعض دوسری مفید بحثیں

اس کے بعد یہ بحث آتی ہے کہ دین کی اصل ایک ہے اور شرائط مناجات میں یکساں

عصر و قوم کی رعایت سے اختلاف ہوتا ہے، پھر اس کی تشریح فرماتے ہیں کہ دین کی ایک اصل ہونے کے باوجود ان منافع پر مؤاخذہ کیوں ہوتا ہے؟

تیسرے ترغیب و ترہیب کے اسرار وغیرہ کی ذیلی بحثوں کے بعد شاہ صاحب ایسے دین کی ضرورت ثابت فرماتے ہیں جو تمام ادیان کا ناسخ ہو، اور یہ کہ دین کو تحریف سے کیسے بچایا جاسکتا ہے، تحریف کن کن دروازوں اور ناکوں سے دین میں داخل ہوتی ہے، وہ کن کن شکلوں میں جلوہ گر ہوتی ہے اور کیسے کیسے قالب اختیار کرتی ہے؟ اور شریعت نے اس کے سد باب کے لئے کیا راستے اختیار کئے ہیں اور کیا انتظامات کئے ہیں؟ پھر تفصیل سے بیان کیا ہے کہ عہد بعثت میں عہد جاہلیت کا کیا حال تھا جس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصلاح فرمائی؟

حدیث و سنت کا مقام اور ان کے بارہ میل مت کا طرز عمل

بحث سابع کا عنوان ہے ”بحث الشرائع من حدیث النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم“ یہاں پر وہ مباحث آتے ہیں جن کا براہ راست حدیث و سنت کے فہم، اس سے استنباط مسائل، علوم نبوی کے اقسام، نبی سے شریعت کے اخذ کی کیفیات اور طریقوں، کتب حدیث کے طبقات، کتاب و سنت سے شرعی مطالب کے اخذ کے طریقوں اور مختلف احادیث میں جمع و تطبیق یا ترجیح سے تعلق ہے، اس سلسلہ میں غایت نکتہ سنجی اور دقیقہ رسی سے بحث کرتے ہوئے شاہ صاحب فروع میں صحابہؓ اور تابعین کے اختلاف کے اسباب بیان کرتے ہیں، ان کی مثالیں دینے کے بعد فقہاء کے مذاہب میں اختلاف اور اہل حدیث اصحاب الرائے کے اختلاف کے فرق کو بیان کرتے ہیں، چوتھی صدی پہلے

اور اس کے بعد لوگوں کے مسائل دریافت کرنے اور ان پر عمل کرنے اور اس بابے میں عوام و خواص کا رویہ اور طرز کیا تھا؟ اس کی تفصیل سے وضاحت فرماتے ہیں جو بڑی دقیق و عمیق بحثوں پر مشتمل ہے اور جن کا علم کلام یا اصول فقہ کی کسی کتاب میں ملنا بہت مشکل ہے۔

فرائض و ارکان کے اسرار و حکم

شاہ صاحب نے عقائد سے لے کر عبادات، معاملات، احسان و تزکیہ، مقامات، و احوال، کسب معیشت کے طرق، تبرع و تعاون، تدریس منزل، خلافت، قضا، جہاد، آداب طعام، آداب صحبت، معاشرت اور آخر میں فتن، حوادث، ابعدا و علامات قیامت تک کی احادیث سے بحث کی ہے اور اس سلسلہ میں سیرت نبوی کا خلاصہ بھی پیش کر دیا ہے اور ان مختلف ابواب کے اسرار و مقاصد اس طرح بیان فرمائے ہیں کہ ان مسائل کا ربط زندگی، تمدن اور اخلاقیات سے کہیں ٹوٹنے نہیں پاتا، اور حقیقت میں کتاب کا یہی مرکزی مضمون ہے، شاہ صاحب کا منشا تھا کہ حدیث کی تدریس انھیں حکم و اسرار کی روشنی میں مل و اخلاق، تمدن و معاشرت، انسانی سعادت اور باہمی روابط کے تعلق کے ساتھ ہو تاکہ ان کا زندگی، عمل و اخلاق، تمدن و معاشرت پر پورا اثر پڑے، عقل و نقل کا تطابق ثابت ہو اور معتزضین کو ان پر اعتراض کرنے اور حدیث و سنت کی قیمت و افادیت اور ان کی اہمیت و ضرورت کو کم کرنے (جس کو شاہ صاحب کی دور بین اور حقیقت رس نگاہ نے دیکھ لیا تھا) اور ذہنی انتشار پیدا کرنے کا موقع نہ ملے، عملی ارکان اور فرائض چہارگانہ پر شاہ صاحب نے جو کچھ لکھا ہے وہ انھیں کا حصہ اور حجة الشر کے خصائص میں سے ہے یہاں بطور نمونہ کے صرف روزہ (صیام) اور حج کے مقاصد و اسرار اور ان کی اسلامی و شرعی شکل کی حکمت پر

شاہ صاحب نے جو کچھ لکھا ہے اس کو پیش کیا جاتا ہے۔

صوم پر کلام کرتے ہوئے اور اس کی مقدار اور روزوں کی تعداد کے تعین کی حکمت (جو شریعت اسلامی کے ساتھ مخصوص ہے) اور اس کے شرعی احکام پر گفتگو کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”روزہ میں (وقت اور تعداد و مقدار کا) اختیار دے دینے سے تاویل اور قرار کا

دروازہ کھل جائیگا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا دروازہ بند ہو جائے گا

اور اسلام کی یہ سب سے بڑی اطاعت غفلت کا شکار ہو جائیگی!

اس کے بعد اس کی مقدار و تعداد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”اس کی (مدت کی) تعیین بھی ضروری تھی تاکہ اس میں افراط و تفریط کا موقع نہ ہو

اگر ایسا نہ ہوتا تو کوئی اس پر اتنا عمل کرتا کہ جس سے اس کو کوئی فائدہ نہ پہونچتا اور

کوئی اثر مرتب نہ ہوتا، اور کوئی اتنے غلو سے کام لیتا اور اتنی کثرت کرتا کہ اس کی

ناطاقی اور کمزوری حد کو پہونچ جاتی اور وہ نیم مردہ ہو کر رہ جاتا، اصل میں روزہ

ترباق ہے جو نفس کے زہر کو مارنے کے لئے مہیا کیا جاتا ہے اس لئے اس میں ضرورت

کی رعایت ضروری ہے“

پھر روزہ کی دونوں قسموں (یعنی ایک روزہ جس میں کھانے پینے اور ان تمام چیزوں

سے جو روزہ کے منافی ہیں مکمل پرہیز کیا جاتا ہے اور دوسرے وہ روزہ جس میں بعض چیزوں

سے پرہیز کیا جاتا ہے اور بعض سے نہیں) کے درمیان موازنہ کرتے ہوئے اول الذکر کو

ترجیح دیتے ہیں اور تجربہ، تحلیل علمی اور علم النفس کی روشنی میں اس کی افضلیت بیان کرتے

ہوئے لکھتے ہیں:-

تفصیل غذا کے دو طریقے ہیں ایک یہ کہ خوراک کی مقدار کو کم کر دیا جائے، دوسرے یہ کہ کھانوں کے درمیان وقفہ اتنا طویل کر دیا جائے کہ یہ مقصد پورا ہو سکے، شریعت میں یہی آخوالذکر صورت اختیار کی گئی ہے، اس لئے کہ اس سے بھوک اور پیاس کا صحیح اندازہ ہوتا ہے، حیوانی خواہشات پر چوٹ پڑتی ہے اور محسوس طور پر نظر آتا ہے کہ اس میں کمی آئی ہے، اس کے برخلاف اول الذکر صورت میں اس کے کہ آدمی پر کوئی خاص اثر مرتب ہو، غذا کے تسلسل کی وجہ سے یہ بات پیدا نہیں ہو پاتی، دوسرے یہ کہ اول الذکر کے لئے کوئی عمومی قانون بنانا بہت مشکل بات ہے، اس لئے کہ لوگ مختلف حالات رکھتے ہیں، ایک آدمی ایک پاؤ کھاتا ہے، دوسرا آدھ سیر کھاتا ہے، چنانچہ اس قسم کے تعین سے اگر ایک کا بھلا ہو گا تو دوسرے کا نقصان بھی ہو گا۔

وہ کہتے ہیں کہ اس تعین اور اوقات کی پابندی میں اعتدال ضروری ہے، لکھتے ہیں:-
 ”یہ بھی ضروری تھا کہ یہ مدت تکلیف مالا یطاق میں مبتلا کرنے والی نہ ہو مثلاً تین دن تین راتیں اس لئے کہ یہ شریعت کے موضوع سے خارج اور اس کے مقصد کے خلاف ہے اور عام طور پر اس پر عمل بھی ناممکن ہے۔“

حج کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا ہے، وہ بالکل منفرد اور یگانہ بحث ہے، شاہ حسن فرماتے ہیں:-
 ”(حج کے مقاصد میں) اس میراث کی حفاظت بھی ہے جو سیدنا ابراہیمؑ اور سیدنا اسماعیلؑ نے ہمارے لئے چھوڑی ہے، اس لئے کہ یہ دونوں ملتِ حنیفی کے امام اور عرب میں اس کے مستمسک اور بانی کہے جاسکتے ہیں، حضور صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کی بعثت بھی اسی لئے ہوئی تھی کہ ملت جنغی آپ کے ذریعہ دنیا میں غالب آئے اور اس کا پرچم بلند ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ** (ملت ہے تمہارے باپ ابراہیم کی) اس لئے یہ ضروری ہے کہ اس ملت کے امام سے جو چیزیں ہم کو دہ میں ملی ہیں مثلاً خصالِ فطرت، اور مناسک حج، اس کی ہم حفاظت کریں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔

قفوا علی مشاعرکم فانکم علی
إرث من إرث أبیکم۔
اپنے شاعر (مقامات حج) پر ٹھہرو
اس لئے کہ تم اپنے باپ کی ایک رات
کے وارث ہو۔

نیز اس کی ایک دوسری حکمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”جس طرح حکومت کو ہر تھوڑے عرصہ کے بعد ایک عام جائزہ اور معائنہ کی ضرورت ہوتی ہے، تاکہ اس کو معلوم ہو جائے کہ کون وفادار ہے، کون باغی، کون فرض شناس ہے، کون کام چور، نیز اس کے ذریعہ اس کی ایمانداری کی شہرت ہو اور اس کا نام اونچا ہے، اس کے کارندے اور باشندے ایک دوسرے سے تعارف حاصل کریں، اسی طرح ملت کو حج کی ضرورت ہے تاکہ منافق و غیر منافق

۱۔ سورہ حج - ۷۸، ۷۹ ان خصالِ فطرت سے مراد یہ دس چیزیں ہیں، مونچھیں، ترشوانا، داڑھی، بڑھانا، مسواک کرنا، پانی سے ناک صاف کرنا، ناخن کاٹنا، انگلی کے پودوں کا دھونا، بھل کے بال اکھاڑنا، موٹے زینا صاف کرنا، پانی سے استنجا کرنا، ختنہ کرنا، ابوداؤد بروایت حضرت عائشہؓ (دسویں چیز کے بارے میں راوی کہتے ہیں میں بھول گیا شاید وہ کٹی ہے، لیکن قاضی عیاضؒ اور امام نوویؒ نے دسویں چیز ختنہ بتائی ہے) ۲۔ حجۃ اللہ ابانہ ۲۷

میں تمیز ہو سکے، اللہ تعالیٰ کے دین میں اور اللہ تعالیٰ کے دربار میں جوق جوق
جماعتیں حاضر ہوں، لوگ ایک دوسرے سے تعارف حاصل کریں اور ہر شخص اس
چیز میں جو اس کے پاس نہیں ہے دوسرے سے استفادہ کرے، اس لئے کہ بہترین
و مرغوب اشیاء بالعموم صحبت و رفاقت سے اور ایک دوسرے کو دیکھ کر ہی حاصل
ہوتی ہیں۔^۱

نیز وہ فرماتے ہیں:-

”ج چونکہ ایک ایسا موقع ہے جس میں سبھی جمع ہوتے ہیں، اس لئے وہ غلط قسم
کے رسوم و عادات کے لئے بہت مفید ہے، ملت کے اپنے اماموں اور پیشواؤں
کے حالات یاد کرنے اور ان کی اتباع کا جذبہ دل میں پیدا کرنے کے لئے کوئی چیز
اس درجہ کی نہیں جو اس کا مقابلہ کر سکے۔“^۲

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:-

”جج کے) مقاصد میں وہ بات بھی ہے جس کے لئے حکومتیں نمائش یا سرکاری جشن
کیا کرتی ہیں، جس کو دیکھنے کے لئے قریب و دور ہر جگہ کے آدمی جمع ہوتے ہیں ایک دوسرے
سے ملتے ہیں، اپنی حکومت اور اپنی ملت کی تعلیمات سے آشنا ہوتے ہیں اور اس کے
مقدس مقامات کی تعظیم بجالاتے ہیں، اسی طرح جج مسلمانوں کی نمائش
یا سرکاری جشن ہے جس میں ان کی شوکت ظاہر ہوتی ہے، ان کی قوتیں مجتمع ہوتی ہیں
ان کی ملت کا نام روشن ہوتا ہے۔“

۱۔ حجۃ اللہ بالانفجاص ۵۹-۶۰ ۲۔ اس میں دینی تحریک، بدعات اور مقامی اضافے اور جدتیں

سب شامل ہیں۔ ۳۔ ایضاً ۵۹-۶۰

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً
لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا
اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب
ہم نے خانہ (کعبہ) کو لوگوں کے لئے
ایک مقام رجوع اور مقام امن قرار دیا

کتاب کی جامعیت

اس کتاب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ فقہ، حدیث، عقائد، عبادات و معاملات سے تعلق رکھنے والے ابواب و مباحث کے، سوا اس میں تدبیر منزل، خلافت و قضاء، ابواب معیشت اور آداب صحبت کے مباحث بھی ہیں جو اخلاق و معاشرت اور تمدن و معیشت سے تعلق رکھتے ہیں اور عام طور پر کسی فقہی یا کلامی کتاب میں ان کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

احسان و تزکیہ نفس

پھر اس پرستار شاہ صاحب نے اس میں حدیث و سیرت کی روشنی میں احسان و تزکیہ کا ایسا نظام مرتب کر کے پیش کر دیا ہے جس پر چل کر انسان قرب خداوندی کے اعلیٰ سے اعلیٰ مدارج، مراتب و ولایت اور مقامات و احوال تک پہنچ سکتا ہے احسان کا یہ باب کتاب کے ص ۱۱۱ سے ص ۱۱۲ تک پھیلا ہوا ہے اس باب میں شاہ صاحب نے انھیں وسائل سے بحث کی ہے جو احادیث صحیحہ میں آئے ہیں، صرف ان میں استحضار عزم و نیت اور کیفیات باطنی اور قالب کے ساتھ روح کی طرف توجہ کرنے پر زور دیا ہے ساتھ ہی ساتھ ان عوارض

وامراض کا جو پیش آتے رہتے ہیں، علاج انہیں طرقِ مشروعہ اور انہیں فرائض و عبادات و اذکار سے تجویز کیا ہے، اس کے ساتھ اخلاقِ رذیلہ کے علاج اور اخلاقِ فاضلہ کے حصول کا طریقہ بھی شریعت و سنت کے منصوص طریقوں سے بتایا ہے۔

اس بحث میں اذکارِ ماثورہ، ادعیہ مشروعہ، اور استغفار کے اہم صیغے بھی جمع کر دیئے ہیں، اور مؤثر اور مقبول دعا کا طریقہ اور اس کے شرائط بھی بتائے ہیں، اس سلسلہ میں طبعی تقاضوں اور زندگی کی ضرورتوں اور دینی اعمال کو نیت کے استحضار کے ساتھ ادا کرنے پر زور دیا ہے، اور ان کے اثر و کیفیت کے جدا ہونے کو واضح کیا ہے، فرماتے ہیں:-

اعلم ان النية روح والعبادة	یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ نیت روح ہے
جسد ولا حياة للجسد بدون	اور عبادت جسد، جسد کی حیات روح
الروح، والروح لها حياة	کے بغیر ممکن نہیں، روح بدن کی
بعد مفارقة البدن، ولكن	مفارقت کے بعد بھی زندہ رہتی ہے
لا يظهر آثار الحياة كاملة بدون	لیکن آثارِ حیات کا کامل طور پر بدن
	کے بغیر ظہور نہیں ہوتا۔

ولذلك قال الله تعالى "لَنْ	اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، الشریک
يُنَالِ اللهُ لِحُمُومِهَا وَلَادِمَاؤُهَا	ان قربانیوں کے گوشت اور خون
وَلَكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنْكُمْ"	نہیں پہنچیں گے، وہاں پہنچنے والی
(الحج - ۳۷)	چیز تمہارا تقویٰ ہے۔

وقال رسول الله صلى الله عليه	اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
واله وسلم "انما الأعمال بالنية"	فرمایا، اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے۔

پہر نیت کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں :-

واعنی بالنیۃ المعنی الباعث علی
العمل من التصدیق بما أخبر به
اللہ علی ألسنة الرسل من ثواب
المطیع وعقاب العاصی أوحی
امثال حکم اللہ فیما أمر ونهى.
نیت سے ہماری مراد تصدیق کی وہ
ذہنی کیفیت ہے جو اس عمل پر آمادہ
کریے تصدیق اس بات کی کہ اللہ تعالیٰ
نے اپنے انبیاء کے ذریعہ اطاعت
کرنے والے کو ثواب اور نافرمانی
کرنے والے کو سزا کا جو وعدہ کیا ہے
وہ اس حکم کی تعمیل اور اس مصیبت
سے احتراز کا سبب ہے۔

اس باب کے آخر میں شاہ صاحب نے اخلاق فاضلہ کے حصول، حقوق العباد کی ادائیگی
اور حسن معاشرت کے سلسلہ میں کچھ حدیثوں کا انتخاب فرما کر نقل کر دیا ہے، جن پر عمل کرنے سے
انسان احسان و تزکیہ کے اعلیٰ درجہ پر پہنچ سکتا ہے، پھر ان مقامات و احوال کا ذکر کیا ہے
جو احسان و تزکیہ کے نتیجہ میں حاصل ہوتے ہیں اور نور باطنی، قلب کی بیداری اور نفس کی
صفائی، رضائے خداوندی اور ملامت اعلیٰ کی تائید و مسرت کا نتیجہ ہیں۔

جہاد

اس کتاب میں جہاد پر بھی پورا ایک باب ہے، اور اس کو شاہ صاحب نے ان فکر انگیز
اور چونکا دینے والے الفاظ سے شروع کیا ہے، جو ادیان و ملل کی پوری تاریخ، مقاصد خلق انسانی

اور خالق کائنات کے نظام مطلوب پر گہری نظر رکھنے والا عارف ہی لکھ سکتا ہے :-

اعلم ان أتم الشرائع وأكمل

یاد رکھو کہ مکمل ترین شریعت اور

النوامیس هو الشرع الذی

کامل ترین قانون وہ شریعت ہے

یومرفیہ بالمجہاد۔

جس میں جہاد کا حکم دیا گیا ہو۔

اس کے بعد اس کی تشریح کی ہے اس کو عقلاً نقلاً ثابت کیا ہے پھر فضائل جہاد کے اصول و اسباب بیان کئے ہیں۔

غرض یہ کتاب اپنی جامعیت، عمق، دین و شریعت کی وسیع لیکن مربوط ترجمانی اور ان صد ہا بیش قیمت نکات و تحقیقات کی بناء پر جو کتاب کے صفحات پر جا بجا پھیلے ہوئے ہیں اسلامی کتاب خانہ میں متعدد حیثیتوں سے بالکل ایک انفرادی شان رکھتی ہے اور اس کی تصدیق کرتی ہے کہ "کم ترک الأول للآخر" مولانا شبلی نے اپنی مشہور کتاب "علم الکلام" میں صحیح لکھا ہے :-

"ابن تیمیہ اور ابن رشد کے بعد بلکہ خواجہ انیس کے زمانہ میں مسلمانوں میں جو عقلی

تنزل شروع ہوا، اس کے لحاظ سے یہ امید نہیں رہی تھی کہ پھر کوئی صاحبِ دل

ودماغ پیدا ہوگا، لیکن قدس کو اپنی نیزنگیوں کا تماشا دکھلانا تھا کہ اخیر زمانہ

میں جبکہ اسلام کا نفس بارپس تھا، شاہ ولی اللہؒ جیسا شخص پیدا ہوا جس کی

نکتہ سنجیوں کے آگے غزالی، رازی، ابن رشد کے کارنامے بھی ماند پڑ گئے۔"

آگے چل کر لکھتے ہیں :-

"شاہ صاحب نے علم الکلام کے عنوان سے کوئی تصنیف نہیں کی اور اس بنا پر

ان کو مشکلیں کے زمرہ میں شمار کرنا بظاہر موزوں نہیں لیکن ان کی کتاب
حجة الله البالغة جس میں انھوں نے شریعت کے حقائق اور اسرار بیان کئے ہیں
در حقیقت علم کلام کی روح رواں ہے:

فاضل عصر مولانا عبدالحق صاحب حقانی (صاحب تفسیر حقانی، وحقائد الاسلام)
حجة الله البالغة کے ترجمہ نعمۃ اللہ السابغة کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:-

”جس فن میں یہ کتاب ہے آپ سے پہلے کسی نے اس کو ایک جگہ جمع نہ کیا تھا،
اس فن کا موضوع نظام تشریعی محمدیؐ من حیث المصلحة المفيدة ہے
اور غایت اس کی یہ ہے کہ انسان کو یہ معلوم ہو جائے کہ خدا اور اس کے رسول
کے احکام میں نہ کچھ تنگی ہے، نہ وہ خلاف فطرت سلیمہ ہیں تاکہ ان پر انسان کو پورا
وثوق ہو جائے اور ان کو فطرت پرستی باتیں سمجھ کر دل ان کی طرف کھینچ آئے اور
کسی خشک کے بہکانے سے دل میں شبہ نہ پڑ جائے اور خدا اس کی یہ ہے کہ وہ علم جس میں
قوانین دینیہ اور احکام شرعیہ کی حکمت معلوم ہوتی ہے اور مبادی اس کے تمام
علوم ہیں۔“



باب ہشتم

نظام خلافت کی ضرورت و افادیت،
خلفائے راشدین کی خلافت کا ثبوت اور ان کے احسانات
کتاب ازالۃ الخفا عن خلافة الخلفاء کے آئینہ میں

کتاب ازالۃ الخفا کی اہمیت و افادیت

”ازالۃ الخفا“ شاہ صاحب کی (حجۃ اللہ بالہ کے بعد) دوسری معرکہ الآراء تصنیف ہے اور اپنی بہت سی خصوصیات کی بنا پر اپنے موضوع پر مفرد اور یگانہ کتاب ہے پوری کتاب وجد آفریں اور دلولہ انگیز علمی اور ذوقی نکات کے لبریز ہے خاص طور پر شاہ صاحب کے قرآن مجید میں طویل تدبر و ہی مناسب، اس کے تین حقیقی فہم آیات کے اشارات و مضمرات کی طرف انتقال ذہنی، امدد قوت استنباط اور وفور ذکاوت کے ایسے نمونے ملتے ہیں کہ ایک انصاف پسند اور سلیم الطبع انسان خود بخود اس نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ یہ علم محض کتابی اور اکتسابی نہیں ہے اس کتاب کا مصنف اپنے زمانہ کے مروجہ نصاب درس، کتب تفسیر، اصول فقہ و علم کلام کا ساختہ پر داختہ اور ان کا خوشہ چین اور زلہ ربا نہیں ہے اس علم کا تعلق مہربت خدا و بکالت افاضہ ربانی سے ہے، خود شاہ صاحب کے قلم سے بے اختیار کتاب کے آغاز ہی میں یہ الفاظ نکل گئے ہیں :-

لا جرم نور توفیق الہی مدعل ایس واقعہ یہ ہے کہ توفیق الہی کے نونے

بندہ ضعیف علمے را مشروح و مبوط اس بندہ ضعیف کے دل میں (ایک
 گردانید تا آنکہ بعلم الیقین دانستہ مستقل علم کو) اس شجہ و بسط کے
 شد کہ اثبات خلافت میں ہند گوارا ساتھ اتفاق کیا کہ اس کو علم الیقین
 اصلیت از اصول دین تا وقتیکہ کے ساتھ معلوم ہو گیا کہ ان حضرات
 میں اصل را محکم نہ گیرند ایچ مسئلہ (خلفائے راشدین) کی خلافت کا
 از مسائل شریعت محکم نہ شود اثبات اصول دین میں سے ایک
 اصل عظیم ہے جب تک اس اصل کو پوری مضبوطی کے ساتھ تسلیم نہیں
 کیا جائیگا، شریعت کے مسائل میں کسی مسئلہ کو استحکام حاصل نہیں ہوگا۔

اُن صاحب کمال علماء کی بھی جو بہت سے مسائل میں شاہ صاحب سے اختلاف رکھتے تھے اور جن کو علوم عقلیہ میں تو غل بلکہ درجہ امامت حاصل تھا جب اس کتاب پر نظر پڑی تو وہ مصنف کے تبحر علمی اور ذر ذر نگاہی کی داد دینے بغیر نہیں رہ سکے، مولانا عمن بن یحییٰ ترمذی صاحب ایضاً لکھتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد مولانا فضل حق خیر آبادی (م ۱۲۷۸ھ) کو دیکھا کہ جو وقت خالی ہوتا تھا اس میں کسی کتاب کے مطالعہ میں منہمک و مستغرق ہیں، ہم لوگ خلافت معمول ان کے اس استغراق کو دیکھ کر متعجب ہوئے اور تجسس پیدا ہوا کہ یہ کیا کتاب ہے؟ اور کس کی تصنیف ہے؟ انھوں نے خود ہی فرمایا کہ اس کتاب کا مصنف ایسا بجز خوار ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں معلوم ہو کہ یہ شاہ ولی اللہ صاحب کی تصنیف "ازالۃ الخفا" ہے جس کا ایک نسخہ

مولانا کے ہاتھ آگیا ہے۔

فخر المتأخرین ابوالحسنات مولانا عبدالحی فرنگی محلی (م ۱۳۰۴ھ) جن کا تہذیبی
نادرہ روزگار جامعیت اور وسعت نظر مشہور و مسلم ہے، اپنی مشہور کتاب "التعلیق المجدد
علی مؤطا الامام محمد" میں ازالۃ الخفا کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں "کتاب
ہدیم النظر فی بابہ" (کتاب اپنے موضوع پر بے نظیر اور عظیم المثال ہے)۔

”حجۃ اللہ اور ازالۃ الخفا کا باہمی تعلق

حجۃ اللہ ابوالغہ کی تصنیف کے بعد جس میں اسلام کا جامع و مربوط نظام اس طرح
پیش کیا گیا ہے کہ زندگی اور معاشرہ و تمدن سے اس کا ربط و تعلق ثابت ہوتا ہے اور
یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ اسلام کے پیش کئے ہوئے عقائد و عبادات اور اجتماعی زندگی
کے احکام پر عمل کئے بغیر کسی صحت مند معاشرہ، صالح تمدن اور معتدل و متوازن اجتماعیت
کے وجود کی توقع نہیں کی جاسکتی، اس مقصد کی توضیح و تکمیل اور اس مرحلہ کو عالمائے محققانہ
شان کے ساتھ (جس میں قریبی زمانہ میں آنے والے دور انقلاب کی عقلیت پسند طبیعتوں
اور دماغوں کی تسکین و تشغی کا سامان تھا) اس کی ضرورت تھی کہ خود اسلام کے نظام
اجتماعی کے مزاج و خصوصیات اور مقاصد و دائرہ عمل پر نیز اس کے عالمگیر دائمی اور
صریح و منصوص ادارہ "خلافت" پر اسی شرح و بسط، نقل و عقل کی مدد، تائید کی شہادت
اور سب سے بڑھ کر کتاب و سنت کی روشنی میں قلم اٹھایا جائے، نیز ان غلط فہمیوں و گمراہیوں کا

لے ایلان ابینی ص ۹۳ مطبوعہ علی رجال العلماوی و نزہۃ الخواطر ج ۶ ترجمہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی۔

۲۵۱ التعلیق المجدد مطبع یوسفی ص ۲۵۱

پردہ چاک کیا جائے، جو اس سلسلہ میں زمانہ قدیم سے رونما ہوئی ہیں اور ان کی بنیاد پر ایک بڑے فرقہ کا وجود عمل میں آیا ہے جس نے خاص طور پر شاہ صاحب کے دور میں ایرانی عنصر کے غلبہ کی بنیاد پر ایک ایسا ذہنی انتشار پیدا کر دیا تھا جس کا اثر عقائد و اعمال کے حدود سے آگے بڑھ کر نظام حکومت اور ہندوستان میں مسلمانوں کے اقتدار اعلیٰ پر بھی پڑا تھا، اور اس نے اس ملک میں مسلمانوں کے مستقبل کو مشکوک و مشتبہ بنا دیا تھا۔

اس کی حیثیت (ان لوگوں کی نظر میں جو اس مذہب کی تاریخ اس کے بنیادی عقائد اور اس کے دین کے تصور و فہم سے واقف تھے اور جنہوں نے براہ راست اس کی مستند کتابوں اور اصلی مآخذ کا مطالعہ کیا تھا) محض ایک اجتہادی اختلاف یا دائرۃ شریعت کے اندر ایک ذیلی فرقہ کی نہیں تھی، بلکہ وہ اس فہم دین کے متوازی جس کی بنیاد کتاب و سنت، منصب نبوت کی عظمت اور ختم نبوت کے عقیدہ پر تھی ایک مستقل فکر اور دینی تصور تھا، اس کا کسی قدر اندازہ فرقہ اثنا عشریہ کے عقیدہ امامت سے ہو سکتا ہے جس کے نزدیک امامت نبوت کے ہم پلہ ہے، بلکہ بعض حیثیتوں سے اس سے بھی فائق ہے۔

لے حال میں انقلاب ایران کے قائد روح الشریعین جسے جو آیت اللہ اعظمی الامام الخمینی کے نام سے مشہور ہیں کی کتاب "الحکومة الإسلامية" مطالعہ میں آئی اس میں صفحہ ۵۷ پر "الولاية التكوينية" کے عنوان سے یہ لکھنے کے بعد کہ اگر خلافت کو نبی حاصل ہوتی ہے اور اس عالم کے تمام ذرات ان کی حکومت و اقتدار کے تابع اور فرماں بردار ہوتے ہیں، حسبِ میل عبارت آئی ہے۔

۱۔ "ان من ضروریات مذہبنا ان لا نعنا مقاماً یفوق ملک مقرب ولا نبی مرسل، و بموجب ما لدینا من الروایات والأحادیث فإت الرسول الأعظم (ص) والأئمۃ (ع) کالواقبل هذا العالم أنواراً فجعلهم الله یعرضه محمد فین وجعل لهم من المنزلة والرفی ما لا یعلم الا الله۔

(الحکومة الإسلامية - کتابخانہ بزرگ اسلامی - ایران)

ہمارے دین کے قطعی الثبوت مسائل میں یہ ہے کہ ہمارے اماموں کو وہ مقام حاصل ہے جس کو نہ کوئی مقرب فرشتہ پہنچ سکتا ہے نہ نبی جس کی بعثت ہوئی اور ہماری روایا اور احادیث کے بموجب رسول اعظم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ائمہ (علیہم السلام) اس عالم سے پہلے انوار (روحانیاں) تھے اللہ نے ان کو اپنے عرش کا احاطہ کرنے والا بنا دیا اور ان کو ایسا مقرب اور قرب عطا فرمایا جس کا علم صرف اللہ کو ہے۔

شاہ صاحب کتاب کی تالیف کی اولین غرض وغایت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

می گوید فقیر حقیر ولی اللہ عفی عنہ کہیں فقیر حقیر ولی اللہ عفی عنہ کہتا ہے کہ
زمانہ بدعت تشیع آشکار شد و نفوس اس زمانہ میں تشیع کی بدعت کا
عوام بشہات ایشان تشریعت گشت شیوع ہوا، عوام کی طبیعتیں رنج
و اکثر اہل اس قلم در اثبات خلافت پیدا کئے ہوئے شبہات گہرے
خلفائے راشدین عنوان اللہ تعالیٰ طریقہ پر متاثر ہوئے، اس علاقہ کے
علیہم اجمعین شکوک ہم رسانیدند۔ اکثر باشندوں کے دل میں خلفائے

راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم
اجمعین کے ثبوت خلافت کے
بابے میں طرح طرح کے شکوک
و اعتراضات پیدا ہو گئے۔

شاہ صاحب کی نظر اس تشکیکی فتنہ کی ظاہری سطح ہی پر نہیں تھی، اس کی تہ میں جو گہری
سازش کام کر رہی تھی، اور اس کے جو دور رس نتائج ظاہر ہونے والے تھے، (مثلاً اسلام کا
اپنے اولین و بہترین دور میں ناکام ثابت ہونا اور صحبت و تربیت نبوی کی بے اثری صحابہ کرام
کے ذریعہ خیر القرون میں قرآن کی حفاظت، سنت کی اشاعت اور جن امور پر اتفاق ہوا
اس سب پر بے اعتمادی) ان کو بھی دیکھ رہی تھی چنانچہ فرماتے ہیں۔

ہر کہ در شکستن اس اصل سعی می کند جو شخص بھی خلافت راشدہ کی صحت
بحقیقت ہدم جمیع فنون دنیویہ کے اصول کو توڑنے کی کوشش کرتا ہے

می خواہد۔

اور دین کے اس اصل کا انکار کرتا

ہے، وہ حقیقت میں تمام فنون دنیہ

کو منہدم کر دینا چاہتا ہے۔

آگے تحریر فرماتے ہیں کہ:-

”خلفائے راشدین آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی امت کے

درمیان قرآن مجید کے اخذ و تلقی میں واسطہ ہیں“

اس کے بعد وہ اس دائرہ میں ان علوم اور شعبوں کو بھی شامل کرتے ہیں جن کی دولت

خلفائے راشدین ہی کے ذریعہ امت کو حاصل ہوئی، مثلاً علم حدیث، علم فقہ اور اس سے

بڑھ کر مجتہد فیہ مسائل میں کسی ایک خاص شکل پر اجماع کا انعقاد اور اختلاف امت کا خاتمہ

نیز علم احسان (جس کا نام بعد کے زمانہ میں علم شلوک پڑ گیا) اس کے بعد مراتب علم حکمت،

اخلاق فاضلہ اور اخلاق رذیلیہ کی وضاحت اور ان کا فرق، تدبیر منزل اور سیاست مدن

شاہ صاحب کے نزدیک یہ سب علوم و کمالات امت کو خلفائے راشدین ہی کی تعلیم اور طریق عمل

سے حاصل ہوئے اور امت اس باسے میں ان کی رہیں منت ہے۔

اس لئے یہ عین مناسب تھا کہ حجۃ اللہ البالغہ کے بعد جو گویا اسلام کی علمی و نظری

تفہیم و تشریح ہے یہ دکھایا جائے کہ واقعات کی دنیا میں نبوت کے بعد کے متصل دور میں

کس طرح کامیابی کے ساتھ ان اصول و تعلیمات کو عملی شکل دی گئی، زندگی پر کس خوش اسلوبی

کے ساتھ ان کا انطباق ہوا، معاشرۂ انسانی پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوئے، دو قدیم

باجبروت اور صاحب اقتدار تمدن (جنہوں نے تمدن دنیا آپس میں تقسیم کر رکھی تھی اور جن کی

تاریخ صدیوں کی پرانی تھی جن سلطنتوں (دولت ساسانیہ اور دولت روم) کے سایہ میں
اور ان کی رہنمائی اور سرپرستی میں پھل پھول رہے تھے، اور حیات انسانی پر اثر انداز ہو رہے تھے
وہ کس طرح نیست و نابود ہوئیں۔

چند قدیم تصنیفات

اسلام کے نظام اجتماعی، سلطنت اور اس کے دائرہ عمل پر (مرتبہ اور کیفیت
سے قطع نظر تعداد و کمیت کے لحاظ سے بھی) ہمیں قدیم ذخیرہ کتب میں بہت کم کتابیں ملتی
ہیں، اس موضوع پر امام ابو یوسفؒ (۱۵۰-۲۴۱ھ) جو امام اعظم امام ابو حنیفہؒ کے
شاگرد رشید اور خلافت عباسیہ کے قاضی القضاۃ تھے، کی کتاب الخراج، بنیادی حیثیت
رکھتی لیکن اس کا دائرہ بحث سلطنت اسلامیہ کے ذرائع آمدنی، مالیات اور نظام
محاصل تک محدود ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلی قابل ذکر کتاب قاضی القضاۃ علامہ ابو الحسن علی ابن محمد بن
حبیب الماوردی (۳۶۴-۴۵۰ھ) کی تالیف "الأحكام السلطانية والولايات
الدینیة" ہے، یہ متوسط سائز کے ۲۵۹ صفحات میں آئی ہے، اس کا مرکزی موضوع امت
اور اس کا حکم شرعی، شرائط، کیفیت انعقاد اس کے تفویض کئے ہوئے مناصب اور امام
کے فرائض و واجبات، قضاۃ کے تقرر کے احکام، امامت، ولایت صدقات اور جزیرہ
وخراج وغیرہ کے احکام ہیں، اور حدود و نیز احتساب وغیرہ کا بیان ہے، خلافت راشدہ کی
لے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "ازالۃ الخفا" عنوان "برہم شدن دولت ساسانیہ ص ۵۹-۵۰ و عنوان

"برہم شدن دولت رومیہ" ص ۵۹-۶۳

صحیح و ثبوت اور خلفائے راشدین کے فضائل و مناقب اور کارناموں سے کوئی بحث نہیں۔

اس موضوع پر سب سے بڑی کتاب "الغیاث" ہے اس کا پورا نام "غیاث الامم فی التیارات الظلمہ" ہے کتاب کے مصنف امام غزالیؒ کے نامور استاد اور اپنے زمانہ کے احقر الاساتذہ امام الحرمین ابوالعالی عبدالملک بخونیؒ (۳۱۹ھ - ۳۷۹ھ) ہیں یہ کتاب صلاً دولت سلجوقیہ کے نامور وزیر باتدبیر نظام الملک طوسی (۳۸۵ھ - ۴۱۲ھ) (بانی مدرسہ نظامیہ بغداد و نیشاپور) کے مشورہ و ملاحظہ کے لئے تصنیف کی گئی ہے جو ضابطہ سے ملک لپ ارسلان اور ملک شاہ سلجوقی کے وزیر اور مدارالمہام سلطنت تھے، لیکن حقیقتاً اس عظیم سلطنت بلکہ شہنشاہی کے کرتاوتھرتا تھے کتاب درحقیقت امامت کے شرعی احکام صفات اور فرائض پر ہے قسم اول میں ائمہ ولایۃ رعیت اور قضاۃ کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں اس پر بھی بحث کی گئی ہے کہ اگر کسی زمانہ میں کوئی امام نہ ہو تو کیا کرنا چاہئے، نیز مفتیوں و والیوں کے اوصاف و فضائل بیان کئے گئے ہیں ان کی غیر موجودگی میں امت کے فرائض کیا ہو جاتے ہیں اگر منصب امامت پر کوئی نااہل بزور شمشیر مسلط ہو جائے تو مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے؟ اگر زمانہ مفتیوں سے خالی ہو تو امت کا کیا فرض ہے؟ خلیع امام کے کیا اسباب ہیں؟ پھر تفصیل سے وہ فقہی احکام بیان کئے گئے ہیں جو مفتیوں کے نہ ہونے کی صورت میں امت کو جاننے چاہئیں اودان پر عمل کرنا چاہئے، یہاں پہونچکر

۱۵۹۱ء کتاب ڈاکٹر عبدالعظیم الدیب کی تحقیق سے شیخ عبداللہ ابن ابراہیم الانصاری کی توجہ اور اہتمام سے حکومت قطر کے "انشؤن الدینیۃ" کے مصارف پر سنہ ۱۳۸۵ھ میں طبع ہوئی کتاب کی ضخامت بڑی تختی پر ۶۱۱ صفحات ہیں۔ ۱۵۹۱ء ابن خلکان، طبقات اصفہانیہ وغیرہ نظام الملک کے حالات و کمالات کے لئے (اردو میں) ملاحظہ ہو نظام الملک طوسیؒ از مولوی عبدالرزاق صاحب کانپوری مرقوم۔

کتاب فقہ (شافعی) کی کتاب بن جاتی ہے، کتاب میں خلفائے راشدین کی خلافت کی صحت و اجمیت سے بحث نہیں، وہ درحقیقت امامت کے شرعی احکام، صفات و فرائض پر ہے، کتاب میں جا بجا ماوردی کی کتاب "الاحکام السلطانیہ" پر تعریض اور مولف پر اعتراضات بھی ہیں۔

تیسری قابل ذکر کتاب شیخ الاسلام ابن تیمیہ (۱۲۶۱ھ-۱۳۲۸ھ) کی کتاب "السیاسة الشرعية فی اصلاح الراعی والرعية" ہے، مصنف علام نے کتاب کے خطبہ میں صراحت سے کہہ دیا ہے کہ یہ مختصر رسالہ ہے جس میں سیاست الہیہ اور نیابت نبویہ کے وہ چند اصول و احکام بیان کئے جائیں گے جن سے راعی اور رعیت کوئی بھی مستغنی نہیں، کتاب درحقیقت آیت قرآنی :-

اِنَّ اللّٰهَ يَآمُرُكُمْ اَنْ تُوْذُوْا	خدا تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت
الْاَمْنِ اِلَىٰ اَهْلِهَا وَاِذَا خَلَمْتُمْ	والوں کی امانتیں ان کے حوالہ کر دیا
بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَعْلَمُوْا بِالْعَدْلِ	کرو، اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے
(اِلٰی قَوْلِهِ تَعَالٰی) ذٰلِكَ خَيْرٌ	لگو تو انسان سے فیصلہ کیا کرو۔
وَاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝	یہ بہت اچھی بات ہے اور اس کا
(سورة النساء- ۵۸-۵۹)	مال بھی اچھا ہے

کی تفسیر و تفصیل ہے۔

قسم اول میں باب اول کا عنوان "الولايات" ہے، باب دوم کا "الاثموال" ہے، اور قسم ثانی میں پہلے حدو الشر و حقوق الشر سے بحث کی گئی ہے، پھر حقوق العباد سے کتاب توسط سائز کے ۱۶۸ صفحات پر آئی ہے، لہ ہمارے سامنے اس کا چوتھا ایڈیشن ہے جو ۱۹۷۹ء میں دارالکتاب العربی مصر کی طرف سے شائع ہوا۔

اس کتاب میں بھی خلافت راشدہ اور خلفائے راشدین کے سلسلہ کی اصولی، کلامی اور تاریخی بحثوں سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا، جس کے بارے میں کتاب کے جلیل القدر مصنف مند اور امام کا درجہ رکھتے تھے، اور اگر وہ اس کی طرف توجہ فرماتے تو وہ اسلام کے تحقیقی ذخیرہ کتب اور مباحث میں گرانقدر اضافہ ہوتا، اس موضوع پر ان کے وسیع علم اور رواں قلم نے ”منہاج السنۃ“ کے صفحات پر اپنا اصلی جوہر دکھایا ہے، اور اس میں ان کے دریائے علم کی طغیانی اور رہوار قلم کی جولانی کا تماشا دیکھنے میں آتا ہے۔

اسلام میں خلافت کی حیثیت و مقام

قرآن مجید اور حدیث نبوی میں دعوت اسلامی اور دین محمدی کے قبول کرنے اور ان پر ایمان لانے والوں کا تعداد ایک منظم اور مربوط جماعت ہی کی شکل میں کیا گیا ہے، ان کے لئے ”امت“، ”ملت“، ”جماعت“ کے جو الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، وہ سب اسی حقیقت پر دلالت کرتے ہیں، اہل بصیرت جانتے ہیں کہ یہ الفاظ کتاب و سنت کی لغت و اصطلاح میں محض تعداد کی کثرت اور انسانوں کے انبوہ کے جیسے سطحی مفہوم اور معنی کے لئے استعمال نہیں کئے گئے، جن کا ادیان و ملل کی تاریخ میں بھی، اور قوموں اور تہذیبوں کی تقدیر میں بھی کوئی وزن اور اثر نہیں ہے، بلکہ سارا قرآن مجید کہیں امم سابقہ کے واقعات کے سلسلہ میں اور کہیں قوت و ضعف اور غلبہ و ہزیمت کے اسباب کے تذکرے میں، تعداد کی کثرت کی بے اثری، انسانی انبوہ کی بے وزنی اور صراح ترین افراد کی موجودگی میں فساد کے غلبہ انسانوں کی مظلومیت اور دین حق کی مظلومیت کے تذکرہ سے بھرا ہوا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ

لے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ”منہاج السنۃ“ پر تبصرہ ”تایخ دعوت و عزیمت“ حصہ دوم ص ۲۸۳-۳۱۲

میزان عدل اور میزان عقل دونوں میں منتشر افراد کی (جن کی تعداد خواہ کتنی ہی زائد ہو) کوئی بڑی اہمیت و افادیت نہیں۔

اسلام کے پیش نظر جو عظیم مقاصد ہیں، ان میں عباد و معبود کے تعلق کی اصلاح و تنظیم، پھر اس کی ترویج و توسیع، انسانی زندگی کو اس کے قالب میں ڈھالنے کی سعی، افراد و جماعت کے باہمی تعلقات کی استواری اور خوشگواہی بھی ہے، ایک ایسی شائستہ، خوش اسلوب پرسکون اور پر امن زندگی کے لئے فضا ہموار کرنا بھی ہے، جس میں خالق کے فرائض، مخلوق کے حقوق، دونوں کے ادا کرنے کا پورا موقع، اور ان کمالات و ارتقائی منازل تک پہنچنے کا پورا امکان پایا جائے، جن کی صلاحیت انسان کی فطرت میں ودیعت کی گئی ہے، اس نے کوشش کی ہے، کہ اس کی قوت عمل اور ذہانت، ان خطرات کا مقابلہ کرنے، ان نقصانات سے بچنے اور ان مفسد کے دور کرنے میں ضائع نہ ہو، جو کبھی غیر منظم زندگی سے پیدا ہوتے ہیں، کبھی خود ساختہ قوانین سے کبھی مطلق العنانی اور جاہ و اقتدار کی ہوس سے، اس کے لئے ایک منزل من الشرف قانون، آسمانی شریعت اور خدا کی الوہیت و حاکمیت کے عقیدہ پر ایک نظام خلافت و امارت ضروری ہے، جہاں تک شریعت الہی کا تعلق ہے، اس کے منزل من الشرف معصوم عن الخطاء، اغراض و مفادات، تعصبات اور جذبہ اریوں سے بلند و بالا تر ہونے کا عقیدہ ضروری ہے اور جہاں تک خلافت و امارت کا تعلق ہے، اس کا اس شریعت کے صحیح ترجمان و نمائندہ، اور انسانی طاقت و ارادہ کی حد تک بے جا حسرت و عصبیت، مہمانت اور عدم مساوات سے دور رہنا ضروری ہے۔

ان مقاصد کی تکمیل اور ان نتائج کے ظہور کے لئے ابتداء ہی سے صاحب شریعت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایسے احکام و ہدایات صادر فرمائیں جن کی موجودگی میں مسلمان

ایک ایسی نظم اور مربوط جماعت کی شکل اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، جو ایک ایسے ممتاز فرد کے حکم و انتظام کی تابع ہے، جو بہت سی خصوصیات میں ان سے امتیاز رکھتا ہے، ان کے مصالح، مفادات اور ضروریات کا نگراں ہے، اور انھوں نے اس کو شریعت کے وسیع و بچکدار رہنا اصولوں کی روشنی میں انتخاب کیا ہے، اگر وہ امامت کبریٰ کے منصب پر فائز ہے تو اس کو خلیفۃ المسلمین، امیر المؤمنین، یا امام کہیں گے، اور اگر وہ اس کا نائب اس کا نامزد کیا ہوا، یا شریعت کے احکام کے نفاذ، فصل خصوصیات، اور نظم دینی زندگی گزارنے کے لئے مسلمانوں اس کو (جزئی اور مقامی طور پر) انتخاب کیا ہے، تو اس کو امیر کہیں گے۔

خلیفہ کا انتخاب ایسے دینی فرائض میں سے تھا کہ سب سے بڑے عاشق رسولؐ اور جاں نثا رفیق حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سب سے بڑے عاشق و جاں نثاروں کے گروہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے (معاہل بیت عظام کے) اس مسئلہ کا تصفیہ، اور خلیفۃ المسلمین کے انتخاب کو جسدا طہر و انور کی تدفین پر مقدم رکھا، اور تقریباً یہی معمول ہر خلیفہ کے انتقال پر ہوا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتخاب سلسلہ سے لے کر خلیفہ مستنصر باللہ عباسی کی شہادت ۶۵۶ھ تک عالم اسلام خلیفۃ اسلام سے کبھی محروم نہیں رہا، صرف خلیفہ مسترشد باللہ جو سلطان مسعود سلجوقی کے ہاتھوں ۱۰ رمضان ۵۲۹ھ میں گرفتار ہوا تھا، کی غیبت و اسیری کے قلیل وقفہ میں جو تین مہینے ساٹ دن سے متجاوز نہیں تھا، عالم اسلام خلیفۃ اسلام کے بغیر رہا، لیکن یہ عالم اسلام کے لئے ایک ایسا انوکھا تجربہ اور المناک واقعہ تھا جس کی وجہ سے وہ سیاہ پوش اور سوگوار، اور بغداد زیر و زبر ہو گیا، ابن کثیرؒ کے الفاظ میں :-

”بغداد کے باشندوں میں ظاہر و باطن ہر لحاظ سے ایک زلزلہ سا گیا، عوام نے مسجد کے منبروں تک کو توڑ ڈالا، اور جماعتوں میں شریک ہونا بھی چھوڑ دیا، عورتیں

سرے دوپٹہ ہٹا کر نوحہ خوانی کرتی ہوئی باہر نکل آئیں اور خلیفہ کے قید اور اس کی پریشانیوں اور مصیبتوں کا ماتم کرنے لگیں دوسرے علاقے بھی بغداد ہی کے نقش قدم پر چلے اس کے بعد یہ فتنہ اتنا بڑھا کہ کم و بیش تمام علاقے اس سے متاثر ہو گئے ملک سخرنے یا جزا دیکھ کر اپنے بھتیجہ کو معاملہ کی نزاکت اور اہمیت سے آگاہ اور خبردار کیا، اور اس کو حکم دیا کہ خلیفہ کو بجا ل کر دے، ملک مسعود نے اس حکم کی تعمیل کی؛ خلیفہ مستنعم باللہ کی شہادت پر شیخ سعدیؒ نے جو مرکز خلافت سے بہت دور شیراز میں رہتے تھے، جو دل دوز و جگر سوز مرثیہ کہا ہے اور جس کا مطلع ہے ۵

آساں راحی بود گر فوں بار و بر زمیں

برزوال امر مستنعم امیر المؤمنین

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان خلافت اور خلیفہ کو کس نظر سے دیکھتے تھے، اور عالم اسلام کی ان سے محرومی پر کین جذبات کا اظہار کرتے تھے۔

خلافت کی جامع و مانع تعریف

شاہ صاحبؒ نے جن کی نظر کتاب و سنت، فقہ، عقائد اور علم کلام اور سیرت و تاریخ پر نہایت وسیع اور گہری تھی، اور وہ مقاصد شریعت کے رمز آشاتھے، خلافت کی ایسی جامع و مانع تعریف کی ہے جس سے بہتر پیش کرنی مشکل ہے، اس تعریف کا ہر لفظ اپنے ساتھ معانی و مطالب اور مثالوں کا ایک دفتر رکھتا ہے، وہ تحریر فرماتے ہیں:۔

المخلافة هي الرياسة العامة خلافت اس عمومی سربراہی اور

فی التصدی لإقامة الدین ریاست عامہ کا نام ہے جو اقامت
 بإحياء العلوم الدينية وإقامة دین کے کام کی تکمیل کے لئے وجود
 أركان الإسلام والقيام بالجهاد میں آئے اس اقامت دین کے
 وما يتعلق به من ترتيب الجيوش دائرہ کار میں علوم دنیہ کا احیاء،
 والفرض للقاتلة واعطائهم ازکان اسلام کا قیام، جہاد اور
 من الفیء والقيام بالقضاء اس کے تعلقات کا انتظام، مثلاً
 وإقامة الحدود، ورفع المظالم شکروں کی ترتیب، جنگ میں حصہ
 والأمر بالمعروف والنهي عن لینے والوں کے حصص وال غنیمت
 المنكر، نیابت عن النبی صلی اللہ میں ان کا حق، نظام قضا کا اجراء
 علیه وآله وسلم حد کا قائم کرنا، مظالم و شکایات کا
 ازالہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر
 کے فرض کی ادائیگی شامل ہے اور
 یہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ
 وسلم کی نیابت اور نمائندگی میں ہونا چاہئے۔

پھر اقامت دین کی مزید تشریح و تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

”ہم جب معاملات کو استقرائی نظر سے دیکھتے ہیں، جزئیات سے کلیات اور
 کلیات سے ایک ہی کلیہ کی طرف جو سب پر حاوی ہو متقل ہوتے ہیں تو اس نتیجہ پر
 پہنچتے ہیں کہ ان معاملات، جزئیات، قشتہ اور کلیات کثیرہ کی جنس اعلیٰ اور

(گویا کلمۃ الکلیات) وہ حقیقت ہے جس کا عنوان اقامت دین ہے جس کے ماتحت دوسری انواع و اجناس آتی ہیں جن میں سے ایک احوال و علوم دین ہے جس میں قرآن و سنت کی تعلیم اور تذکیر و موعظت شامل ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ
رُسُلًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ
فَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ
وَالْحِكْمَةَ وَذَاتُ الْكَوْثَرِ قَبْلُ
لَنُفَعِّلَنَّ شَيْئًا مِّنْهُ لَهُ
(سورة المجدة - ۲)

وہی تو ہے جس نے اُن پڑھوں میں
انہیں میں سے (مذکور) پیغمبر بنا کر
بھیجا جو ان کے سامنے اس کی آیتیں
پڑھتے اور ان کو پاک کرتے اور انہیں
(خدا کی) کتاب اور دانائی سکھاتے
ہیں اور اس سے پہلے تو یہ لوگ مرع
گمراہی میں تھے۔

خلفائے راشدین کی خلافت پر قرآن سے استدلال

کتاب کا سب سے وجد انگیز حصہ وہ ہے جس میں شاہ صاحب نے قرآن مجید کی متعدد آیات سے خلفائے راشدین کی خلافت کے انعقاد اور ان کے خلیفہ راشد ہونے اور ان کے ذریعہ سے منشاء الہی کی تکمیل اور امر تکوینی کے تحقق پر استدلال کیا ہے اور آیات کے ایسے اشارات بلکہ تصریحات کی طرف توجہ دلائی ہے جن سے بدیہی طور پر (بلکہ بعض مقامات پر دیا منی کے نتائج کے رنگ میں) یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان حضرات کے سوا ان آیات کا کوئی اور صدق اور مراد

نہیں ہو سکتا، اور ان مشین گوئیوں کا انطباق ان کی ذات کے سوا کسی پر اور ان وعدوں کا تحقق ان کے دور خلافت کے سوا کسی دور میں وقوع پذیر نہیں ہوا، اگر ان کی شخصیتوں اور ان کے عہد کو بیچ میں سے نکال لیا جائے تو یہ صفات بغیر کسی مصداق کے اور یہ وعدے تشبہ تکمیل رہ جاتے ہیں۔

اں آیات میں جو شاہ صاحب نے پیش کی ہیں، ہم بطور نمونہ کے صرف دو آیتیں انتخاب کرتے ہیں ان میں سے ایک سورہ نور کی آیت ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ	جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور
وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ	نیک کام کرتے رہے ان سے خدا کا
فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ	وعدہ ہے کہ ان کو ملک حاکم بنائے گا
مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ	جیسا ان سے پہلے لوگوں کو حاکم بنایا
الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ	تھا اور ان کے دین کو جسے اس نے
مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ۚ يُبَدِّلُهُ نَبِئًا	ان کے لئے پسند کیا ہے مستحکم و پائیدار
لَا يَشْرِكُونَ فِي شَيْءٍ ۚ وَمَنْ كَفَرَ	کرے گا اور خوف کے بعد امن کو امن
بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ	بخشنے گا وہ میری عبادت کریں گے،
الْفَاسِقُونَ ۝	(اور) میرے ساتھ کسی اور کو شریک

(سورہ النور - ۵۵) نہ بنائیں گے اور جو اس کے بعد کفر

کرے تو ایسے لوگ بدکردار ہیں۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ وعدہ (استخلاف و تمکین فی الارض) اور خوف کے بعد امن کا) ان لوگوں کے ساتھ کیا گیا ہے جو سورہ نور کے نزول کے وقت موجود،

اسلام اور صحبت نبوی سے مشرق اور دین کی نصرت و تائید میں شریک تھے، شاہ صاحب صفائی سے لکھتے ہیں کہ اس وعدہ کا اطلاق حضرت معاویہ، بنو امیہ اور بنو عباس پر نہیں ہوتا، جو اس وقت یا تو اسلام نہیں لائے تھے یا مدینہ میں موجود نہیں تھے۔ پھر لکھتے ہیں کہ یہ بات نہ تو ممکن ہے نہ معقول کہ اس پوری جماعت مسلمین کو خلافت فی الارض سے سرفراز کیا جائے اور وہ سب بیک وقت منصب خلافت پر فائز ہوں اس لئے اس سے کچھ خاص افراد ہی مراد لئے جاسکتے ہیں، فرماتے ہیں:۔

”لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ لَيْسِي لِيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ جَمْعًا مِنْهُمْ“ و ”انقيادوا لزام اوست“

یعنی ان میں سے ایک جماعت کو خلیفہ بنایا جائیگا، اور انقیاد و طاعت اس کے لئے شرط ہے، پھر یہ کہ جب اس وعدہ کا تحقق ہوگا، تو دین علی اکمل الوجہ ظہور

میں آئیگا، اور اس کو پورا اقتدار اور اختیار حاصل ہوگا، ایسا نہیں، جیسے

سنا عشری حضرات کہتے ہیں کہ خدا کو جو دین پسند ہے وہ ہمیشہ مستور و مخفی

رہے اور اسی بناء پر ائمہ اہل بیت نے ہمیشہ تقیہ سے کام لیا، اور ان کو

اپنے دین کے کھلم کھلا اعلان کی کبھی قدرت حاصل نہیں ہوئی ”وَلَيَكُنَّ لَهُمْ

دِينُهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ“ (ان کے لئے اللہ تعالیٰ اس دین کو قوت و غلبہ

عطا فرمائے گا، جس کو اس نے ان کے لئے پسند کر لیا ہے) اس سے معلوم ہوا کہ

وہ دین خدا کا پسندیدہ اور منتخب دین نہیں جس کا اس زمانہ خلافت میں

اعلان و اظہار نہ کیا جاسکے

اسی طرح فرماتا ہے ”وَلَيَكُنَّ لَهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا“ اس زمانہ تک

میں اللہ تعالیٰ خوف و ہراس کی فضا کے بجائے امن و اطمینان کی فضا پیدا کر دے گا، اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ سیکلفین اور بقیہ مسلمان اس وعدہ کی تکمیل کے وقت امن و اطمینان کے ساتھ ہوں گے، نہ ان کو مختلف الا دیان کفار کا کوئی ڈر ہوگا، اور نہ کسی اور جماعت یا طاقت کا اندیشہ، برخلاف اس کے فرقہ امامیہ کے لوگ کہتے ہیں کہ ائمہ اہل بیت ہمیشہ ترساں و ہراساں رہے، انھوں نے تقیہ سے کام لیا، ان کو اور ان کے ساتھیوں کو ہمیشہ مسلمانوں سے اذیت اور تکلیف پیش آئی اور وہ اہانت و ذلت کا سامنا کرتے رہے، اور کبھی مؤید و منصور نہیں رہے، استخلاف اور تکلیف فی الارض کے وعدہ کا ظہور انھیں مہاجرین اولین اور نزول آیت استخلاف کے وقت موجود رہنے والے حضرات کے ذریعہ ہوا، اور اگر یہ لوگ خلیفہ نہیں تھے، تو اس وعدہ کا ظہور ہی نہیں ہوا، اور نہ قیامت تک ہونے والا ہے، تعالیٰ اللہ عن ذلک

علو اکبراً^{۲۱}

دوسری آیت مد قُلْ لِّلْمُتَلَفِّينَ مِنَ الْأَعْرَابِ اِذْ سَوْقَاتُح (آیت) کی ہے، شاہ صاحب نے اس آیت پر مفصل بحث کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ستر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ اس خواب کی بناء پر جو آپ نے دیکھا تھا، عمرہ کے قصد سے مکہ معظمہ کی طرف کوچ فرمایا، واقعہ کی اہمیت، مکہ معظمہ کے حالات اور قریش کی مخالفت کے خطرہ کی بناء پر صحابہ کرام بڑی تعداد میں ہمراہ ہوئے، لیکن اعراب (بادیہ کے ساکنین) خوف و نفاق کی بناء پر ساتھ نہیں ہوئے

حدیبیہ میں فسخ عربیت اور قریش کے ساتھ صلح کا واقعہ تاریخ ساز واقعہ پیش آیا جو حدیث اور سیرت کی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ ملتا ہے وہیں وہ بیعت رضوان ہوئی جس میں شریک ہونے والوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خوشنودی کا خاص پروانہ عطا فرمایا، اور قریبی زمانہ کی فتح کا مژدہ سنایا، پھر اسی سورہ فتح میں یہ بھی اعلان فرمادیا کہ اس فتح قریب (فتح خیبر) میں (جو محرم سنہ ۶ کا واقعہ ہے) ان اعراب کو ساتھ نہیں لیا جائیگا، جو حدیبیہ کے موقع پر موجود نہیں تھے، اور جنہوں نے اس عظیم و خطرناک مہم میں رفاقت سے پہلو تہی کی تھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

سَبِقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انْطَلَقْتُمْ
إِلَى مَعَانِمٍ لِتَأْخُذُوا مَا ذَرُّوْنَا
مَتَّبِعْكُمْ يَرْبُذُونَ أَنْ يُبَدِّلُوا
كَلِمَ اللَّهِ ۚ قُلْ لَنْ يَتَّبِعُونَكَ لَكَ
قَالَ اللَّهُ مِنْ قَبْلُ فَسَبِقُوا لَوْ
لَمْ تَحْسُدُوا نَنَا ۚ بَلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ
الْأَقْبِلَ ۝

(سورۃ الفتح - ۱۵)

(نہیں) تم تو ہم سے حسد کرتے ہو

ت یہ ہے کہ یہ لوگ سمجھتے ہی نہیں

مگر بہت کم

لیکن اس کے بعد ہی ان متخلفین سے فرمایا گیا کہ اس فتح قریب (فتح خیبر) میں

تو تمہیں شرکت اور اس کے مفاسد سے فائدہ اٹھانے کی اجازت نہیں ہے، لیکن عنقریب تم کو ایسے لوگوں سے قتال کرنے کے لئے مدعو کیا جائیگا جن کی ایک صفت تو یہ ہے کہ وہ بڑی شجاعت اور طاقت کے مالک ہیں، دوسرے ان کی خصوصیت یہ ہوگی کہ ان سے یا تو قتال کیا جائیگا یا وہ اسلام لے آئیں گے، درمیان کی کوئی چیز (جزء) نہیں ہے اور یہ دعوت قتال اللہ کو ایسی محبوب اور اس کا داعی ایسا معتبر اور واجب الطاعت ہوگا کہ اگر تم اس کی دعوت قبول اور اس کے حکم کی بجا آوری کرو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو اجر و حسن سے نوازے گا، اور اگر پہلے کی طرح روگردانی کرو گے، تو عذاب الیم میں مبتلا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

قُلْ لِلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ	جو گنوار پیچھے رہ گئے تھے ان سے
سَتُدْعَوْنَ إِلَى قَوْمٍ أُولَىٰ بَأْسٍ	کہدو کہ تم ایک سخت جنگجو قوم کے
شَدِيدٍ يُقَاتِلُونَهُمْ أَوْ يُبَلَّغُونَ	(ساتھ لڑائی کے) لئے بلائے جاؤ گے
فَإِنْ تَطِيعُوا أَمْرَ اللَّهِ فَعَلِمْنَا	ان سے تم (یا تو) جنگ کرتے رہو گے
وَأِنْ تَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ قَبْلُ	یا وہ اسلام لے آئیں گے اگر تم حکم
يُعَذِّبُكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا	مانو گے تو خدا تم کو اچھا بدلہ دے گا

(سورۃ الفتح - ۱۶)

اور اگر منہ پھیر لو گے جیسے پہلی دفعہ
پھیرا تھا تو وہ تم کو بڑی تکلیف کی

سزا دے گا۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ سَتُدْعَوْنَ (عنقریب تم بلائے جاؤ گے) سے بطریق اقتضاء ثابت ہوتا ہے کہ زمانہ مستقبل میں کوئی ایسا داعی (بلانے والا) ہوگا جو اعراب

(بادیہ کے رہنے والوں کو جو صلح حدیبیہ کے موقعہ پر شکر اسلام کے ساتھ نہیں گئے تھے) کو ایسی قوم سے جنگ کرنے کے لئے دعوت دے گا جس کے لئے دوسری شکلیں ہیں یا قتال یا اسلام (اور جس کا مصداق عرب کے مرتد قبائل ہی ہو سکتے ہیں جن سے جزیہ لینا جائز نہ تھا وہ یا تو جنگ میں ملے جاتے یا اسلام قبول کرتے) اور یہ شکل صرف حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں پیش آئی جنہوں نے مرتدین عرب سے قتال کیا، ان کا حکم شرعی یہی تھا اس سے مراد نہ رومی ہو سکتے ہیں نہ ایرانی جن کے لئے تین شکلیں تھیں قتال، اسلام اور جزیہ اس سے بدابتنہ حضرت صدیق اکبرؓ کی خلافت ثابت ہوتی ہے جنہوں نے مرتدین سے جنگ کرنے کے لئے حضرت خالدؓ کی ماتحتی میں فوج بھیجی اور اعراب کو اس کی دعوت دی پھر اس دعوت کے قبول کرنے پر اجر کا ملنا اور نہ قبول کرنے پر عذاب کا مستحق ہونا ایک خلیفہ راشد ہی کا مقام و منصب ہے۔

کتاب کے دوسرے قیمتی مضامین

خلفائے راشدین کی خلافت کے اثبات کے دلائل اور خلفائے اربعہ کے آثار و مناقب

لے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ازالۃ الخفاء ص ۳۹-۴۰ شاہ صاحب کے اس استدلال کی تائید علامہ تہا بن لہین محمود الاوسی (م ۱۲۸۰ھ) کی مشہور تفسیر روح المعانی سے بھی ہوتی ہے وہ لکھتے ہیں۔

المواد بالمعنا نم مغنا نم خیر کما علیہ عامۃ المفسرینؑ

”ستدعون الی قوم اولی باس شدید“ وہم علی ما اخرج ابن المذہب

والطبرانی عن الزہری بنو حنیفہ مہلمۃ وقومہ اهل الیمامہ وعن

رافع بن خدیج انکنا نقراً ہذا الایۃ فیما مضی ولا تعلم من ہم منی واما

ابوبکر رضی اللہ عنہ الی قتال بنی حنیفۃ فعلنما انہم اشد واما

ومتاع الاستدلال بالایۃ علی صحۃ امامۃ الی بکر رضی اللہ عنہ

لہ روح المعانی ص ۳۹ لہ ایضاً ص ۴۰ لہ ایضاً ص ۴۱

ان کے زمانہ کے کارناموں اور ان کے بہت سے قیمتی کلمات اور ارشادات کے علاوہ اس کتاب میں اور بھی بیش بہا فوائد تحقیقاتِ نادیرہ اور وہ قیمتی مواد ہے جو نہ عقائدِ علمِ کلام کی کتابوں میں عام طور پر ملتا ہے نہ تاریخ اور سیر میں ان میں سے ایک قرونِ ثلاثہ کی توضیحِ خلافت و سلطنت کا فرق اور اس کی تفصیلات، ملکِ مخصوص (مطلق العنان فرمانروائی) کی تشریح اور اس بات کی تصریح ہے کہ بنی اُمیہ کی سلطنت اور مطلق العنان فرمانروائی خلافت نہ تھی ان کے نزدیک اگرچہ خلافت راشدہ حضرت علی مرتضیٰ پر ختم ہو گئی لیکن وہ حضرت معاویہ کے بارے میں (ان مناقب کی بناء پر جو ان کے بارہ میں وارد ہوئے ہیں) سوہن اور طعن و تشنیع سے احتراز کی تلقین کرتے ہیں لیکن ان کے بعد کے خلفاء بنی مروان کے متعلق صاف لکھتے ہیں :-

چوں عبد الملک تسلط یافت فرقت	جب عبد الملک (بن مروان) نے اقتدار
از میان رفت و احکام خلافت جابر	حاصل کر لیا، توانا ختم ہو گیا، اور خلافت
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	جابرہ کے احکام جن کی آنحضرت صلی اللہ
در چندین احادیث تشریح آں فرمود	علیہ وآلہ وسلم نے متعدد احادیث میں
بودند بر منصفہ ظہور آید	تشریح فرمائی تھی ہر نظر عام پر آگئے۔

اس کتاب کی ایک خصوصیت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب ان کے فتاویٰ اور احکام پر وہ مفصل مواد ہے جس کو اس میں جمع کر دیا گیا اور جس سے ایک پوری

۱۔ ازالۃ الخفاء ص ۱۲۲-۱۲۳ ۲۔ ایضاً ص ۱۲۶ ۳۔ ایضاً ص ۱۳۱
 ۴۔ ایضاً ص ۱۳۱ یزید کے متعلق "حجۃ اللہ ابانہ" میں صفائی سے لکھتے ہیں "دعایہ الضلال یزید با شام
 و مختار باب العراق" ترجمہ - ضلالت کے عالمی دو تھے یزید شام میں اور مختار عراق میں (حجۃ اللہ ابانہ ص ۱۳۲)
 اسی طرح مناقب کی بحث میں یزید کو منافق یا فاسق لکھا ہے ص ۲۱۵

فقہ فاروقی سلمے آگئی ہے۔

فقہ فاروقی کو یگانہ حیثیت سے پیش کرنے اور حضرت عمرؓ کے اجتہادات اور فتاویٰ کو جمع کرنے کا شاید یہ پہلا مبارک اقدام تھا جس کو شاہ صاحب نے دوسری ادویات کے ساتھ انجام دیا، اس موضوع پر کوئی جامع منفرد کتاب اب تک تصنیف نہیں ہوئی، حال میں (۱۳۷۱ھ - ۱۹۸۱ء) ڈاکٹر محمد رواس قلعہ جی نے "موسوعة فقہ عمر بن الخطاب" (حضرت عمرؓ کی فقہ کا دائرۃ المعارف انسائیکلو پیڈیا) کے نام سے ایک ضخیم مفصل کتاب مرتب کی جو مکتبۃ الفلاح کویت کی طرف سے شائع ہوئی، یہ کتاب بڑے سائز کے، ۸۷۸ صفحہ پر آئی ہے۔

خلفائے ثلاثہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی خلافت کے اثبات اور ان کے فضائل و مناقب، آثار اور خدمات کے ایسے تفصیلی تذکرہ کے ساتھ جس میں شاہ صاحب کا ذوق و جوش صاف جھلکتا ہے، اور جو اس ضرورت کی تکمیل ہے جو اس زمانہ کا تقاضا اور کتاب کی تصنیف کا اصل محرک ہے، انھوں نے امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے آثار و فضائل بیان کرنے میں تامل و تحفظ سے کام نہیں لیا ہے، ان کو بھی انھوں نے پوری عقیدت، ان کے حقوق کے اعتراف اور اہل بیت کرام کے ساتھ محبت کے جذبہ اور پورے توشع کے ساتھ بیان کیا ہے، آثار سیدنا علی بن ابی طالب کو حسب ذیل الفاظ سے شروع کرتے ہیں: "آثار امیر المومنین و امام الاشمعین اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اسی طرح حضرات جنینؓ بالخصوص سبط اکبر سیدنا حسن مجتبیٰ کا ذکر پوری عظمت و محبت کے ساتھ کرتے ہیں، وفات نبویؐ کے بعد حوادث مہتمہ میں حضرت عثمانؓ کی شہادت کو

فتنہ اولیٰ شمار کیا ہے اور فتنہ ثانیہ یحییٰ بن جابر گوشتہ رسول حضرت امام حسینؑ کی شہادت کو کہا ہے اور مشکوٰۃ شریف کی ایسی روایت (جو بہیقی سے ماخوذ ہے) نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وہی نسبت ہے جو ایک مضمون گوشتہ کو جسم سے ہوتی ہے اور آپ نے اس کی خبر دی ہے کہ امت ان کو شہید کرے گی، اسی فتنہ میں واقعہ ہائلہ حوہ کو بھی شمار کیا ہے جس میں یزید کے زمانہ میں اس کے لشکر کے ہاتھوں مدینہ طیبہ میں قتل و نہب کا شرمناک واقعہ پیش آیا، اور مدینہ و اہل مدینہ کی سخت بے حرمتی ہوئی، شاہ صاحبؒ نے بنی امیہ کے بارے میں جا بجا کھلی تنقید سے کام لیا ہے اس طرح کتاب میں وہ توازن اور اعتدال پورے طور پر موجود ہے جو اہل سنت و جماعت کا شعار و افتخار ہے۔

وفات نبویؐ کے بعد کے تغیرات و فتن کی نشاندہی

اس کتاب کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اسلام کی دینی تاریخ اور ذہنی و مذہبی انقلاب و تغیر کا ایک مختصر اجماع ہوا خاکہ بھی آگیا ہے اسلام کی سیاسی و علمی تاریخیں تو بے شمار ہیں لیکن ایسی تاریخ کہیں نہیں ملتی جس میں اسلام کے سیاسی و تمدنی تاریخی تسلسل کے درمیان تہذیبی و علمی اور اخلاقی تبدیلیوں کے نشان (خواہ وہ ایسے ہلکے اور پھیکے رنگ کے ہوں جو صحیح اسلامی مزاج کی واقفیت کی خود بین کے بغیر دیکھے نہ جاسکیں) نظر آئیں کتابوں میں تھوڑا سا منتشر مواد ملتا ہے لیکن کسی نے اس کو اپنی بحث کا عنوان نہیں بنایا، شاہ صاحبؒ خیر القرون سے متعلق اس کے بعد کے فتنے خیر القرون اور شر القرون کے احکام کا اختلاف، اور تغیرات کلیہ کے ضمن میں ان معنوی اور فکری تغیرات کا تذکرہ کرتے ہیں جو عہد رسالت اور خیر القرون کے بعد پیش آئے ان کے عنوانات شاہ صاحبؒ

کے یہاں حسب ذیل ہیں۔

ظہور کذب، تجوید قرآن کے سلسلہ میں تمثیل و مبالغہ، قرأت اور تلاوت پر گفتا اور تدبیر فی القرآن اور تفقہ کی کمی، فقہی مسائل میں روشنگاری اور مسائل کی فرضی شکلوں پر جو وقوع پذیر نہیں ہوئیں پہلے سے بحث و مباحثہ، متشابہات قرآن کی تاویل اور اس میں دور کی کوڑی لانا، عقائد والہیات میں نئے نئے سوالات کا پیدا کرنا، تقرب الی اللہ کی نیت سے نئے نئے اوراد و احزاب کی ایجاد، جو سنت ماثورہ پر اضافہ کرتے ہیں، مستحبات کی ایسی پابندی اور التزام جیسی واجباً کی ہونی چاہئے، فتوے دینے کے بارے میں اجتماعی مشورہ اور علمائے صاحبین سے رجوع کے سلسلہ کا ختم ہو جانا، نئے نئے فرقوں قدریہ اور مرجئیہ وغیرہ کا پیدا ہونا، مسلمانوں کے باہمی اعتماد و امن کا اٹھ جانا، ایسے لوگوں کا حکومت پر شکنجہ ہو جانا جو یا تو سرے سے حکومت کا استحقاق نہیں رکھتے، یا درجہ دوم سوم کے لوگ ہیں، ارکان اسلام کے قیام میں سستی اور فتور کا واقعہ ہونا۔

کتاب کی طباعت و اشاعت

کتاب ازالۃ الخفا پہلی مرتبہ مولوی محمد احسن صدیقی کے اہتمام میں مکتبی جمال الدین صاحب دارالہمام ریاست بھوپال کے حکم و ہدایت پر سنہ ۱۳۸۶ھ بمطبع صدیقی میں چھپی، اس وقت تین نسخے فراہم ہو سکے، جن سے تصحیح و مقابلہ کا کام کیا گیا، ایک منشی صاحب کا بھوپال کا نسخہ دوسرا مولوی احمد حسن صاحب امر وہی کا نسخہ تیسرا مولوی نور احسن صاحب کاندھلوی کا، قرینہ ہے کہ مصنف علام کتاب پر نظر ثانی نہیں فرما سکے۔

کتاب کا دوسرا ایڈیشن پریس ایڈمی لاہور پاکستان سے ۱۳۹۶ھ کو شائع ہوا، جو پہلا ایڈیشن کا آفست ہے، کتاب کا عربی ترجمہ المجلس الاعلىٰ ڈائجسٹ کے اہتمام میں تیار ہوا، لیکن اس کی کاسٹ مالک عربیہ میں اشاعت نہیں ہو سکی، امام اہل سنت مولانا عبد الشکور صاحب فاروقی لکھنؤی نے کتاب کا اردو ترجمہ کیا، جو کتاب کی فصل اول سے فصل پنجم (۱۵۵) تک پر مشتمل ہے، اس کا نام کشف الغطاء عن السنة البيضاء رکھا، اس مطبوعہ حصہ کی ضخامت ۲۳۶ صفحات ہے، ۱۳۲۹ھ میں عمدۃ المطابع لکھنؤ سے شائع ہوا۔



باب نہم

سیاسی انتشار اور حکومت مغلیہ کے دور احتضار میں شاہ ضاکا
مجاہدانہ وقائدانہ کردار

تین نوخیز جنگجو طاقتیں

کتاب کے باب دوم میں گزر چکا ہے کہ بارہویں صدی (ہجری) کا ہندوستان سیاسی
انتظامی اور اخلاقی حیثیت سے انحطاط و پستی، نظم و طوائف الملوکی، اور انتشار و اضطراب
کے اس نقطہ پر پہنچ گیا تھا جس کو کسی معاشرہ و نظام کا دم واپس یا حالت احتضار
سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، مغلیہ سلطنت ایک حکمران مسلمان خاندان کے طویل ترین اور قوی ترین
اقتدار کی علامت (symbol) بن کر رہ گئی تھی جس کے پیچھے نہ کوئی طاقت تھی، نہ سلیقہ،
نہ حوصلہ۔

بظاہر اس وقت سلطنت مغلیہ ہی نہیں پورے ملک کی قسمت کا فیصلہ کرنے والی تین
نوخیز جنگجو طاقتیں تھیں، علی الترتیب مرہٹے، سکھ، و جاٹ۔
مرہٹے

مرہٹے جن کی سرگرمیاں پہلے دکن میں محدود تھیں، اور جن کی حیثیت ایک منظم قانونی

لہ ہندوستان (سیاسی حالت)۔

حکومت کے خلاف ایک احتجاجی گروہ (AGITATORS) اور چھاپہ مار (GUERRILLA) طاقت سے زیادہ نہ تھی، مرکزی حکومت کی روز افزوں کمزوری، طالع آزماسرداروں کی باہمی زور آزمائی، اور امرائے سلطنت کی کوتاہ نظری کی وجہ سے (جو اپنے حریت کو زک دینے یا زچ کرنے کی نیت سے مرہٹوں سے کام لیتے رہتے تھے) ایک ایسی ہندگیر طاقت بن گئے، جو دہلی کے تخت پر قبضہ کرنے اور اس خلا کو پُر کرنے کا خواب دیکھنے لگے جو مغلوں کی فوجی طاقت کی کمزوری اور ان کی انتظامی نااہلی نے پیدا کر دیا تھا۔

۱۱۵۶ھ میں ملہار راؤ ہو لکر اور رگھوناتھ راؤ نے شمالی ہند پر اپنا تسلط قائم کرنے کا فیصلہ کیا، اور جاٹوں کی مدد سے ۱۱۵۷ھ کو دہلی پر حملہ کر دیا، نجیب الدولہ کو مجبور ہو کر صلح کرنی پڑی اس کے بعد انھوں نے پنجاب کا رخ کیا جو اس اہم جنگی علاقہ کا دروازہ تھا، جس سے فاتح ہندوستان میں داخل ہوتے رہے، اور جو ابھی تک کسی غیر اسلامی طاقت کے زیر نگین نہیں رہا تھا، انھوں نے اپریل ۱۱۵۸ھ میں لاہور پر قبضہ کر لیا، اور آدینہ بیگ کو اپنی طرف سے پنجاب کا حاکم مقرر کیا، آدینہ بیگ کے مرے پر انھوں نے ساجی سندھیا کو پنجاب کا حاکم (گورنر) مقرر کیا۔

صفدر جنگ کے اشارہ اور مدد سے پہلے مرہٹے دو آب میں (جوان علماء و مشائخ کا مرکز تھا، جو خود دہلی کی زیب و زینت تھے) داخل ہوئے اب داتا جی سیندھیانے ۱۱۵۸ھ میں دکن سے آکر سائے ہندوستان کے فتح کر لینے کا بیڑا اٹھایا، پہلے روہیلکھنڈ ۱۱۵۸ھ اور اودھ کا رخ کیا، اور اس ارادہ سے جتنا کو عبور کیا ۱۱۵۹ھ میں جب دریا قابل عبور ہوئے اس سے گوندرائے بندلیہ کو بیس ہزار لشکر کے ساتھ روہیلکھنڈ میں

آٹا دیا، اس نے رام گنگا سے اتر کر امر وہ تک (جو دہلی سے زیادہ فاصلہ پر نہیں ہے) ملک کو لوٹ لیا۔

۲۴ جون ۱۷۶۶ء (۹ ذی الحجہ ۱۱۷۳ھ) کو مرہٹے پایہ تخت دہلی میں داخل ہوئے
 یعقوب علی خاں قلعہ دار نے قلعہ حوالہ کر دیا، بھاؤ نے قلعہ کی قلعہ داری شکر راؤ کے سپرد کی
 اس نے دیوان خاص کی تقری و سیمین چھت کو آٹا لیا اور کسال میں بھیج دیا، قدم شریف
 اور حضرت نظام الدین اولیاء کی درگاہ میں سونے چاندی کا جو سامان تھا لے لیا، ۱۰ نومبر
 ۱۷۶۶ء (۲۹ صفر ۱۱۷۳ھ) کو شاہ جہاں ثانی کو معزول کر کے مرزا جوان بخت خلف
 شاہ عالم عالی گہر کو تخت پر بٹھایا چاہتا تھا کہ خود تیموری تخت پر جلوہ افروز ہو اور وہ
 ایسا کر سکتا تھا، مگر لشکر کے دانشمندوں نے اس کو اس ارادہ سے باز رکھا کہ اس سے
 پورے ملک میں شورش برپا ہو جائیگی اور رعایا تخت با بری پر کسی مرہٹہ سردار کو بیٹھا دیکھ کر
 آسانی سے برداشت نہیں کر سکے گی، اس وقت مرہٹوں کی عملداری کو جو وسعت حاصل
 تھی، وہ نہ اس سے پہلے کبھی ہوئی تھی، نہ اس کے بعد ہوئی، اس کی شمالی سرحد آٹک اور
 ہمالیہ کے پہاڑ تھے، جنوب میں جزیرہ نما مے دکن کے پچھلے سرے یعنی سمندر تک پھیلی ہوئی
 تھی، جو علاقے ان حدود کے اندر آزاد تھے، وہ اس کے باج گزار تھے، ان کے پاس
 آزمودہ کار سپہ سالار ملازم تھے، دس ہزار سپاہ فرنگستان کی قواعد و ان کے پاس
 موجود تھی، پانی پت کی لڑائی میں ان کے پاس پچیس ہزار سوار، ۱۵ ہزار
 پیادے تھے، دو سو توپیں (علاوہ قلعہ شکن توپوں کے) ساتھ تھیں، راجپوتوں کی فوج
 بھی ساتھ ہو گئی تھی، اس طرح سب مل کر تین لاکھ لڑنے والے سپاہی ان کے جھنڈے
 کے نیچے اور زیر قیادت تھے۔

بائیں ہم مرہٹوں کا مزاج شاہانہ اور ذمہ دارانہ نہ تھا، ہندوستان کے ایک مؤرخ کے بقول "وہ آدمے بادشاہ آدمے راہ زن تھے" اور عایا پروری، ہمدردی، خلائی اور انسانی جان و مال، عزت و آبرو کی حفاظت کی قدیمی و مورد وثق روایات (جو رعوت و نفاست کے موقعوں پر بھی خود مختار حاکموں اور بادشاہوں کی کسی حد تک حفاظت کرتی، اور عنان گیر ہوتی رہی ہیں) نیز شاندار تاریخی پس منظر (BACK GROUND) نہ ہونے اور اعلیٰ اور واضح تعمیری و سیاسی مقاصد کے مفقود ہونے کی وجہ سے پھر اس سب کے علاوہ ہندو مذہب و تہذیب کے احیاء کے جذبہ (HINDU REVIVALISM) نے ان میں جارحیت، فیصلوں میں مہلت اور عدم رواداری کی صفت پیدا کر دی تھی، لوٹ کا مال، اور اس کی محبت ان کی قومی کمزوری تھی۔

مرہٹوں کی ہنگامہ آرائیوں سے ہندو مسلمان بھی متاثر ہوتے تھے، دیہاتوں کے بے دردی سے لوٹنا، لوگوں کے ہاتھ ناک کان کاٹ لینا کوئی غیر معمولی بات نہ تھی، حملہ آور کی نفسانی ہوس کا شکار بلا تفریق مذہب ملت عورتوں کا پورا طبقہ بنتا تھا، اس میں بھی ہر طرح کے حدود سے تجاوز کر کے ہیمانہ و وحشیانہ عمل کا مظاہرہ کیا جاتا رہا، بنگال کے مشہور شاعر گنگارام نے بنگال پران کے حلوں پر تبصرہ کرتے ہوئے ان تاثرات کا اظہار کیا ہے۔

پرتگالی مصنفوں نے بھی مرہٹوں کی اخلاق سوز حرکتوں پر اپنے استعجاب کا اظہار

لے تاریخ ہندوستان از مولوی ذکاء اللہ دہلوی صفحہ ۲ ج ۹

۲۷ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو جادونا تھ سرکار کی کتاب FALL OF THE MOGHAL

کیا ہے، مرہٹوں کے اقتدار کا حوام پر بڑا اقتصادی اثر پڑا، مولانا غلام علی آزاد بلگرامی کے بقول "ان کی نیت یہ ہے کہ جہاں تک ان کی دسترس ہو، خلق خدا کے معاشی ذرائع مسدود کر کے اپنے قبضہ میں کر لیں" مرہٹے مغلیہ سلطنت کے ان دور افتادہ علاقوں سے چوتھے وصول کرتے تھے، جو ان کے رحم و کرم پر تھے۔

مرہٹوں کی تاخت صرف فوجی حدود اور حوام کے استحصال ہی کے دائرہ میں محدود نہ تھی، وہ ہندو مذہب و تہذیب کی "احیائیت" (REVIVALISM) پر بھی مبنی تھی، اس تحریک کے قائد اول شیواجی کے متعلق ماونٹ رسلوائٹ الفنسٹن (گورنر بمبئی) اپنی تاریخ ہند میں لکھتا ہے :-

"اس کی طبیعت نے ہندو مذہب و تعصبوں سے تربیت پائی تھی.....

اس طبیعت پر بھول ہونے سے وہ مسلمانوں اور ان کے رسم و رواج سے سخت نفرت اور ہندوؤں اور ان کے طور طریقوں سے بڑی رغبت رکھتا تھا، اور یہ ترقی روز افزوں تھی، اس کا یہ مزاج تدبیر ملک سے ایسا اس آیا تھا کہ اس نے بھگتوں کی صورت بنائی، اور اوتاروں کی کرامتوں، اور دیوتاؤں کی عنایتوں کا دعویٰ کیا۔"

PISSUREN: PORTUGUESES, II, p. 49

۱۷ سب سے پہلے شیواجی نے چوتھ وصول کیا جو لگان کا چوتھا تھا، چوتھ دوسری ریاستوں سے ان کی حفاظت یا حملہ نہ کرنے کے لئے وصول کرتے تھے، جبکہ اپنی مملکت میں کسانوں سے پیداوار کا تیش فی صد یا کرتے تھے، جو بعد میں بڑھ کر پالیس فی صد ہو گیا تھا۔

۲۷ تاریخ ہند (اردو ترجمہ) ص ۱۰۴ (علی گڑھ ۱۸۶۷ء)

پانی پت کے میدان میں آخری فیصلہ ہونے سے پہلے اور حالات کی نزاکت کا خیال کر کے انھوں نے نواب شجاع الدولہ کی معرفت (جو اس سے پہلے مرہٹوں کے لئے اپنے دل میں نرم گوشہ رکھتے تھے) کوشش کی کہ شاہ ابدالی سے صلح ہو جائے، شجاع الدولہ نے ان مسلسل تجربوں اور تلخ حقیقتوں کی بناء پر ان کو جو جواب دیا، اس سے مرہٹوں کے قومی مزاج اور ان کی فتح مندی اور غلبہ کے اثرات و نتائج پر اچھی روشنی پڑتی ہے۔

نواب شجاع الدولہ نے کہا:-

”دکن کے برہمن ہندوستان پر مدت سے تسلط ہیں، ان کے سر پر و فوطح و حرص و بد عہدی و بد قولی کے سبب یہ بلا شاہ درانی کی آئی ہے، ایسوں کے ساتھ کیا کوئی صلح کرے جو کسی کی آبرو اور آسائش کے روادار نہ ہوں، بس چیزیں اپنے اور اپنی قوم کے لئے جانتے ہوں، آخر سب ان کے ہاتھوں سے ایسے عاجز ہوئے کہ انھوں نے اپنے پاس ناموس اور حفظ آبرو اور رفاہ خلائی کے لئے شاہ ابدالی کو فتیس کر کے ولایت سے بلایا ہے اور اس کے صدقات کو مرہٹوں کی ایذا رسانی سے سہل سمجھا“

بالآخر ۱۴ جنوری ۱۷۶۱ء (۶ جمادی الآخرہ ۱۱۷۱ھ) کو پانی پت کے میدان میں احمد شاہ ابدالی کی افغانی فوجوں، نواب نجیب الدولہ کے روہیلہ سپاہیوں اور نواب شجاع الدولہ کے لشکر کی متحدہ طاقت سے مرہٹوں کو شکست فاش ہوئی، اور بقول ایک مورخ کے ”مرہٹوں کی طاقت چشم زدن میں کافور کی طرح اڑ گئی“! احمد شاہ ابدالی کی آمد کے محرکات اور پس منظر اور اس فیصلہ کن جنگ کی مزید تفصیلات جس نے تاریخ کے

دعائے کو موڑ دیا، شاہ صاحب کے قائدانہ کارنامہ کے سلسلہ میں آئندہ صفحات میں آئیگی۔

سکہ

سکہ پنجاب کا ایک مذہبی گروہ تھا، جس کی بنیاد پندرہویں صدی عیسوی میں گرو بابا نانک (۱۴۶۹ء - ۱۵۳۹ء) کے ہاتھوں پڑی، وہ نفس کشی، اخلاقیات اور سچائی کی تعلیم دیتے تھے، سیر المتاخرین کے بیان کے مطابق بابا نانک نے فارسی اور دنیات کی تعلیم ایک بزرگ سید حسن سے حاصل کی تھی، اور ان کی بابا نانک پر خصوصی نظر تھی، تیسرے گرو امر داس نے سکھوں کی مذہبی اور معاشرتی تنظیم کے سلسلہ میں سب سے پہلے قدم اٹھایا، اکبر بادشاہ ان کے مکان پر ان سے ملنے گیا، اور انھیں ایک بڑی جاگیر عطا کی، انھوں نے اخلاقیات کی تعلیم میں گرو نانک کی تعلیمات کی روح کو قائم رکھا، اوہ ہندوؤں کی اوہام پرستی خصوصاً رسم ستی کی کھلم کھلا مخالفت کی اور نکاح بیوگان کے احکام جاری کئے، اکبر نے ۱۵۷۷ء میں انھیں ایک وسیع قطعہ آرامی عنایت کیا، انھیں کے زمانہ میں امرتسر کے مذہبی مرکز کی بنیاد پڑی، اس طرح سکھوں کی قومی زندگی کے لئے ایک روحانی مرکز تیار ہو گیا۔

۱۵۱۸ء میں گرو ارجن اپنے باپ کے جانشین ہوئے، انھوں نے سکھوں کو

لے بعض روایات کے مطابق بابا گرو نانک متعدد مسلمان درویشوں اور فقیروں کی صحبت میں رہے، ان میں پیر جلال، پیاں شہا، شاہ شرف الدین، پیر عبد الرحمن اور پاک پٹن کے فرید ثانی اور شاہ ابراہیم کے نام خاص طور پر لئے گئے ہیں، بعض روایات کے مطابق بابا نانک نے ہندو، حرمین شریفین کا سفر بھی کیا، شیخ فرید پاک پٹن سے ان کا خاص ارتباط تھا۔

ایک فرقہ کی حیثیت سے منظم کرنے کی مزید کوشش کی، اور گرنٹھ کی تدوین عمل میں لائے۔ گروارجن نے اپنے آپ کو سچا بادشاہ کے نام سے لقب کیا جو ان کے سیاسی اقتدار کی ہوس کا پتہ دیتا ہے، جہانگیر کے حکم سے گرو کو لاہور میں قید کر دیا گیا، اس لئے کہ انھوں نے اس کے باغی شہزادہ خسرو کی مالی امداد کی تھی، وہاں ان کو قتل کر دیا گیا، ان کے جانشین ہرگووند نے علانیہ علی مدافعت و مزاحمت کا طرز عمل اختیار کیا جس سے سکھوں کی فوجی زندگی کا آغاز ہوا، انھوں نے جلد ہی شاہانہ منصب اختیار کر لیا، وہ شہنشاہ جہانگیر کے خلاف دشمنی کے جذبات رکھتے تھے، اور اپنے باپ کی موت کا اس کو ذمہ دار سمجھتے تھے، انھوں نے ہرگووند پور کا ایک مضبوط قلعہ بنایا جہاں سے نکل کر وہ میدانی علاقوں پر تاخت کرتے تھے، جہانگیر نے انھیں گویا راکے قلعہ میں نظر بند کر دیا، لیکن کچھ عرصہ کے بعد رہا کر دیا، اور ان کا بڑا اعزاز کیا، شاہجہاں کی تخت نشینی کے فوراً بعد انھوں نے حکم کھلا سرکشی اختیار کر لی اور حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا، اخیر میں وہ پہاڑیوں کی طرف نکل گئے اور ۱۶۴۵ء میں انتقال کیا۔

۱۶۶۴ء میں اورنگ زیب کے زمانہ میں ہرگووند کے بیٹے تیغ بہادر گرو منتخب ہوئے، انھوں نے مغوروں اور قانون شکنوں کو پناہ دی، ان کا اقتدار ملک کی ترقی میں حائل ہوا، شاہی دستوں نے ان پر چڑھائی کی اور انھیں قید کر کے دہلی لے آئے۔ لہ گروارجن کو حقیقت میں چند دلال نے ذاتی مخالفت کی بناء پر قتل کرایا تھا، جو جہانگیر کے یہاں

رسوخ رکھتا تھا، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ ہندوستان ج ۹ ص ۵۲

J. D. CUNNINGHAM,

لے ملاحظہ ہو

جہاں انھیں اورنگ زیب کے حکم سے ۱۶۷۹ء میں سزائے موت دی گئی تھی، ان کی موت کے بعد ان کے بیٹے گووند رائے کو گرو تسلیم کیا گیا، انھوں نے سکھوں کو جو ابتدائے میں محض ایک مذہبی گن گن والی جماعت تھی، ایک جنگجو قوم بنا دیا، انھوں نے سکھوں میں جمہوری مساوات کے جذبات کو ابھارا، اور انھیں ایک قوم کی صورت میں منظم کرنے کا کام کیا، اورنگ زیب کے انتقال تک وہ زندہ رہے، اورنگ زیب کے جانشین بہادر شاہ نے گرو کے ساتھ مفاہمت کی کوشش کی اور انھیں دکن کی فوجی کمان عطا کر دی، لیکن انھوں نے اکتوبر ۱۶۷۹ء میں ایک افغان ملازم کے زخم سے جانبر نہ ہوتے ہوئے انتقال کیا، انھوں نے کسی کو اپنا جانشین نامزد نہیں کیا، اور اپنے پیروؤں کو حکم دیا کہ گرنہ کو وہ اپنا آئندہ گرو اور خدا کو اپنا واحد محافظ تصور کریں۔

ہر گوند کا جانشین بندہ بیراگی ہوا جس کی اصل حیثیت سکھوں کے فوجی قائد کی تھی، (وہ اصل کشمیری راجپوت تھا، جس نے سکھ مت اختیار کر لیا تھا) اس نے پنجاب میں وسیع پیمانہ پر رہزنی کی وارداتیں شروع کر دیں، اورنگ زیب کی وفات کے بعد سلطنت مغلیہ پر بہت سرعت سے زوال آنا شروع ہو گیا، اس کے بیٹوں اور پوتوں کے مابین تخت کے لئے متواتر داخلی جھگڑے شروع ہو گئے، جن کی وجہ سے سکھوں کو کھلم کھلا اپنی طاقت میں اضافہ کرنے کا موقع مل گیا، بندہ بیراگی مسلمانوں کو ہزاروں کی تعداد میں بے رحمی سے قتل کرتا اور قصبہ بقبصہ لوٹتا ہوا دہلی کے عین قرب و جوار میں جا پہنچا، مئی ۱۶۷۹ء میں اس نے سرہند پر دھاوا بول دیا، اور لوٹ مار اور قتل و غارت گری کے لئے کھلا چھوڑ دیا، قصبہ کے لئے گرو تیغ بہادر کے قتل کی بھی تنہا اورنگ زیب پر ذمہ داری نہیں اس میں ان کے مخالفوں کا ہاتھ ہے۔

(ہنگ ننگ ندیس ۲۵ دسمبر ۱۹۵۱ء)

باشندوں پر (بلاتمیز عمر و صفت) ہیبت ناک مظالم توڑے گئے، بہادر شاہ نے پنجاب کا رخ کیا
 شاہی فوجوں نے بندہ کو شکست دی، لیکن بندہ پہاڑیوں کی طرف نکل گیا، فرخ سیر کی
 تخت نشینی کے بعد سیاسی انتشار اور شاہی خاندان کی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر بندہ بیراگی
 نے دوبارہ دہشت انگیزی سے کام لینا شروع کیا، بالآخر ۱۷۷۱ء میں اسے دہلی میں لا کر
 قتل کر دیا گیا، سکھوں کے نزدیک بھی وہ کوئی محترم و محبوب شخصیت نہیں تھا، اس نے سکھ مذہب
 کے عقائد و عبادات میں بھی کچھ تبدیلیاں کیں، اس کی قیادت میں سکھ ایک فوجی طاقت بن گئے،
 فرخ سیر کے عہد میں پنجاب کے مغل گورنر مسین الملک نے (جو میر تنو کے نام سے زیادہ مشہور
 ہے) فرخ سیر کی تعزیری کی حکمت عملی کو جاری رکھا، مگر سلطنت مغلیہ کے زوال کی رفتار
 بہت تیز تھی، پنجاب کی حکومت احمد شاہ ابدالی کے پے درپے حلوں کی وجہ سے زیادہ
 کمزور ہو گئی تھی، سکھوں کو دوبارہ اٹھنے اور ابھرنے کا موقع ملا، وہ نہ صرف احمد شاہ
 درانی کے فرزند شاہزادہ تیمور کو پنجاب کا حاکم تھا، اور جس نے امرتسر پر حملہ کر کے ہرنند
 کو منہدم اور تہہ ہی تالاب کو طبع سے پڑ کر دیا تھا، نکلنے میں کامیاب ہوئے، بلکہ لاہور
 پر عارضی طور پر قبضہ بھی کر لیا، اور ان کے فوجی سردار جت سنگھ کلال نے اپنے نام کا سکھ بھی
 جاری کر دیا، لیکن رگھو بابا کے زیرِ کمان مرہٹوں کی آمد (۱۷۷۵ء) پر وہ لاہور سے نکل گئے،
 احمد شاہ نے پانچویں بار پنجاب کا رخ کیا، پانی پت کی مشہور لڑائی کے بعد جس نے مرہٹہ
 طاقت کی کمزور دی جو نہی اٹھ سکتا چھوڑا، سکھ پھر نکل آئے، اور انھوں نے اپنی کھوئی ہوئی
 سلطنت دوبارہ حاصل کر لی، احمد شاہ پھر واپس آیا، اور لدھیانہ میں (۱۷۶۲ء میں)
 اس نے سکھوں کو شکست فاش دی، لیکن اس کے جانے کے بعد ۱۷۶۳ء میں سکھوں نے
 سرہند کو تخت و تاراج کر کے ویران کر دیا، اور ایک بار پھر لاہور پر قبضہ کر کے خالصہ حکومت

کا اعلان کر دیا اس کے بعد سکھ متعدد دریا ستوں اور گروہوں میں جس کو مسلمان کہتے تھے، منقسم ہو گئے، ان پر کوئی حاکم اعلیٰ متعین نہیں تھا، اور مذہب کے سوا ان کے درمیان کوئی چیز مشترک نہیں تھی، تیس سال کی اس غیر مستقل صورتِ حال کے بعد پنجاب میں رنجیت سنگھ کا تارہ اقبال بلند ہوا، جنھوں نے ان مخالف گروہوں کو ایک مضبوط سلطنت کی شکل میں متحد کر دیا۔

سکھ مذہب کا نصب العین ہندوؤں کے مذہبی عقائد کی تطہیر تھا، اس میں کچھ شبہ نہیں کہ بابائیک سلاسی تعلیمات سے متاثر تھے، چنانچہ ان کا عقیدہ توحید بنی نوع انسان کی مساوات اور بت پرستی سے اجتناب وغیرہ اسلام کے اثر کا نتیجہ ہیں۔ سکھوں کے مذہبی ادب کی زبان پر فارسی کے بڑے اثرات ہیں، خصوصاً ادبی گزشتہ میں فارسی و اسلامی، دینی و صوفیانہ الفاظ کی بڑی آمیزش ہے۔

اس کے پورے قرائن موجود تھے کہ یہ اصلاحی تحریک (اگر اپنے اصولوں پر سختی سے قائم رہتی اور ہندو مذہب و تہذیب میں تحلیل نہ ہو جاتی) ہندوستانی معاشرہ میں کوئی انقلابی خدمت انجام دیتی اور سکھ ہندوؤں سے الگ ایک مستقل و متمیز فرقہ ہوتا، جس کی اساس توحید و مساوات پر ہوتی، اور اس طرح وہ مسلمانوں کے قریب تر مذہبی گروہ ہوتا، لیکن حکومتِ وقت کے ساتھ تصادم، اور سیاسی عمل و رد عمل کے بے ضمیر حکمرانوں نے جو مذہبی و اخلاقی نتائج سے بے پروا ہو کر وقت کے تقاضوں اور جماعتوں کے مفادات کی تکمیل کرتا تھا،

لے ملاحظہ ہو جیپ جی، نیز MACAULFFE : ۲ : ۳۷۷

لے تاریخی مواد و معلومات کا بنیادی حصہ ”دائرہ معارف اسلامیہ“ ج ۱۱ کے مفارک سے ماخوذ ہے، جو پروفیسر محمد اقبال کے قلم سے ہے۔

سکھوں کو مسلم حکومتوں ہی نہیں مسلم عوام سے دور و نفور اور ان سے برسرِ پیکار بنا دیا، اور خصوصیت کے ساتھ بارہویں صدی ہجری اور اٹھارویں صدی عیسوی کے وسط میں ان کے ہندوستان کی انتشار انگیز طاقتوں میں ایک ضافہ اور بڑے بڑے شہروں کے پر امن شہریوں کے لئے ایک دہشت انگیز اور زلزلہ خیز طاقت میں تبدیل کر دیا، ان کے دورِ حکومت میں اکثر اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دورِ اقتدار میں خاص طور پر مساجد و مقابر کی بے حرمتی ہوئی، عبادات میں خلل ڈالا گیا، اور وہ صورتِ حال پیدا ہوئی جس کی ترجمانی علامہ اقبال نے اپنے اس شعر میں کی ہے۔

خالصہ شمشیر و قرآن را ببرد

اندر ان کشور مسلمانان ببرد

اس صورتِ حال کے خلافتِ تیرہویں صدی کے تقریباً وسط اور انیسویں صدی کے ثلثِ اولیٰ میں حضرت سید احمد شہیدؒ (رحمۃ اللہ علیہ) اور مولانا اسماعیل شہیدؒ (رحمۃ اللہ علیہ) نے جو شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی دانش گاہ کے تعلیم یافتہ اور ان کے فرزند اکبر شاہ عبدالعزیز کے تربیت یافتہ تھے، رنجیت سنگھ کی فوجی حکومت کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا، اور اس کے اپنے اس وسیع و عمیق منصوبہ اور مہم کا آغاز کیا، جو ہندوستان کو غیر ملکی اقتدار سے آزاد کرانے، حکومتِ شرعی کے قیام اور مسلم معاشرہ کی اصلاح و تطہیر اور احیائے دین کے لئے شروع کی تھی۔

۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو سیرت سید احمد شہیدؒ، جلد اول، سترہواں باب، عنوان پنجاب میں مسلمانوں

کی حالت، صفحہ ۴۱۹-۴۱۸۔

۲۔ ملاحظہ ہو سیرت سید احمد شہیدؒ، ۱-۲۔

جاٹ

جاٹ مرہٹوں کی طرح نہ کوئی منظم فرقہ تھے نہ سکھوں کی طرح کوئی مذہبی گروہ، لیکن مغل سلطنت کی کمزوری، سیاسی انتشار اور عام آبادی کے عدم تحفظ کے احساس نے ان پر ایک طرح کی سلبی وجہ جارحانہ تنظیم پیدا کر دی تھی اور وہ ایک تخریبی اور انتشار انگیز طاقت بن گئے تھے، جس کا مقصد قیام سلطنت اور کوئی سیاسی انقلاب نہ تھا، محض بگڑے ہوئے حالات سے عارضی فائدہ اٹھانا، استحصال اور اقتصادی مقاصد کی تکمیل تھی۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی اپنی کتاب "شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات" میں لکھتے ہیں:-

"جسٹا کے جنوبی علاقہ میں اگر وہ سے دہلی تک جاٹ آباد تھے ان کی مشرقی سرحد چنبیل تھی، اس علاقہ میں ان کی ہنگامہ آرائی کا یہ عالم تھا کہ مرکزی حکومت کا ناک میں دم آگیا تھا، بقول سرکار دہلی اور اگر وہ کی سرحد پر ایسا کانٹا برداشت نہیں کیا جاسکتا تھا (FALL, VOL I, P. 369) دہلی سے اگر وہ نقل و حرکت میں بڑی احتیاط برتنی پڑتی تھی، دکن کو اجیر ہوتی ہوئی جو فوجیں جاتی تھیں، وہ اسی علاقہ سے گذرتی تھیں۔"

بہادر شاہ کے زمانہ میں اس سرحد کی محدود دش حال کا اندازہ دستورالانشاء کے مطالعہ سے ہوتا ہے (ملاحظہ ہو دستورالانشاء از یار محمد منشا) ۱۲۷۱ھ میں جب ڈچ نمائندے اس علاقہ سے گزریے تو انہوں نے بھی ان ہنگاموں کو دیکھا۔ (LATER MUGHALS, I, P. 321)

جان سمرمن (JOHN SURMAN) جون ۱۸۵۱ء میں یہاں سے گذرنا تھا
اس نے جاٹوں کی امن سوز حرکتوں کا ذکر اپنی ڈائری میں کیا ہے:-

(ORME COLLECTIONS, P. 1694)

شاہ جہاں کے عہد میں جاٹوں نے ایک مرتبہ زبردست شورش برپا کی تھی،
۱۰۴۶ھ میں متھر کا فوج دار مرشد قلی خاں ان سے لڑتا ہوا مارا گیا تھا۔
سرحد و ناتھ سرکار تاریخ اورنگ زیب جلد پنجم ص ۲۹۶ پر لکھتے ہیں:-
اورنگ زیب کی شمالی ہندوستان سے غیر حاضری کا فائدہ دوٹے جاٹ
لیڈزں راجہ رام اور رام چہرہ نے اٹھایا..... راجہ رام کی قانون شکن
حکمتوں کو اگرہ کا گورنر خانی خاں بھی نہ روک سکا، جاٹوں نے رستے بند کر دیئے،
اور بہت سے علاقوں کو لوٹا، اور اکبر کے مقبرہ کو لوٹنے کے لئے سکندرہ کا رخ کیا
لیکن میر ابو الفضل نے جو دہاں کا فوجدار تھا، بہادری سے مقابلہ کیا، اور باغی
کو آگے نہ بڑھنے دیا، راجہ رام نے مشہور تورانی افسر صفر خاں کا سامان لوٹا،
..... صفر خاں جاٹوں سے لڑتا ہوا مارا گیا!

ہرچون داس مصنف چہار گلزار شجاعی کا بیان ہے کہ جب جاٹوں نے
پرائی دہلی کو لوٹنا شروع کیا تو دہلی کے باشندے گھبراہٹ اور پریشانی میں گھر
سے نکل کھڑے ہوئے، وہ در بدر گلی بگلی مائے مائے پھرتے تھے، بالکل اس طرح
جیسے کوئی ٹوٹا ہوا جہاز ظالم موجوں کے رحم و کرم پر ہوا پانگلوں کی طرح ہر شخص
پریشان حال اور گھبرایا ہوا نظر آتا تھا۔ (قلمی نسخہ ص ۱۲۱)

لے شاہ ولی اللہ صاحب کے سیاسی مکتوبات، از پردیس خلیق احمد نظامی ص ۱۷۵ لے ایضاً ص ۱۷۵

مولوی ذکاء اللہ صاحب ۱۷۶۵ء کے واقعات میں لکھتے ہیں :-

”اگرہ کے قلعہ میں جاٹوں کا تسلط تھا، دہلی سے شومیل پر جاٹوں کا عمل دخل تھا۔
 راجہ سورج مل بڑا ہوشیار صف آرائی میں ماہر اور ملک ستانی میں کاروں تھا اس نے
 اگرہ سے مرہٹہ سردار کو نکال دیا، اور میوات پر قبضہ کر لیا، چار قلعے نہایت مستحکم
 بنائے اس نے دہلی کی سلطنت سے ایسی درخواستیں کرنی شروع کیں جن سے
 سلطنت کا نا... نہ رہے، نجیب الدولہ نے اپنی حسن تدبیر اور بلوچوں کی
 مدد سے جاٹوں پر فتح حاصل کی، راجہ سورج مل نجیب الدولہ کے مقابلہ میں
 دہلی کے قریب مارا گیا، اس کے بعد جاٹوں کی ریاست میں بہت سے جھگڑے
 برپا ہوئے، سورج مل کے دو بیٹے مارے گئے تیسرا بیٹا نجیت سنگھ راجہ ہوا، اس کے
 عہد میں جاٹوں کی ریاست کا بڑا عروج ہوا، جس ملک پر وہ فرماں روائی کرتے
 تھے، اس کے شمال مغرب میں اور اور جنوب مغرب میں اگرہ تھا، اس کی آمدنی
 ڈو کرو روپے کی تھی، ساٹھ ہزار فوج ان کے پاس تھی۔“

دہلی کی حالت

مرہٹوں، سکھوں، اور جاٹوں کے حملوں سے جو گویا روزانہ کا معمول بن گیا تھا، اور
 حفاظت و دفاع کی ہر قسم کی طاقت اور اہلیت کے فقدان سے دہلی ایک ایسا پر اثر اور
 غیر محفوظ درخت بن گیا تھا جس پر ہر طرف سے غول بیا بانی حملہ کرتا اور اس کو برگ و بار
 سے محروم کر دیتا، دہلی کے باشندے جو ساری سلطنت میں نہ صرف عزت و احترام کی

لے محقر از ”تاریخ ہندوستان“ از مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی۔ جلد نہم ۳۱۶-۳۱۸

نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، بلکہ علم، زبان، تہذیب، شرافت اور عادات و اطوار میں بھی معیار سمجھے جاتے تھے، حملہ آوروں کے لئے ”خوان یغا“ بن گئے تھے، اس عہد کے علماء و مشائخ کے (جن کا شمار انقطاع الی اللہ اور رضا بالقضاء ہے) خطوط سے بھی جوانھوں نے اپنے معتقدین و احباب کو لکھے ہیں، اس بدامنی، بے اطمینانی اور بے یقینی کا اندازہ ہوتا ہے! یہاں پر صرف حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے نامور معاصر، اور سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے گل سرسب حضرت مرزا مظہر جان جاناں (۱۱۱۱ھ - ۱۱۹۵ھ) کے خطوط کے چند اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں، ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:-

از تشویشات ہر روزہ دہلی تنگ دہلی کے روزمرہ کے ہنگاموں اور
آمدہ ام۔ بے اطمینانی سے تنگ آگیا ہوں۔

ایک دوسرے مکتوب میں فرماتے ہیں:-

انہر طرف فتنہ قصد دہلی می کنند ہر طرف سے فتنہ دہلی کا رخ کرتا ہے۔

ایک اور مکتوب میں دارالسلطنت کی بدامنی اور اہل شہر کی پریشان حالی کا تذکرہ

فرماتے ہوئے کہتے ہیں:-

احوال مردم شہر از بیماری عام و ناہیسی عام بیماری اور بدامنی سے اہل شہر

تکجا نویسد خدا ازیں بلدہ مورد کی پریشانی کا حال کہاں تک لکھا جا

غضب الہی برآرد کہ نستے در امور خدا اس شہر سے جو غضب الہی کا

سلطنت نامندہ خدا خیر کند۔ مورد ہو رہا ہے باہر نکالے کہ امور

سلطنت میں کوئی نظم باقی نہیں رہا

خدا اپنا فضل فرمائے۔

حملہ نادری

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں حجاز سے دہلی پہنچے تھے، پانچ سال ہی گزرے تھے کہ ۱۱۳۸ھ میں نادر شاہ کا دلی پر وہ حملہ ہوا جس نے سلطنتِ مغلیہ کی رہی سہی چولیس ہلا دیں اور دہلی کی خاک اڑادی۔ حملہ نے دہلی کے غیرت مند شہریوں اور شریف خاندانوں کے دل و دماغ پر وہ اثر ڈالا کہ وہ زندگی سے بیزار و شرمسار اور اپنے ہاتھوں اپنی موت کا سامان کرنے کے لئے تیار تھے، شاہ عبدالعزیز صاحب کے ملفوظات میں ہے کہ آپ نے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اس قتل عام اور عزت و ناموس کی بربادی کے موقعہ پر پرانی دہلی کے شرفاء، پرانے راجپوتوں کے دستور کے مطابق ”جوہر کا قطعی طور پر ارادہ کر چکے تھے، اس موقعہ پر والد ماجد (شاہ ولی اللہ صاحب) مسلمانوں کو واقعہ کر بلا، اور سیدنا حسینؑ کے مصائب یاد دلا کر اس ارادہ سے باز رکھا کہ انھوں نے ان لرزہ خیز اور ناقابل تصور مصائب کے باوجود صبر و رضا کی راہ اختیار کی اور خاکِ بدین، خویش کشی اور خود کشی کا ارادہ نہیں کیا۔

نامساعد وزلزہ انگیز حالات میں تدریس و تصنیف کی یکسوئی

مرہٹہ گردی، جاٹ گردی، سکھ گردی اور نادر گردی کے ہوش رُبا مصائب اور زلزلوں

لے جب راجپوت شرفاء ہر طرف سے گھیر جاتے تھے اور باعزت زندگی کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا تھا تو اپنے اہل و عیال کو تہ تیغ کر کے جلتی ہوئی آگ میں پھاند جاتے تھے۔

کے درمیان جو دلی کو زیر و زبر کر کے رکھ دیتے تھے، اور جن میں بعض اوقات نقل مکانی بھی کرنا پڑا، ”القول الجلی“ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۷۸۷ء کے درانی فتنہ میں شاہ صاحب خدام کی استدعا پر وطن مالوت سے موہل خانہ و متعلقین منتقل ہو کر قصبہ بڑھانہ میں تشریف لائے، جب رمضان کا مہینہ آیا تو معمول قدیم کے مطابق ایک چلہ کا اعتکاف بھی فرمایا، شاہ صاحب درس تصنیف، دعوت الی اللہ، تزکیہ نفوس و تربیت طالبین کا کام اس جمعیت خاطر اور اس اہتمام و انصراف کے ساتھ کرتے رہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ دلی ہی نہیں سائے ہندوستان میں معتدل و پرسکون حالات ہیں، اور وہ ایک گوشہ عافیت میں بیٹھے ہوئے علمی تحقیق، فکری رہنمائی اور اخلاقی تربیت اور احیائے ملت کے کام میں ہمہ تن مصروف ہیں، مولانا سید سلیمان ندویؒ نے بڑی خوبی اور بلاغت کے ساتھ اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:-

”ایسے کم مصنف گزے ہیں جن کی تصانیف میں ان کے زمانہ کی روح نہ ہو یا اس میں زمان و مکان کی جھلک نہ ہو، اور کم از کم یہ کہ اپنے زمانہ کی علمی ناقد رشناسی اور اضطراب احوال کا ذکر نہ ہو، مگر شاہ صاحب کی تصانیف کا یہ حال ہے کہ وہ زمان و مکان کی قید سے بالکل پاک اور گلہ و شکایت اور حرف و حکایت سے سراپا لے نیاز ہیں، یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ یہ کتابیں اس زمانہ میں لکھی گئی ہیں، جب امن و اطمینان اس ملک سے حرف غلط کی طرح مٹ گیا تھا، سارا ملک طوائف الملوکی، خانہ جنگی، سیاسی بد امنی، اور ہر طرح کے شوخ و شر میں مبتلا تھا، دلی کی سیاسی مرکزیت مٹ چکی تھی، ہر شیر زن اپنی بادشاہی کا خواب دیکھ رہا تھا، سکھ ایک طرف، مرہٹے دوسری طرف، جاٹ تیسری طرف، اور روہیلے چوتھی طرف، ملک میں ہر طرف اوجم چاہے تھے،

اور نادر شاہ اور احمد شاہ جیسے پر جوش سپہ سالار خیر کے دروازہ کے پاس کھڑے
 جب چاہتے تھے، آندھی کی طرح آجاتے اور سیلاب کی طرح نکل جاتے تھے اس دنیا
 میں دلی خدا جانے کتنی دفعہ ٹٹی اور کتنی دفعہ بنی، مگر اشرے دلی کے سہدارِ علم کا
 امن و اطمینان کہ یہ سب کچھ آنکھوں کے سامنے ہوتا رہا، مگر نہ دل کو اضطراب
 نہ خیال میں انتشار، نہ قلم میں اضطراب، نہ زبان پر زمانہ کا غلہ، نہ قلم سے بے اطمینانی
 کا اظہار ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بلندی کے جس آسمان یا صبر و رضا کے جس لامکاں
 میں تھے، وہاں تک زمین کی آندھیاں نہیں پہنچتیں، اور زمان و مکان کی گردشیں
 وہاں اپنا کام نہیں کرتیں اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ سچے اہل علم کی شان کتنی
 بلند اور اصحابِ تسلیم و رضا کا منصب کتنا اونچا ہے۔

اَلَا يَذْكُرُ اللّٰهُ تَطْمِئِنُّ الْقُلُوْبُ ۝۵ ہاں اشر کی یاد ہی سے دل اطمینان
 (الرعدہ ۵) پاتے ہیں۔

صحیح علم کی صحیح خدمت بھی ذکر اشر کی دوسری شکل ہے، اس لئے اگر وہ بھی
 قلب میں اطمینان اور روح میں سکون پیدا کرے تو عجیب نہیں، شاہ صاحب کی
 تصنیفات کے ہزاروں صفحے پڑھ جائیے، آپ کو یہ معلوم بھی نہ ہوگا کہ یہ بارہویں صدی
 ہجری کے پُر آشوب زمانہ کی پیداوار ہے جب ہر چیز بے اطمینانی اور بے امنی کی
 نذر تھی، صرف یہ معلوم ہوگا کہ علم و فضل کا ایک دریا ہے جو کسی شور و غل کے بغیر
 سکون و آرام کے ساتھ بہ رہا ہے، جو زمان و مکان کے خس و خاشاک کی گندگی
 سے پاک و صاف ہے۔

سیاسی انتشار اور حکومت مغلیہ کے دور احتضار میں مجاہدانہ قائدانہ کردار

صرف یہی نہیں کہ شاہ صاحب مصائب و حوادث کے اس گرد و غبار، بلکان کی بوسلاہا بارش کے درمیان زیر آسمان بیٹھے ہوئے تصنیف و تحقیق اور درس و تعلیم میں اس طرح منہمک تھے کہ نہ ہول کے تیز جھونکے سے زیر تسوید کتاب کا کوئی ورق الٹا تھا، نہ بارش کا کوئی قطرہ اس کے کسی نقش کو مٹاتا تھا، بلکہ وہ ان حالات کو تبدیل کرنے، اس ملک میں مسلمانوں کے اقتدار کو دوبارہ واپس لانے، اور ایک فرض شناس، حقیقت پسند احکام شریعت پر عمل کرنے والی، عام شہریوں کی عزت و ناموس کی محافظ، انتشار انگیز طاقتوں کو ختم کرنے والی، مستحکم و خوش حال سلطنت کے قیام کے لئے بھی سامی اور سرگرم تھے، اور اس سلسلہ میں بھی وہ ایسا قائدانہ کردار ادا کر رہے تھے، جو بڑے سے بڑا سیاسی مبصر ادا کر سکتا تھا، جس کو تصنیف و تالیف اور درس و تحقیق سے ادنیٰ مناسبت اور ذرہ برابر فرصت نہ ہو۔

مجددین اور داعیان اسلام، اور محققین و مصنفین میں اگر کسی کی زندگی میں یہ مائلت نظر آتی ہے تو شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی زندگی میں جنہوں نے ستارے میں شام کے مسلمانوں کو خون آشام تاتاریوں کا مقابلہ کرنے کی دعوت دی اور ان کے اکھڑتے ہوئے قدم جمائے، پھر جب سلطان مصر محمد بن قلاوون نے شام اگر تاتاریوں سے جنگ کرنے کا ارادہ ملتوی کیا اور اہل شام میں سخت انتشار اور اضطراب پیدا ہوا، تو وہ خود مصر گئے اور سلطان کو ملک شام کی حفاظت اور تاتاریوں سے مقابلہ پر آمادہ کیا، اور سلطان کے ساتھ جہاد میں شرکت کی، اور تاتاریوں کو ایسی شکست فاش ہوئی جس کی مثال ان کی گزشتہ تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔

شاہ صاحب نے بھی اپنے علمی مشاغل اور احیاء و تجدید کی مساعی کے ساتھ ایسے سیاسی تدبیر اور ایسی ذہانت اور بلند نگاہی سے کام لیا کہ اگر مغلوں میں کچھ بھی صلاحیت یا امرائے سلطنت میں ہمت اور سیاسی شعور ہوتا تو ہندوستان نہ صرف تنگ نظر اور انتشار پسند ملکی حوصلہ آزماؤں سے محفوظ ہو جاتا، بلکہ انگریزوں کے اس تسلط سے بھی محفوظ ہو جاتا، جس نے انیسویں صدی کے وسط میں ہندوستان کو کمزور اور میدان کو خالی پا کر اپنے قدم جما لئے، اور اس کو برطانوی سلطنت میں نہ صرف شامل کیا، بلکہ اس سے وہ قوت اور وسائل حاصل کئے، جس نے دنیا کی پوری سیاست پر اثر ڈالا، اور مسلم اور عرب ممالک پر اپنا اقتدار جمایا۔

شاہ صاحب کی اس جمیع خاطر، ہمت و استقامت بلند نگاہی و اولوالعزمی اور اس کے مقابلے میں ملک کی زلزلہ انگیز فضا کو دیکھتے ہوئے (جس میں نہ کسی سنجیدہ اور عین سلسل مشغولیت کی گنجائش معلوم ہوتی ہے نہ کسی انقلاب حال اور عروج بعد زوال کی امید) اقبال کا یہ شعر حقیقت حال کی سچی تصویر معلوم ہوتا ہے۔

ہوا ہے گو تندر تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مرد درویش جس کو حق نے دیئے ہیں انداز خسروانہ

شاہ صاحب کا احساس و اضطراب

شاہ صاحب جنہوں نے ابتدائے سن شعور میں وزنگ زیب عالمگیر کے دیدار حکومت و اقبال سلطنت کے آثار دیکھے تھے، اور اس سے پہلے کے (جب سلطنت مغلیہ کا ستارہ اقبال بلند اور جاہ و جلال قائم تھا) قصے دہلی کے بزرگوں اور اہل خاندان سے سنے تھے، اور جن کے قلم سے خلافت راشدہ کے کارنامے اور تاریخ اسلام کے عہد زریں کے تابناک نقوش،

اسلامی حکومت کے فرائض و ذمہ داریوں اور اس کے ساتھ خدا کی مدد اور نصرت کی تفصیل
ازالۃ الخفا کے صفحات پر ثبت ہوئی تھی ان کی آنکھوں نے منلیہ سلطان کے عہد زوال
اور فرخ سیر اور محمد شاہ کے زمانہ کی بد نظمی طوائف الملک و رستخیز کی بد امنی و تشریف
مذہب و ملت اہل ملک کی جان و مال عزت و آبرو کا عہد تحفظ اور رستخیزی کی امانی
شعائر اسلام کی بے حرمتی اور مسلمانوں کی (جو چچہ سوسالی سے اس ملک پہنچ کر رہ گئے)
بیموری اور بے بسی کا نظارہ دیکھا تو ان کا حواس و درد مند دل خون کے آنسو رویا، اور
خون کے یہ قطرے ان کے گوہر باقلم سے ان خطوط کے صفحات پر جو انھوں نے اپنے زمانہ
کے بعض اہل دول اور متدین کو لکھے ہیں ٹپک پڑے، یہاں پر اس کے چند نمونے پیش کئے جاتے
ہیں، ایک معاصر بادشاہ کے نام سورج مل جاٹ کے دور دورہ اور اسلام کی غربت کا
حال بیان کرتے ہوئے ایک خط میں لکھتے ہیں :-

ازان باز شوکت سورج مل فرونی	اس کے بعد سے سورج مل کی شوکت
یافت و ازد و کروہ دہلی گرفتہ	ترقی پاگئی دہلی سے دو کوس فاصلے
تا اقصی اکبر آباد طولا و از حدود	سے لے کر آگرہ کے آخر تک طول میں
میوات تا فیروز آباد و شکوہ آباد	اور میوات کے حدود سے فیروز آباد
عرضاً متصرف شد و اذان و صلاۃ	اور شکوہ آباد تک عرض میں سورج مل
مقدور کسے نہ کہ برپا دارد	قابض ہو گیا کسی کی طاقت نہیں کہ
	وہاں اذان و نماز جاری کر سکے۔

لے جیسا کہ آگے آئیگا اس بات کے پورے فرائض موجود ہیں کہ یہ خط احمد شاہ ابدالی کے نام لکھا گیا ہے۔
مہم مکتوب یہ بعض سلاطین (شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات - پروفیسر خلیق احمد نظامی ص ۱۵)

اسی مکتوب میں ایک آباد و مردم خیز شہر سیانہ کی ویرانی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

شہر سیانہ جو کہ اسلام کا قدیم شہر	شہر سیانہ را کہ شہر قدیم اسلام بود
تھا اور جہاں پر علماء و مشائخ	و علماء و مشائخ از مدت ہفت صد
سات سو سال سے اقامت پذیر	سال درآں جا اقامت داشتند
تھے اس شہر پر قہر و جبر اقبصہ	قہر و جبر استعرت گشتہ ہمہ
کر کے مسلمانوں کو ذلت و خواری	مسلمانان را بخواری اخراج نمودند
کے ساتھ وہاں سے نکال دیا۔	

ملازمین شاہی جن کی تعداد لاکھ سے اوپر تھی کی خستہ حالی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

چوں خزانہ پادشاہ نہاند نقدی	جب خزانہ بادشاہ نہیں رہا،
ہم موقوف خد آخر حال ہمہ از	نقدی بھی موقوف ہو گئی، آخر کار
ہم پاشیدند و کاسہ گدائی در	سب ملازمین تتر بتر ہو گئے، اور
دست گرفته اند و از سلطنت	کاسہ گدائی اپنے ہاتھ میں لے لیا
بجز نامے باقی نہ اند۔	سلطنت کا بجز نام کے اور کچھ
	باقی نہ رہا۔

مسلمانوں کے مختلف طبقوں کا حال لکھتے ہوئے ان کے قلم سے یہ موثر جملہ نکل گیا ہے:-

باجلہ ایں جماعت مسلمین قابل تر تم	غرض کہ جماعت مسلمین قابل تم
اند۔	ہے۔

نواب نجیب الدولہ کے نام ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:-

لہ ایضاً ص ۳۰ لہ ایضاً ص ۳۱ لہ ایضاً ص ۳۲

مسلمانان ہندوستان پہ دہلی وچ مسلمانان ہندوستان نے خواہ وہ
 غیر آں چندیں صد مات دیدہ اند دہلی کے ہوں خواہ اس کے علاوہ
 و چند بار نہیب و غارت آرمو کاڑ کسی اور جگہ کے، کئی صد مات
 باستخاں رسیدہ است جائے تجم دیکھے ہیں اور چند بار لوٹ مار کے
 است۔ شکار ہوئے ہیں چاقو پڑی تک
 پہونچ گیا ہے "رحم کا مقام ہے۔

شاہ صاحب حقائق و واقعات اور مؤثر اور طاقتور اسباب پر نظر کر کے یقینی
 نتائج اور مستقبل قریب کی اس طرح پیشین گوئی کرتے ہیں جس میں قیاس و ذہانت کا
 دخل نہیں محض حالات کا غیر جانبدارانہ اور حقیقت پسندانہ جائزہ ہے :-

اگر غلبہ کفر معاذ اللہ ہمیں مرتبہ اگر غلبہ کفر معاذ اللہ اسی انداز پر رہا
 ماند مسلمانان اسلام فراموش تو مسلمان اسلام کو فراموش کر دیں گے
 کنند و اند کے از زمان نہ گذرد اور تھوڑا ہی زمانہ گذرے گا کہ
 کہ قومے شوند کہ نہ اسلام را یہ مسلم قوم ایسی قوم بن جائیگی کہ
 دانند نہ کفر را۔ اسلام اور غیر اسلام میں تمیز
 نہ کر سکے گی۔

مغل بادشاہوں اور ارکان سلطنت کو نصیحت و مشورہ

شاہ صاحب نے خاندان مغلیہ کے سلاطین کے عروج و زوال اور ان کے اسباب کا

بغور مطالعہ فرمایا تھا، (جیسا کہ حجة الشراہ بالغہ کے اس مضمون سے ظاہر ہوتا ہے جو باب ہفتم میں گزر چکا ہے) سلطنت مغلیہ کے علاوہ انھوں نے دوسری اسلامی سلطنتوں کی تاریخ بھی دقت نظر سے پڑھی تھی، اور اس سے انھوں نے وہ حکیمانہ نتائج اخذ کئے تھے، جو قرآن مجید کا ایسا ہی حامل اور عالم اخذ کر سکتا ہے، جو خدا کے قانون مجازاۃ اور سنت الشریعہ سے واقف ہے، ان سے یہ حقیقت مخفی نہ تھی کہ اس خاندان کا مزاج طویل ممدوثی سلطنت، اباب عیش و عشرت کی فراوانی، اور خود غرض، مصاحبین، اور شیران سلطنت کی کوتاہ نظری سے فاسد ہو گیا ہے، اور بیماریاں اس کے جسم میں جڑ پکڑ گئی ہیں، وہ عرب فلسفی مورخ علامہ ابن خلدون کے اس حکیمانہ مقولہ سے بھی بے خبر نہ تھے کہ **إِنْ أَلْهَمَ إِذَا نَزَلَ بِالْدَوْلَةِ لَا يَرْتَفَعُ** (جب کوئی سلطنت بوڑھا پے کے مرحلہ میں داخل ہو جاتی ہے تو اس کا از سر نو جوان ہونا (عالم طویل) ممکن نہیں ہوتا)۔

لیکن صحیح فکر مندی، سچی طلب اور دل سے لگی ہوئی بات انسان کو ایسی جگہ بھی قسمت آزمائی پر آمادہ کرتی ہے، جہاں کامیابی کی امید موموم بھی ہو، جس مسافر پر تشنگی کا غلبہ ہوتا ہے، اور جان لبوں پر آجاتی ہے، ہنراہ عقل و دانائی اور تجربوں کے باوجود بھی اس کے قدم پانی کی امید میں چٹوہ سراب کی طرف بے اختیار نہ اٹھ جاتے ہیں کہ عقل کی خود فریبی سچی پیاس کی علامت ہے، عرفی نے کیا خوب کہا ہے ۷

ز نقص تشہیبی داں چ عقل خویش ناز

دلت فریب گراز جلوہ سراب خورد

(سچی پیاس کی کمی کو اس کا سبب سمجھ، اپنی عقل پر ناز نہ کر اگر تیرے دل نے (جان بوجھ کر بھی)

سراب کی ظاہری چمک دمک سے دھوکا نہیں کھایا۔

لیکن انسان پھر ایک ایسے خاندان کا معاملہ جس نے صدیوں جاہ جلال سے حکومت کی تھی، ایک بے جان اور جامد سراب سے بہر حال مختلف ہے اور اس سے یہ توقع کرنی بے جا نہیں کہ اس میں پھر کوئی باحیثیت اور صاحب عزیمت مرد میدان پیدا ہو سکتا ہے، جو حالات کا رخ بدل دے اور جاں بلب سلطنت میں زندگی کی نئی روح پھونک دے شاہ صاحب اپنے عہد کے قرآن مجید کے بڑے رمز شناس اور خواص تھے، ان کے سامنے قرآن کی یہ آیت تھی :-

تَوَجَّعُ اللَّيْلُ فِي النَّهَارِ وَتَوَجَّعُ النَّهَارُ

تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا اور تو ہی دن کو رات میں داخل کرتا ہے

وَتَخْرُجُ الْمَيِّتُ مِنَ الْحَيِّ وَتَخْرُجُ الْحَيُّ مِنَ الْمَيِّتِ

اور تو ہی بے جان سے جاندار پیدا کرتا ہے اور تو ہی جاندار سے بے جا

پیدا کرتا ہے اور تو ہی جس کو چاہتا ہے

(آل عمران - ۲۷)

بے شمار رزق بخشا ہے۔

اسی بنا پر شاہ صاحب نے قلمی معاشی کے حالات کو اچھی طرح جانتے ہوئے بھی اپنے زمانہ کے ایک مغل بادشاہ کو خط لکھا ہے جس میں اس کو اصلاح حال، تقویت سلطنت اور خدا کی رحمت و نصرت کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے ایسے حکیمانہ اور دانشمندانہ مشورے دیئے گئے ہیں جو اعلیٰ درجہ کی حکمت دین، تاریخ و سیاست اور نظم مملکت کے عمیق و وسیع مطالعہ پر مبنی ہے، شروع ہی میں لکھا ہے کہ :-

امیدواری از فضل حضرت باری اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے

لہ انوس ہے کہ اس مغل بادشاہ کا نام (جس کے نام یہ اہم خط لکھا گیا ہے) معلوم نہیں ہو سکا۔

آنست کہ اگر بموجب این کلمات امید ہے کہ اگر ان کلمات کے بموجب
 عمل کنند تقویت امور سلطنت عمل کریں گے تو امور سلطنت کی
 و بقاء دولت و رفح منزلت تقویت حکومت کی بقاء اور
 بظہوری رسد فرودہ عزت کی بلندی ظہور پذیر ہوگی۔
 درپس آئینہ طوطی مصفتم داشته اند شاعر کہتا ہے۔
 انچه استاد ازل گفت ہماں می گوئیم کہ بھکو آئینہ کے پیچھے طوطی کے مانند
 رکھا ہے جو کچھ استاد ازل نے کہا ہے
 وہی کہتا ہوں۔

اس خط میں جو بادشاہ وقت اس کے وزیر اور امراء سلطنت کو لکھا گیا ہے، چند نہایت دانشمندانہ، سیاسی و انتظامی مشوروں کے بعد جن کے بغیر سلطنت کا قیام، رعیت کا رفاہ عام اور لوگوں کا اعتماد بحال نہیں ہو سکتا، آخر میں لکھا ہے کہ قاضی اور محتسب ایسے لوگوں کو بنایا جائے جن کو رشوت ستانی کی تہمت نہ لگی ہو، اور وہ مذہب اہل سنت و الجماعت کے ہوں، نیز یہ کہ ائمہ مساجد کو اچھے طریقہ پر تنخواہ دی جائے، نماز باجماعت کی حاضری کی تاکید کی جائے، اور اس کا پورے اہتمام کے ساتھ اعلان کیا جائے کہ ماہ رمضان کی بے حرمتی نہ ہو پائے، آخر میں یہ کہ بادشاہ اسلام اور امراء عظام نا جائز عیش و عشرت میں مشغول نہ ہوں، گذشتہ گناہوں سے سچے دل سے توبہ کریں اور آئندہ گناہوں سے بچتے رہیں اگر ان کلمات پر عمل کیا جائیگا تو مجھے امید ہے کہ بقول سلطنت نایب غیبی اور نصرت الہی تیر ہوگی دعا توفیقی إلا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب ۛ

لے شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات، مکتوب اول بجانب بادشاہ و وزیر امراء۔

لے ملاحظہ ہو سیاسی مکتوبات منصف ۛ

اس طرح شاہ صاحب نے اپنا وہ فرض ادا کر دیا جو ایک جتید عالم دین شایع قرآن و حدیث اور وقت کے مصلح اور مجدد کو ادا کرنا چاہئے تھا، جو اپنے فرائض اور ذمہ داریوں سے آگاہ اور ان خطرات سے باخبر ہے جو صرف حکمران خاندان ہی کے سر پر نہیں پورے اہل ملک کی گردنوں پر تنگی تلوار کی طرح ٹپک رہے تھے، شاہ صاحب نے اپنے اسلاف کے اتباع اور تابعتین امت کے دستور کے مطابق سرکار دربار سے براہ راست کوئی تعلق نہیں رکھا تھا، اور اپنے بوریاۓ فقر پر متکین رہے تھے، لیکن حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء اور ان کے جانشین حضرت سید نصیر الدین چراغ دہلی کی طرح ان کا دل حکومت و وقت اور اس کی صحیح رہنمائی کے لئے دعائیں شغول تھا، اور ان لوگوں کو جو اس مرکز علمی و روحانی سے تعلق رکھتے تھے، وہ بظاہر قلم سے صحیح مشورہ دینے میں کسی بخل اور احتیاط سے کام نہیں لیتے تھے، ایک دوبار ایسا بھی ہوا کہ بادشاہ خود اچانک شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور دعا کی درخواست کی، اپنے محبوب و معتمد مرید سترشد اور برادر نسبتی شاہ محمد عاشق پھلتی کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:-

”جمواعت کے دن بادشاہ حضرت نظام الدین اولیاء اور دیگر مشائخ کے مزارات

کی زیارت کرنے کے لئے سوار ہو کر گیا تھا، مجھے پہلے سے اطلاع دیئے بغیر کابل دروازہ

سے سادہ تخت پر سوار ہو کر غریب خانہ پر وارد ہوا، فقیر کو کوئی اطلاع ہی نہ تھی مسجد

میں بوریوں پر آکر بیٹھ گیا، اس قدر توقیر سلطان کرنا لازم ہوئی کہ فقیر جس محلے پر بیٹھا

ہے اور نماز ادا کرتا ہے، اس کو اس طریقہ سے بھادیا گیا کہ اس کی ایک جانب بیٹھ گیا

اور دوسری جانب بادشاہ، بادشاہ نے اول مصافحہ کیا بڑی تعظیم کے ساتھ بعد ازاں

کہا، میں مدت سے آپ کی ملاقات کا شوق تھا، لیکن آج اس جوان کی رہنمائی میں

لے افسوس ہے کہ مکتوب میں اس بادشاہ کا نام صحیح نہیں اور نہ کسی اور ذریعہ سے اس کی وضاحت ہو سکی۔

یہاں پہنچا ہوں اشارہ وزیر کی طرف کیا پھر کہا کہ غلبہ کفر اور رحمت کا تفرق مانتا
اس درجہ پر پہنچ گیا ہے کہ سب کو معلوم ہے چنانچہ مجھے تو سونا، اور کھانا پینا دے کر
اور تلخ ہو گیا ہے اس بارہ میں آپ کے دعا مطلوب ہے میں نے کہا کہ پہلے بھی میں دعا
کرتا تھا اور اب تو انشاء اللہ اور زیادہ دعا میں مشغول رہوں گا۔

اسی دوران میں وزیر نے مجھ سے کہا کہ حضرت بادشاہ پانچوں وقت کی نماز کا
بڑا اہتمام فرماتے ہیں میں نے کہا الحمد للہ! یہ وہ بات ہے کہ ایک مدت کے بعد
سننے میں آرہی ہے ورنہ ماضی قریب کے بادشاہوں میں سے کسی میں یہ نماز کی پابندی
سننے میں نہیں آئی تھی!

آخر میں شاہ صاحب نے بادشاہ کو حضرت ابو بکر صدیقؓ کی وہ وصیت سنائی جو انھوں نے
حضرت عمر فاروقؓ کو خلیفہ بناتے وقت فرمائی تھی:-

”خلیفہ کو بھی عجیب عجیب مشکلات درپیش ہوتی ہیں اعدائے دین کی طرف سے
بھی اور موافقین کی طرف سے بھی“ ان تمام مشکلات کا بس ایک ہی علاج ہے کہ
مرضیات حق کو اپنا نصب العین بنا کر حق تعالیٰ سے ہی مدد طلب کی جائے اور
اس کے غیر سے قطع نظر کر لی جائے!

شیخ محمد عاشق کے نام ایک اور خط میں تحریر فرماتے ہیں:-

”بادشاہؒ اور اس کی والدہ آٹھے تھے پہلے مسجد میں زنا نہ کا انتظام کیا گیا،

اس صورت سے بادشاہ کے آنے کی غرض یہ تھی کہ بے تکلف ہو کر کچھ دیر ٹھہرے“

۱۔ سیاسی مکتوبات ۱۳۵-۱۳۶ ۲۔ ایضاً ۱۳۶-۱۳۷ ۳۔ یہاں بادشاہ سے احمد شاہ مراد ہے

جو محمد شاہ کا فرزند و جانشین تھا ۱۱۶۱ھ میں تخت نشین ہوا۔

تقریباً تین سو گز زمین کو بھی کھایا اس کی زیادہ تر باتیں مخلوق خدا کی

بھلائی کے لئے تھیں۔

لیکن ظاہر ہے کہ حکمران خاندان کا زوال طویل موروثی سلطنت کے اثرات اور
بیرونی مخالفتیں اور سازشیں اس درجہ کو پہنچ گئی تھیں کہ کوئی بڑے سے بڑا صاحبِ عزم
اور ننگ نشین بھی تنہا اس زوال کو عروج سے، کمزوری کو نئی طاقت اور توانائی سے بدل کر
پورے ملک کے حالات میں انقلاب نہیں لاسکتا تھا تاہم تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ جب کسی
سلطنت کا زوال اپنے آخری حدود تک پہنچ جاتا ہے اور مخالفتوں اور سازشوں کی
سرسنگیں سلطنت کو بارش کی طرح اڑانے کے لئے تیار ہوتی ہیں تو بڑے سے بڑا قوی الارادہ
جفاکش اور صاحبِ صلاح بادشاہ بھی سلطنت کا جسم میں زندگی کی نئی روح پھونکنے میں
ناکام رہتا ہے، متعدد بار ایسا پیش آیا کہ حکمران خاندان کا آخری آدمی جس کے زمانہ میں
سلطنت کا انقراض پیش آیا، اپنے بہت سے پیروؤں سے بہتر تھا، اور اس نے سلطنت کو
سقوط سے بچانے کی جانب ازانہ کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا، بنی مروان کے خاندان
اور بنی امیہ کی سلطنت کے آخر میں مروان ابن محمد معروف بمروان الحمار (م ۱۳۲ھ) او
خلفائے عباسیہ کے خاندان کا آخری فرمانروا مستعصم بالله (م ۲۵۶ھ) اور کسی حد تک
تیموری خاندان کا آخری فرمانروا ابو ظفر بہادر شاہ (م ۱۲۹۹ھ) اس کی چند مثالیں ہیں۔
اس لئے ضرورت تھی کہ شاہ صاحب کا جیسا بالغ نظر مصلح، وسیع النظر مؤرخ او
فراست ایمانی کا حامل برائے نام مغل فرمانرواؤں اور ان کے امراء دربار سے رابطہ
قائم کرنے ان کے اندر... حمیت ملی و غیرت دینی بیدار کرنے، بگڑے ہوئے حالات او

انتشار انگیز طاقتوں سے پنجہ آزمائی پر آمادہ اور تیار کرنے پر اکتفا نہ کرے، شاہ صاحب نے درباری امراء کے محدود حلقہ سے باہر نکل کر ان امرائے سلطنت آزمودہ کار قائدین افواج اور عالی حوصلہ سرداروں سے خط و کتابت کی جن کے خاکستر میں ان کو دینی حمیت اور قوی عزت کی کوئی دبی ہوئی جنگاری نظر آئی، ان میں حسب ذیل امرائے سلطنت اور قائدین تھے، وزیر مملکت آصف جاہ، نواب فیروز جنگ نظام الملک احمد شاہی، بہادر الملک وزیر، تاج محمد خاں بلوچ، نواب عبداللہ بہادر، نواب عبید اللہ خاں شمیری، میاں نیاز گل خاں، سید احمد روہیلہ۔

لیکن شاہ صاحب کی نگاہ انتخاب و اختتام (جس کے ساتھ فراست ایمانی اور الہام ربانی شامل معلوم ہوتا ہے) اس عہد کی دو عظیم شخصیتوں پر پڑی جن میں سے ایک ہندوستان کے اندر کی تھی اور ایک باہر کی، ہماری مراد امیر الامراء نواب نجیب الدولہ اور احمد شاہ ابدالی والی افغانستان سے ہے۔

نواب نجیب الدولہ

نواب نجیب الدولہ میں وہ تمام صفات و خصائص پائے جاتے تھے جو عہد قدیم میں بانیان سلطنت کی خصوصیت ہیں اور جنہوں نے شخصی سلطنتوں اور خاندانوں کے عروج و اقتدار کے عہد میں (جب ذاتی جوہر اور وفاداروں کی جمعیت کا فراہم ہو جانا

۱۲۰ مجموعہ مکتوبات حضرت شاہ عبدالرحیم و حضرت شاہ ولی اللہ (قلمی) محفوظ عثمانیہ یونیورسٹی لاہور پر
حیدر آباد مخطوطات ص ۲۱۱ ۱۲۰ ان کے نام چار خط ہیں ملاحظہ ہو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے
سیاسی مکتوبات ص ۶۱-۶۲ تفصیل حالات کے لئے ملاحظہ ہو نجیب التواریخ از نصیر الدین
(قلمی نسخہ عجیب گنج) مختصر حالات کے لئے "شاہ ولی اللہ صاحب کے سیاسی مکتوبات ص ۲۳۱-۲۳۲

فتح اور قیام سلطنت کے لئے کافی ہوتا تھا) اہم کردار ادا کیا ہے اور ان کے ہاتھوں کسی فتح و تسخیر کے کسی کارنامہ کا ظہور ہوا ہے ان کے اندر اپنے ولی نعمت کے ساتھ وفاداری کا جو ہر اپنے رفیقوں اور ماتحتوں کے ساتھ شرافت و احسان کی خواہش، سپہ گری کا جو ہر و شجاعت اور قائدانہ صلاحیت کوٹ کوٹ کر بھری تھی، لیکن تاریخی تجربہ یہ ہے کہ یہ صفات کمال جنگی طاقتوں کو شکست دینے اور ملک فتح کرنے میں تو کامیاب ہو جاتی ہیں، لیکن ایسے ماحول میں جس میں غداری اور کورنگی کو "فتح شریف" کا درجہ دیا جائے، بے اصولی و بے کرداری کو اعلیٰ درجہ کی سیاست سمجھا جائے اور موقع سے فائدہ اٹھانے کو دانشمندی اور دور اندیشی تصور کیا جائے، اکثر مفید بننے کے بجائے کامیابی میں حلیج اور مشکلات پیدا ہونے کا باعث بنتی ہیں، بد قسمتی سے نواب نجیب الدولہ اور آصف جاہ نظام الملک کو ایسا ہی فاسد ماحول ملا تھا، مؤرخین اس کے اعلیٰ کردار اور سپاہیانہ وقائدانہ صلاحیت کی تعریف میں یک زبان ہیں سر جادو ناتھ سرکار لکھتا ہے :-

"ایک ٹوڑخ کی سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ اس کی کس خوبی کی سب سے زیادہ تعریف

کرے میدان جنگ میں اس کی حیرت انگیز قیادت کی، یا مشکلات میں اس کی

تیز نگاہ یا صحیح رائے کی، یا اس کی اس فطری صلاحیت کی جو اس کو انتشار و ابتر

میں ایسی راہ دکھاتی تھی جس سے نتیجہ اس کے موافق نکل آتا تھا"۔

مولوی ذکاء اللہ دہلوی تاریخ ہندوستان میں لکھتے ہیں :-

"نجیب الدولہ ایسا عاقل، ہوشیار و دانشمند تھا کہ اکثر ہوتے ہیں امانت داری

ایمانداری تو اس وقت میں اس پر ختم تھی وہ اپنے پرانے آقاؤں کو اب
دوندے خاں روہیلہ کو اب شجاع الدولہ کی فرمانبرداری کئے جاتا تھا،
لہر راؤ ہلکر سے بھی اس کا ساز باز چلا جاتا تھا، یاد ہو گا یہ مرہٹہ پانی پت کی
لڑائی سے اپنے ہم وطنوں کو چھوڑ کر بھاگ گیا تھا، غرض یہ جو انہر اس ٹوٹی
پھوٹی سلطنت کو نباہ رہا تھا؟

شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں:-

نزد نجیب الدولہ نہ صد عالم بود نجیب الدولہ کے یہاں نوشتو
ادنی پنج روپیہ اعلیٰ پنج صد چہرہ عالم تھے جن میں سے سب نیچے
درجہ والے کو پانچ روپیہ اور اعلیٰ کو
پانچ سو روپیہ ملتے تھے۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی کے بقول: ۱۷۷۱ء سے ۱۷۷۳ء تک وہ دہلی کی سب سے
بڑی شخصیت تھی تمام سیاست اس کے گرد گھومتی تھی اور وہ سارا نظام حکومت اپنے
کاندھوں پر سنبھالے ہوئے تھا؟

شاہ صاحب نے جن کو اللہ تعالیٰ نے مردم شناسی و حقیقت پسندی کا وہ ملکہ عطا
فرمایا تھا جو ان لوگوں کو عطا ہوا کرتا ہے جو تاریخ اصلاح و تجدید اور کارِ آدم گری مردم ساز
میں کوئی بڑا کام کرتے ہیں، قحط الرجال کے اس عہد میں جو حوصلہ مندوں اور طالع آزمائوں
سے بھرا ہوا تھا اپنے کام کی تکمیل و مدد لینے میں نجیب الدولہ کا انتخاب کیا اور ان کی
دور بین و باریک بین نگاہ نے اس جوہر قابل اور اس کے اندر دینی حمیت کو دیکھ لیا،

شاہ صاحب نے ان سے مراسلت شروع کی اور ان چنگاریوں کو فروزاں کرنے کی کوشش کی
جو ان کی خاکستر میں دبی ہوئی تھیں وہ ان کے نام اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں:-

خدائے عزوجل آں امیر المجاہدین را	خدائے عزوجل امیر المجاہدین کو
بنصر ظاہر و تائید باہر شرف کناد	نصرت ظاہر اور تائید باہر کے ساتھ
و این عمل را بجز قبول رسانیدہ	شرف کرے اور اس عمل کو قبولیت کے
ثمرات عظیم و برکات عظیم برآں مرتب	درجہ میں پہونچا کر بڑی بڑی برکتیں
گرداناد۔	اور مرتب اس پر مرتب کرے۔

از فیرولی الشرفی عنہ بعد سلام	فیرولی الشرفی عنہ کی جانب سے
محبت شام واضح آنکہ دعائے نصر	بعد سلام محبت شام واضح ہو کہ نصرت
مسلمین کردہ می شود و از سرش غیبی	مسلمین کے لئے یہاں دعا کی جارہی
نفحات قبول شنیدہ می شود امید	ہے اور سرش غیبی سے آثار قبول
انست کہ خدائے تعالیٰ بردست	محسوس ہوتے ہیں امید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ
ایشاں احیاء طریقہ جہاد فرمودہ	آپ کے ہاتھ پر دینی جہاد کو زندہ
برکات آن عاجلاً و آجلاً نصیب	کے اس کے برکات اس دنیا اور آخرت
کند۔	میں عطا فرمائے گا۔

انہ قریب عجیب ہے

انہ قریب عجیب۔

ایک دوسرے خط میں ان کو "امیر الغزاة اور رئیس المجاہدین" کے لقب سے یاد فرماتے ہیں،
ایک اور مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ:-

”معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں تائید ملت اسلامیہ اور امداد امت مرحومہ کا کام آپ ہی کے ذریعہ انجام پائے گا جو اس کا خیر کا سرچشمہ اور ذریعہ ہے آپ کسی طرح کے وساوس و خیالات کو دل میں جننے نہ دیں انشاء اللہ تمام کام دوستوں کی مرضی اور خواہش کے مطابق انجام پائیں گے“

شاہ صاحب نواب نجیب الدولہ کے نام خطوط میں دعاؤں و تہنیت پر اکتفا نہیں کرتے ان کو بڑے مفید بنیادی مشورے بھی دیتے ہیں اور ان غلطیوں اور واقعات کے اعادہ سے محتاط و محترز رہنے کی تلقین بھی فرماتے ہیں جو اس سے پہلے حملہ آوروں اور سلمان افواج سے ظہور پذیر ہوئے اور جو خدا کی نصرت و تائید سے مانع بن جاتے ہیں ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ:-

”جب افواج شاہی کا گذر دہلی میں ہو تو اس وقت اس بات کا پورا انتظام و اہتمام ہونا چاہیے کہ شہر سابق کی طرح ظلم سے پائمال نہ ہو جائے دہلی والے کئی مرتبہ لوٹ مار، ہتک عزت اور بے آبروئی کا نشانہ دیکھ چکے ہیں اسی وجہ سے مطلب برآری اور مقاصد میں تاخیر پیش آرہی ہے آخر میں غلطیوں کی آہ بھی اتر کر سکتی ہے اگر اس بار آپ چاہتے ہیں کہ وہ کام جوشہ تکمیل تھے وہ مکمل ہو جائیں تو اس بات کی پوری تاکید پابندی ہونی چاہئے کہ کوئی فوجی دہلی کے مسلمانوں اور غیر مسلموں سے جو ذمی کی حیثیت رکھتے ہیں تعرض نہ کرے“

شاہ صاحب متعدد خطوط میں ہندوستان کی ان تین انتشار پسند اور جنگجو طاقتوں کے خطرہ اور ملک کو ان کے گزند سے محفوظ کر دینے کی ضرورت کی طرف بار بار متوجہ فرماتے ہیں (جن کا ذکر اس باب کے آغاز میں موجود ہے) کہ اس کے بغیر ملک میں نظم و نسق، امن و امان، شعائر دینی و مسابد کی حفاظت اور معتدل معمول کے مطابق (NORMAL) زندگی گزاری نہیں جاسکتی،

ان کی وجہ سے سارا ملک متقل طور پر حالت جنگ اور عسکری نظام کی صورت میں زندگی گزار رہا ہے
شاہ صاحب کو نواب نجیب الدولہ سے ایسا تعلق خاطر معلوم ہوتا ہے اور وہ ان سے
ایسی توقعات رکھتے ہیں کہ بار بار اس کی تاکید فرماتے ہیں کہ جب وہ اس مقصد کے لئے عنان عزیمت
اٹھائیں تو شاہ صاحب کو اس کی ضرورت اطلاع کریں تاکہ وہ دعائیں مشغول ہو جائیں نیز ان کو
بار بار فتح و کامیابی کی امید دلاتے ہیں اور اس کی پیشین گوئی فرماتے ہیں، لکھتے ہیں کہ:-
”فیر کو اس بارے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔“

شاہ صاحب نے نواب نجیب الدولہ ہی کو احمد شاہ ابدالی کو ہندوستان بلانے کے
لئے خاص ذریعہ بنایا ان کے نام براہ راست خط لکھنے کے علاوہ جو آئندہ صفحات میں
آ رہا ہے ان سے بھی خطوط لکھوئے اور ان کو بار بار تاکید کی، نواب نجیب الدولہ نے
شاہ صاحب کی وفات کے آٹھ سال بعد جب ۱۱۸۲ھ (۳۱ اکتوبر ۱۷۶۹ء) انتقال کیا
پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں کہ:-

”اس کی عدل گستری و باطن نظری کا یہ واقعہ ہمیشہ تاریخ میں یادگار رہے گا کہ
وہ جس وقت بستر مرگ پر آخری سانس لے رہا تھا تو اس نے اپنے فوجوں کو
(جو اس کے ساتھ ہارپڑ کے مقام پر تھیں اور گڑھ کا میلہ ہو رہا تھا) حکم دیا کہ
گنگا کے میلہ میں آنے جانے والے ہندو یا تریوں کے جان و مال کی پوری حفاظت
کی جائے۔“

۱۔ ملاحظہ ہو مکتوب ششم و ہفتم سیاسی مکتوبات ۲۱-۲۱ ۲۲ ملاحظہ ہو مکتوب ششم و ہفتم سیاسی مکتوبات

۲۴-۲۵ ۲۶ مکتوب ششم ۲۷ ۲۸ مکتوب ہفتم ۲۹

۳۰ سیاسی مکتوبات ۳۱ ۳۲ بحوالہ سرکار ج ۳ م ۳۱۵

احمد شاہ ابدالی

شاہ صاحب نے اپنی بالغ نظری ہندوستان کی صورت حال کے حقیقت پسندانہ مطالعہ ارکان سلطنت اور امراء دربار کی بے کرداری اور حکمران خاندان کی روز افزوں نااہلی سے دو حقیقتیں ایسی سمجھ لی تھیں جو روز روشن کی طرح صاف تھیں ایک تو یہ کہ ملک کی پہلی ضرورت اس بے نظمی اور طوائف الملوکی کو دور کرنا ہے جس سے نہ اہل ملک کی جان و مال عزت و آبرو محفوظ ہے نہ کسی تعمیری کام اور بہتر نظم و نسق کی گنجائش ہے جیسا کہ گذشتہ صفحات میں گذر چکا ہے اس افراتفری بے یقینی اور سراسیمگی کی دائمی فضا کی ذمہ داری ان تین انتشار پسند اور جنگجو گروہوں پر تھی جو نہ تو کسی ایسے ملک میں حکومت کا تجربہ رکھتے تھے جس میں مختلف مذاہب قومیں و تہذیبیں صدیوں سے پائی جاتی تھیں اور جس کے انتظام کی ذمہ داری سنبھالنے کے لئے اعلیٰ درجہ کا احساس ذمہ داری قوت ضبط و تحمل وسیع النظری اور فراخ دلی ضروری تھی نہ ان کے پاس ملک کو اعتدال و سکون عطا کرنے اہل ملک کا اعتماد بجالانے اور نظم و نسق کو بہتر بنانے کے لئے کوئی منصوبہ تھا نہ کوئی تحیث اس لئے پہلا کام یہ تھا کہ ان قینوں طاقتوں بالخصوص مرہٹوں کے غلبہ کے خطرہ سے ملک کو محفوظ کر دیا جائے جس سے ہندوستان کے اس مرکزی حصہ کو جو حکومتوں کا مستقر رہا ہے یعنی لاہور سے دہلی اور صوبجات متحدہ ملک کے علاوہ کسی وقت اطمینان نہیں تھا کہ کس وقت میدان جنگ میں تبدیل اور گلزار و پر رونق شہر ایک آزاد شکار گاہ میں تبدیل ہو جائیں گے جہاں شکاریوں کو پراسن شہریوں کو چڑیلوں اور جانوروں کی طرح مارنے کی اجازت ہوگی اور ان کا پشتوں اور سلوں کا اندوختہ دیکھتے دیکھتے تاریخ ہو جائیگا اس سے دوسرے درجہ پر وہ خطرہ تھا جو سکھوں اور جاٹوں کی شکل میں تہذیب زد

اور دولت و ثروت کے ان مرکبوں کو بلائے ناگہانی کی طرح پیش آتا رہتا تھا۔

دوسری حقیقت یہ تھی کہ اس خطرہ کو دور کرنے کے لئے کسی ایسے تجربہ کار عسکری قائد اور نظم سپاہ کی ضرورت ہے جو نئی جنگی طاقت سے معذور تو ہو لیکن مخمور نہ ہو، اس کے اندر سپہ گری کے جہر اور شجاعت، بہادری کے مساوی ایمانی غیرت و دینی حمیت بھی ہو، نیز وہ ان ذیلی منہمی اختلافات رقابتوں اور پرانے کینوں اور دشمنیوں سے محفوظ ہو جو دہلی کے ایوان سلطنت اور ملک کے اہل سیاست کو گھٹن کی طرح کھا رہی تھیں، اور جن کی موجودگی میں کسی ایسے بلند مرتبہ کی تکمیل کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی جس میں بجائے کسی نسلی عنصر، مذہبی گروہ یا ذاتی فتح مندی کے حصول کے ملت کا فائدہ اسلام کی تقویت اور ملک کی حفاظت مقصود و پیش نظر ہو، شاہ حسنا کی نظر میں ایک ذریعہ اور واسطہ کی حیثیت سے نوا میر الامراء نواب نجیب الدولہ کی (جیسا کہ اوپر گنڈا) ضرورت و افادیت تھی لیکن وہ حالات کی سنگینی کے پیش نظر تنہا کافی نہیں تھے اور ان کے ذریعہ ان طاقتوں کا زور نہیں توڑا جاسکتا تھا، جنہوں نے اپنی فوجی طاقت اتنی بڑھالی تھی کہ ملک کی کوئی واحد فوجی طاقت ان کو شکست نہیں دے سکتی تھی، اس کے لئے ایک تازہ دم بیرونی فوجی قائد کی ضرورت تھی جو اس ملک کے لئے مطلقاً اجنبی اور نووارد نہ ہو، وہ اس ملک کے نشیب فرازا باشندگان ملک کی راہ رسم اور یہاں کے حریت اور نبرد آزما گوہوں کے مزاج اور کمزوریوں سے بھی واقف ہو، اور جو اس کا حوصلہ اور طرف بھی رکھتا ہو کہ اس ملک کو ان فوری خطروں سے محفوظ کر کے عنان حکومت یہیں کے قدیم حکمران خاندان کے کسی اہل اور باصلاحیت فرد، وفادار و صاحب کردار امیر یا وزیر کے حوالہ کر کے واپس چلا جائے کہ یہی حقیقت پسندی، ملی مفاد اور حب الوطنی کا تقاضا ہے۔

اس نازک اور دشوار کام کے لئے (جس میں ہر نازک و دشوار کام کی طرح مصرت

و منفعت کے پہلو ہوا کرتے ہیں) شاہ صاحب کی نظر انتخاب احمد شاہ درانی (۱۱۳۶ھ تا ۱۱۸۶ھ) والی قندھار پر پڑی جو ہندوستان کے لئے اجنبی اور نووارد نہیں تھا وہ ملک میں پیدا ہوا، یہاں تک ایک سرک ابدالی روڈ کہلاتی ہے اس نے مختلف حالات و مقاصد کے تحت ۱۱۷۶ھ سے ۱۱۷۹ھ تک ہندوستان پر نوحے کئے، شاہ صاحب اور نواب نجیب الدولہ کی دعوت اور پانی پت کے معرکہ سے پہلے وہ چھ مرتبہ ہندوستان آچکا تھا وہ ملک کے نشیب و فراز طریقہ جنگ، فوجی طاقتوں کے تناسب اور امراء اور اراکین سلطنت کے رجحانات سے واقف تھا۔ اٹھارویں صدی عیسوی اور بارہویں صدی ہجری کے وسط کے ان ممتاز ترین فوجی قائدین میں تھا جو عرصہ دراز کے بعد پیدا ہوتے ہیں اور مستقل حکومتوں کی بنیاد رکھتے ہیں، اس نے بڑی خوبی و کامیابی کے ساتھ منتشر افغانوں کی شیرازہ بندی کی، منصفانہ قوانین جاری کئے، محکمہ احتساب قائم کیا وہ سپہ گری، مکارم اخلاق اور شرافت نفس کی صفات کا جامع تھا، علم و ادب کا ذوق رکھتا تھا و قارئین کے ساتھ اپنی قوم میں محبوب و مانوس بھی تھا، وینداز پابند مذہب اور علماء اور صلحاء کی مجالست کا خواہش مند، سادہ و شائع کا ادب کرنے والا اپنے مذہبی معلومات میں اضافہ اور علمی تبادلات خیال کا شائق، رحم دل و فیاض، مساوا اور مذہبی رواداری پر عامل تھا، اس نے بعض ایسی سنتوں کا احیاء کیا جن کا افغانی ماحول میں نام لینا بھی مشکل تھا مثلاً بیوگان کا نکاح ثانی، وہ خود بھی تعلیم یافتہ اور اہل قلم تھا اپنی روحانی ترقی کا متمنی رہتا تھا، فیریر نے لکھا ہے کہ:-

لے مقالہ (C. COLLIN DAVIES) انسائیکلو پیڈیا آف اسلام
۱۱۸۶ھ احمد شاہ ابدالی کے حالات میں ملاحظہ ہو ڈاکٹر گنڈا سنگھ کی کتاب

”مشرقی ممالک کی بہت سی خرابیوں سے احمد شاہ بڑا تھا، شراب نوشی، افیون وغیرہ سے اجتناب کلتی کرتا تھا لایچ اور منافقانہ حرکتوں سے پاک تھا، ہر پاک و پابند تھا، اس کی سادہ لیکن باوقار عادتیں اس کو ہر دلعزیز بنا دیتی تھیں اس تک پہنچنا آسان تھا وہ انصاف کا خاص خیال رکھتا تھا کبھی کسی نے اس کے فیصلہ کی شکایت نہیں کی۔“

احمد شاہ درانی شاہ صاحب کے زمانہ میں چھ مرتبہ ہندوستان آکر اور مقامی اور قومی ضرورتوں کو پورا کر کے واپس جا چکا تھا، ان حملوں میں اپنی فوجی طاقت کے مظاہرہ اور قومی ضروریات کی تکمیل کے علاوہ اس نے کوئی اور مفید کام انجام نہیں دیا تھا، اس کی فوج نے ان اسلامی تعلیمات و آداب کی پابندی بھی نہیں کی تھی جن کی ایک پابند شریعت مسلمان سے توقع کی جاتی ہے، اس کے بعض حملوں سے شاہ صاحب اور ان کے متعلقین کو بھی پریشانی و مصائب برداشت کرنے پڑے تھے، لیکن ان کمزوریوں اور تلخ تجربات کے باوجود وہی ایک ستارہ امید تھا جو اس تاریکی فتنی پر نظر آتا تھا، مولانا محمد عاشق صاحب پھلتی کا بیان ہے کہ اس سب کے بعد بھی شاہ صاحب یہی فرماتے تھے: ”وے رادریں دیار غلبہ شدنی است“ (اس کا اس علاقہ پر غلبہ ہوگا) ایک مرتبہ بہادر خاں بلوچ کے سوال کے جواب میں فرمایا: ”دریں ملک غلبہ کلتی وے خواہ شد“ (اس ملک پر اس کا پورا غلبہ ہوگا) ایک مرتبہ اس کی موت کی افواہ گرم ہوئی شیخ محمد عاشق کے دریافت کرنے پر فرمایا:۔

اچھ معلوم شدہ انیست کہ احمد شاہ جو معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ احمد شاہ

درانی باز دریں ملک می آید و اس درانی اس ملک میں پھر آئیگا اور

کفار را بر انداز دو ویرا با وجود اس ان کفار کو زیر و زبر کر دے گا باوجود
 اوزار ظلم برائے ہمیں کارگذاشتہ مظالم کے جو وہ کر رہا ہے اس کو
 اندھے اسی لئے اب تک اللہ نے باقی رکھا
 ہے وہ یہی کام ہے۔

شاہ صاحب کو امید تھی کہ اللہ تعالیٰ شاہ ابدالی کے حالات کی اصلاح فرمائے گا
 اور اس سے وہ کام لے گا جو بظاہر اسباب کسی دوسرے امیر یا قائد کے بس کا نہیں ہے
 حکیم ابو الوفاء کشمیری سے ایک مرتبہ فرمایا کہ ابدالی کو حصول مقصد میں جو دشواریاں پیش
 آرہی ہیں وہ اس وبال ظلم کی بنا پر ہیں جو اس نے (اپنے پہلے حملوں میں) ہندوستان کے
 شہروں پر کئے ہیں بعد کو اس کے حالات ٹھیک ہو جائیں گے بلکہ

شاہ صاحب احمد شاہ ابدالی سے ملک کو اس غیر یقینی صورت حال اور افراتفر
 سے محفوظ کر دینے اور سلطنت کو شاہی خاندان کے کسی نسبتا لائق تر آدمی کے حوالہ کر دینے
 کا کام لینا چاہتے تھے، شاہ صاحب نے اس کی آمد سے پہلے پیشین گوئی کی تھی اور فرمایا
 تھا کہ ابدالی یہاں ٹھہرے گا نہیں بلکہ اولاد ملوک میں سے کسی کے حوالہ کر کے چلا جائیگا۔

بالآخر شاہ صاحب نے احمد شاہ ابدالی کو نجیب الدولہ سے خطوط لکھوائے پھر براہ راست
 ایک پُر زور و پُر اثر خط لکھا جو شاہ صاحب کی سیاسی بصیرت، دینی حیثیت، اخلاقی جرات
 اور زور انشاء کا آئینہ دار ہے، اس خط میں ہندوستان کی موجودہ صورت حال اس کا
 قدیم طرز حکومت اس کے مختلف صوبوں کا نظم و نسق، ملک کی مختلف نسلی و مذہبی گروہوں

۱۔ ماخذ از سیاسی مکتوبات صفحہ ۲۷-۲۸ ایضاً صفحہ ۳۰ ایضاً

۲۔ پورا خط ملاحظہ ہو مکتوب دوم بعض سلاطین کے عنوان سے شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات صفحہ ۳۰

کی تعداد و طاقت کا تناسب ان کے بارے میں مسلمان بادشاہوں کی سیاسی غلطیوں و کوتاہ نظری ان کا تدبیری طور پر طاقت پکڑ لینا اور اقتدار حاصل کرنا اس سلسلہ میں مرہٹہ اور جٹ کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور ان کے اقتدار بار بار کے حملوں سے غربت اسلام اور مسلمانوں کی مظلومیت کا دلہرز نقشہ کھینچا گیا ہے اور اس باحیثیت مسلمان قائد کو جو اس وقت ہندوستان سے لے کر ایران تک سب سے بڑی منظم فوجی طاقت کا مالک تھا، اس صورت حال کا مقابلہ کرنے اور سلطنت مغلیہ کو اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے اور ملک کی ذمہ داری سنبھالنے کا موقع دینے پر آمادہ کیا گیا ہے اور صفائی کے ساتھ لکھا گیا ہے :-

دیں زمانہ پادشاہ صاحب اقتدار	اس زمانہ میں ایسا بادشاہ جو
وشوکت باشد و قادر شکست لشکر	صاحب اقتدار اور شوکت ہو اور
کفار و دوراندیش جنگ آزمائی غیرواں	لشکر مخالفین کو شکست دے سکتا ہو
ملازمان آنحضرت موجود نیست	دوراندیش و جنگ آزما ہو سوائے
	آنجناب کے کوئی اور موجود نہیں ہے

آگے لکھتے ہیں :-

ماہندگان الہی رسول خدا را صلے اللہ	ہم بندگان الہی حضرت رسول اللہ
علیہ وسلم شفیع می آریم و بنام خدا	صلی اللہ علیہ وسلم کو شفیع بناتے ہیں
عزوجل سوال می نمایم کہ ہمت	اور خدا کے عزوجل کے نام پر اللہ
یا ہمت را بجانب جہاد کفار	کرتے ہیں کہ ہمت مبارک کو

اس نواحی معروف فرانتیڈا پیش
 اس جانب متوجہ فرما کر مخالفین سے
 خدائے عزوجل ثواب جلیل درنامہ
 مقابلہ کریں تاکہ خدائے تعالیٰ کے
 اعمال آنحضرت ثبت خود و دردیو
 یہاں بڑا ثواب جناب کے نار و ہوا
 مجاہدین فی (سبیل) اللہ نام نامی
 میں لکھا جائے اور مجاہدین فی سبیل اللہ
 نوشتہ شود و در دنیا غنائم بے حساب
 کی فہرست میں نام درج ہو جائے
 بدست غازیان اسلام افتد و
 دنیا میں بے حساب غنیمتیں ملیں اور
 مسلمانان از دست کفار نجات یابند
 سلمان دست کفار سے خلاصی
 پاجائیں۔

اسی خط میں انھیں سیاسی بصیرت اور حالات سے گہری واقفیت کی بنا پر ہندوستان
 کی ان نوخیز طاقتوں کے بارے میں جن کی کسی مقابل منظم طاقت کے نہ ہونے کی وجہ سے شجاعت
 و طاقت کی دھاک مٹھی ہوئی تھی، اور ان کو ناقابل شکست سمجھا جاتا تھا، صحیح اندازہ پیش کیا
 ہے جو ایک تجربہ کار قائد اور سیاسی مہتر ہی پیش کر سکتا ہے، مرہٹوں کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:-
 "قوم مرہٹہ کا شکست دینا آسان کام ہے بشرطیکہ غازیان اسلام کمر ہمت باندھ
 لیں حقیقت یہ ہے قوم مرہٹہ خود قلیل ہے، لیکن ایک گروہ کثیر ان کے ساتھ ملا ہوا ہے
 ایک گروہ میں سے ایک صف کو بھی اگر درہم برہم کر دیا جائے تو یہ قوم منتشر ہو جائیگی
 اور اصل قوم اسی شکست سے ضعیف ہو جائیگی، چونکہ یہ قوم قوی نہیں ہے اس لئے
 ان کا تادم طریقہ ایسی کثیر فوج جمع کرنا ہے جو چوٹیوں اور ٹڈیوں سے زیادہ ہو،
 دلاوری اور سامان حرب کی بہتات ان کے یہاں نہیں ہے۔"

شاہ صاحب کی ہدایت کے مطابق نجیب الدولہ نے احمد شاہ ابدالی کو جو خطوط لکھے
 پھر شاہ صاحب نے جو طویل و موثر خط براہ راست لکھا (جس کا کچھ اقتباس اوپر گذرا) وہ
 بے اثر نہیں رہا، احمد شاہ ابدالی نے ۱۷۵۳ء (۱۱۵۹ھ) میں مرہٹوں کا زور توڑنے اور
 نجیب الدولہ اور شجاع الدولہ کی مدد کرنے کے لئے (جنہوں نے اس موقع پر سیاسی شعور اور
 اسلامی اتحاد کا ثبوت دیا تھا) ہندوستان کا قصد کیا ایک سال ذیلی جنگوں اور جھڑپوں
 میں گذر گیا بالآخر ۱۷۵۴ء (۱۴ جنوری ۱۱۵۶ھ) کو پانی پت کے میدان میں مرہٹوں اور افغانوں
 اور ہندوستانی اسلامی متحدہ محاذ کے درمیان وہ فیصلہ کن جنگ ہوئی جس نے ہندوستان کی
 تاریخ کا رخ بدل دیا، اور مرہٹوں کو ہندوستان کے نئے ابھرتے ہوئے سیاسی نقشہ سے باہر
 نکال دیا، اس جنگ کا مختصر حال اور نتیجہ مولوی ذکاء اللہ صاحب مولف "تاریخ ہندوستان"
 کے الفاظ میں لکھا جاتا ہے:-

”لڑائی میں بڑا گھمسان ہو گیا مگر اب بھی مرہٹوں کا پلہ بھاری تھا، احمد شاہ نے اپنے
 بھگڑے سپاہیوں کو گھیر کر قتل کرنے کا حکم سنایا اللہ یہ کہدیا جو بھاگے گا مارا جائے گا،
 بعد اس کے اس نے اپنی صف کو آگے بڑھنے کا حکم دیا، ایک سپاہ کو اپنے بائیں طرف
 دشمن کے بازو پر حملہ کا حکم دیا، اس تدبیر کا تیر ٹھیک نشانہ پر بیٹھا، طلب سپاہ میں بھاؤ
 ہو اس راؤ گھوڑوں پر سوار لشکر کو لڑا ہے تھے، خیر اور کھانڈے بازی ہو رہی تھی کہ
 یکایک خدا معلوم کیا ہوا کہ مرہٹوں کے لشکر کا قدم میدان جنگ سے اٹھ گیا، قدم کا
 اٹھنا تھا کہ میدان جنگ کا ان کے مردوں سے بھڑنا تھا، لشکر اسلام نے ان کا
 تعاقب بڑے جوش و خروش سے ہر جانب میں پندرہ، پندرہ، بیس بیس میل تک کیا“

اور مرہٹوں کو مار کر ڈھیر لگا دیا، جو مرہٹے ان دشمنوں کے ہاتھ سے بچ گئے، ان کے
گنواروں نے مار ڈالا، بسواس راؤ اور بھاؤ مائے گئے، جن کو جی سیندھیا کو کسی
درانی نے چھپا رکھا تھا، وہ بھی تلاش کرنے سے پکڑا گیا اور مارا گیا، ابراہیم خاں
گاردی بھی قید ہوا، ایک ہفتہ کی موت نے اس کے زخموں پر بھی مرہم رکھا، شیرپاہ
بھی بھاگتے ہوئے مائے گئے، ماوہ میں ملہار راؤ جان بچا کر نکل گیا، آپا جی سیندھیا
بھی ننگڑا ہو کر وہاں جا پہنچا، ان دوسرے داروں کے سوا کوئی اور نامور سردار
نہیں بچا، مرہٹوں کو ایسی شکست کبھی نہیں ہوئی تھی نہ ایسی مصیبت پڑی تھی،
اس سے ساری قوم کا دل پژمردہ و افسردہ ہو گیا، اس صدمہ سے بالاجی تھوٹے
دنوں کے بعد مر گیا جسے شکست کی خبر سنی تھی، ایک مندر میں بیٹھ کر سنسکرت پڑھانا
اختیار کر لیا تھا۔

بقول ایک مؤرخ کے "مرہٹوں کی طاقت چھپم زدن میں کافور کی طرح اڑ گئی، ہر جہان
سرکار نے لکھا ہے کہ بہار اسٹریٹ کوئی گہرا سیاہ تھا جس میں صفت ماتم نہ بچ گئی ہو، ایندوں کی پوری
نسل ایک ہی محرکہ میں غائب ہوئی۔"

شاہ صاحب کے نقشہ کے مطابق احمد شاہ ابدالی نے وقت کا یہ ضروری کام انجام
دے کر قندھار کی طرف عمان عزیمت ہوئی، مولوی ذکاء اللہ لکھتے ہیں:۔

بعد اس فتح کے احمد شاہ پانی پت سے نواح دہلی میں آیا اور چند روز منوقت رہا
ہندوستان کا بادشاہ شاہ ہزارہ عالی گوہر بنی شاہ عالم کو مقرر کیا، اور بادشاہ سے
شجاع الدولہ کے وزیر اور نجیب الدولہ کے امیر الامراء ہونے کی سفارش کی شاہ عالم اس وقت

دہلی میں نہ تھا، اس لئے اس کے بیٹے جواں بخت کو بادشاہ کا نائب دہلی میں مقرر کیا
اور نجیب الدولہ کو دہلی کا منتظم مقرر کیا اور شجاع الدولہ کو خلعت دے کر اودھ اور
الہ آباد کے صوبوں پر بھیج دیا اور خود قندھار کو چلا گیا۔
پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں کہ:-

• جنگ پانی پت کے بعد احمد شاہ ابدالی نے شاہ عالم کو دہلی بلانے کی بے حد
کوشش کی اور اپنا آدمی بھیجا جب نہ آیا تو احمد شاہ ابدالی نے شاہ عالم کی والدہ نواب
زینت محل سے خط لکھوایا احمد شاہ نے شاہ عالم کو بلانے کی کوشش اس کی تھی کہ وہ انگریزوں
کے اثر سے نکل آئے اور دہلی آکر احمد شاہ کی موجودگی میں اپنی طاقت کا استحکام کر لیں۔
خلیق صاحب لکھتے ہیں کہ:-

• مرہٹوں، جاٹوں، سکھوں کی تحریک میں اتنی وسعت اور ہمہ گیری نہ تھی کہ وہ
ہندوستان کی مرکزیت و وحدت کو برقرار رکھ سکنے کی تدبیر سوچتی، شاہ صاحب
اپنے مجوزہ نظام میں اکبر، جہانگیر، شاہجہاں اور اورنگ زیب کے زمانہ کی مرکزیت
اور سلطنت ہند کے اقتدار اعلیٰ کو بحال دیکھنا چاہتے تھے لیکن اس طرح سے کہ
مطلق العنان بادشاہوں کے بجائے انصاف کی حکومت ہو۔

اگر سلطنت میں تھوڑی سی بھی جان ہوتی تو وہ جنگ پانی پت کے نتائج سے
فائدہ اٹھا کر اپنے اقتدار کو ہندوستان میں پھر کچھ صدیوں کے لئے قائم کر سکتی تھی لیکن
حقیقت یہ ہے کہ مغلیہ سلطنت اس وقت بے روح جسم کی مانند تھی جنگ پانی پت کا
اصلی فائدہ فاتحین جنگ پلاسی نے اٹھایا۔

شاہ عالم نے اپنی پست بہتی اور کوتاہ نظری سے یہ زریں موقع کھو دیا اور ساری کوششوں اور خود اپنی والدہ زینت محل کے مشفقانہ خط کے باوجود پورے دس برس کے بعد ۱۷۷۱ء کے آخر میں ۲۵ دسمبر ۱۷۷۱ء کو قلعہ میں داخل ہوا اس کے بعد اس کے اور اس کے جانشینوں کے ساتھ جو کچھ پیش آیا وہ تاریخ میں تفصیل کے ساتھ درج ہے اس کا نقطہ عروج (CUMAX) ۱۷۸۵ء کا انقلاب سلطنت بلکہ انتزاع سلطنت ہے (اگرچہ سلطنت برائے نام تھی) جو انگریزوں کے ہاتھ پیش آیا، جنہوں نے اپنی دانشمندی اور سیاسی ذہانت سے ہندوستان پر تسلط کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔

شاہ صاحب کے بعد ان کے صحیح جانشین اور علم و بصیرت اور غیرت و حمیت دینی کے وارث ان کے فرزند ارجمند سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز نے اپنے والد نامدار کے شروع کئے ہوئے کام کو نہ صرف جاری رکھا بلکہ اس کی توسیع و تکمیل کی کوشش کی اور سیاسی حالات کی تبدیلی کے ساتھ اپنی توجہ اس وقت کے سیاسی میدان کے اصل حریف اور حقیقی طاقت (انگریزی اقتدار) کی طرف موڑ دی جس نے اب خطرہ سے بڑھ کر (جس کے دیکھنے کے لئے سیاسی بصیرت و کارہوتی ہے) ”واقعہ“ کی شکل اختیار کر لی تھی جس کے دیکھنے کے لئے بصارت بھی کافی ہوتی ہے۔

شاہ عبدالعزیز کے بعد انھیں کے دانش گاہ کے دو تربیت یافتہ صاحب عزیمت داعی و صلح حضرت سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید نے حضرت شاہ صاحب کے سیاسی نقشہ میں (جو انھوں نے نظری طور پر ”حجۃ اللہ الباقیہ“ اور ازالۃ الخفا کے صفحات اور تفہیمات میں پیش کیا تھا) رنگ بھرنے کی کوشش کی اور اس کو خلافت علی منہلج النبوة کی اساس پر قائم کرنے کے لئے اپنی جان کی بازی لگا دی، انھوں نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی

لے اس اجمال کی تفصیل باب یازدہم میں حضرت شاہ عبدالعزیز کے سلسلے میں آئیگی۔

شاہ صاحب کے بعد انھیں کے دانش گاہ کے دو تربیت یافتہ صاحب عزیمت داعی و صلح حضرت سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید نے حضرت شاہ صاحب کے سیاسی نقشہ میں (جو انھوں نے نظری طور پر ”حجۃ اللہ الباقیہ“ اور ازالۃ الخفا کے صفحات اور تفہیمات میں پیش کیا تھا) رنگ بھرنے کی کوشش کی اور اس کو خلافت علی منہلج النبوة کی اساس پر قائم کرنے کے لئے اپنی جان کی بازی لگا دی، انھوں نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی

تعلیمات اور ان کی دی ہوئی روشنی سے کتنا فائدہ اٹھایا ان کے عرائم کتنے بلند ان کی نگاہ
 کتنی دور بین! ان کا قلب کتنا وسیع اور فراخ تھا وہ پنجاب کے مسلمانوں کو سکھوں کی فوجی
 حکومت کے استیصال و استیصال کی اسی طرح کی فوری مصیبت سے بچانے کے بعد جس طرح
 شاہ ولی اللہ صاحب نے مرہٹوں اور جاٹوں کے روزمرہ کے قتل و غارت گری سے اپنے وقت کے
 ماحول و معاشرہ کو بچانے کی کوشش کی تھی (اور انگریزوں کو جن کو وہ "بیگانگان بے وطن
 و تاجران متاع فروش" کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں، نکالنے کے بعد ہندوستان کو وہ کس طرح
 آزاد کرانا اور اسلام کے عدل و مساوات کے اصول پر اس کا نظم و نسق قائم کرنا چاہتے تھے،
 اس کا اندازہ ان کے مکاتیب سے ہوگا جو انھوں نے سلاطین و قوت امراء و مآراء صاحب
 حمیت مسلمانوں اور ہوشمند و ایقان ریاست کو لکھے ہیں۔

اس طرح اس سلسلے کے اہل دعوت و عزیمت کو یہ کہنے کا حق ہے کہ

آغشتہ ایم ہر سر خا سے بخون دل
 قانون باغبانی صحرا نوشتہ ایم



باب دہم

امت کے مختلف طبقات کا احتساب

اور

ان کو دعوت اصلاح و انقلاب

شاہ صاحب کا امتیاز

عام طور پر جن علمائے کبار کا ذوق علمی، تصنیفی اور تحقیقی ہوتا ہے اور ان کو دیکھتے ہیں، باریک بینی اور دقیقہ ریزی سے حصہ وافر عطا ہوتا ہے، وہ عام طور پر مطالعہ کتب، علمی بحث پر تحقیق و تدقیق یا تدریس و تصنیف کے مشغلہ میں ہمہ تن مہمک و مستغرق رہتے ہیں اور معاشرہ کے مختلف طبقات اور عامۃ المسلمین کی کمزوریوں اور بیماریوں سے یا تو بے خبر ہوتے ہیں یا ان کے لئے اس عوامی سطح تک اترنا اور اس علمی نظری بندی سے (جس میں دنیا کی ہر لذت و صلاوت سے بڑھ کر لذت و صلاوت ہوتی ہے) "نزول" دشوار ہوتا ہے۔

علمائے سلف میں اس بارے میں دو شخصیتوں کا واضح طریقہ پر امتثال کیا جاسکتا ہے، ایک حجت الاسلام امام غزالی (متوفی ۵۰۵ھ) کا جنہوں نے اپنی شہرہ آفاق و زند جاوید کتاب احیاء علوم الدین میں اپنے زمانہ کے مسلم معاشرہ اور ملت اسلامیہ کے مختلف طبقات کی بیماریوں اور کمزوریوں کی اس طرح نشاندہی کی ہے کہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ

اپنے زمانہ کی عوامی زندگی اور معاشرہ کے مختلف طبقات سے علماء کے حلقہائے درس اور مشائخ کی مجالس ذکر و فکر سے لے کر خلفاء و سلاطین کے درباروں، امراء کے ایوانوں اور رؤسا کے عشرت خانوں تک اور ان محل سراؤں سے لے کر اہل حرفہ و تاجروں کی دوکانوں اور بازاروں کے پر شور ہنگامہ خیز ماحول تک سے واقف ہیں اور جانتے ہیں کہ نفس و شیطاں نے کس کس طرح سے علماء و رؤسا کے مختلف طبقوں اور عوام و خواص کے مختلف حلقوں کو فریب دے رکھا ہے، دینی مفاسد و محتالوں کس طرح تبدیل ہو گئے ہیں اور وہ مقصد اصلی (سعادت اخروی اور رضائے الہی) سے کس طرح غافل ہیں۔

یہی حال (اجمال تفصیل اور طرز و اسلوب کے فرق کے ساتھ) علامہ ابن جوزی (متوفی ۷۵۰ھ) کا اپنی مشہور تصنیف تلخیص الجلیس میں ہے اس کتاب میں انھوں نے اپنے زمانہ کی پوری مسلمان سوسائٹی کا جائزہ لیا ہے اور مسلمانوں کے ہر طبقہ اور جماعت کو سنت و شریعت کے معیار سے جانچا ہے اور اس کی کمزوریوں بے اعتدالیوں اور غلطیوں کی نشاندہی کی ہے اور اس بابے میں کسی طبقہ کی رعایت نہیں کی، علماء و محدثین فقہاء و واعظین، ادباء و شعراء، سلاطین و حکام، عباد و زبَاد، صوفیائے اہل دین اور عوام سب کا بے لاگ احتساب کیا، اور ان کے مغالطوں کا پردہ چاک کیا ہے۔

لیکن (جہاں تک تلخیص الجلیس کا تعلق ہے) یہ تنقید و احتساب زیادہ تر "سلبی" اور منفی انداز کا ہے اس کے ساتھ اصلاح حال کی مفصل و پرزور مثبت "دعوت نہیں ہے" یا اگر ہے تو مقدار و تاثیر میں اس کے درجہ کی نہیں ہے، غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے

۱۔ تفصیل اور مثالوں کے لئے ملاحظہ ہو احیاء علوم الدین ج ۲ یا تاریخ دعوت و عزیمت ج ۱ ص ۱۶۶ تا ۱۶۸

۲۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تلخیص الجلیس از ص ۱۱۹ تا ۳۹۴ یا تاریخ دعوت و عزیمت ج ۱ ص ۲۳۲ تا ۲۳۹

موضوع کے دائرہ میں اس سے زیادہ گنجائش نہیں تھی۔

مختلف طبقات امت سے خصوصی خطاب

ان دو شہرہ آفاق علماء و داعیانِ دین و معلمینِ اخلاق کے بعد (جو اپنے اصلاحی و تربیتی مقام کے ساتھ عظیم المرتبت عالم و مصنف بھی تھے) ہمیں (اپنے محدود مطالعہ میں) اس سلسلہ میں شاہ ولی اللہ صاحب کا کاغذ نامہ سب سے زیادہ روشن اور تابناک نظر آتا ہے۔ انھوں نے سلاطینِ اسلام، امراء و ارکانِ دولت، فوجی سپاہیوں، اہل صنعت و حرفت، شلخ کی اولاد (پیرزادوں)، غلط کار علماء، متقشف اور خودہ گیر واعظوں اور تارکِ دنیا و عزت گزین زاہدوں کو علیحدہ علیحدہ خطاب کیا ہے، ان کی کھتی ہوئی رگوں پر اٹھکی رکھی ہے، اور ان کی اصلی بیماریوں اور خود فریبیوں کی نشاندہی کی ہے، ان سب کے علاوہ امتِ اسلامیہ سے عمومی اور جامع خطاب فرمایا ہے اور ان کے امراض کی تشخیص کی ہے، اور ان کا علاج بتایا ہے، ان خصوصی خطابات میں شاہ صاحب کے دل کا درد، اسلامی حمیت کا جوش، دعوت کا جذبہ اور زوقِ علم اس نقطہ عروج پر ہے جس کی مثال سابق الذکر مصلحین و مآقِدین اور ان کی مذکورہ بالا کتابوں میں ملنی مشکل ہے، شاہ صاحب کی مشہور کتاب "التفهيمات الالهية" (جلد ۱-۲) سے یہاں پر مختلف اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں جن میں آپ نے اپنے زمانہ کے مختلف ممتاز اور صاحبِ ثبوتوں کے سربراہوں سے خطاب کیا ہے، ان خصوصی خطابات سے شاہ صاحب کی شرف نگاہی

۱۔ یہ کتاب مجلسِ اعلیٰ دہلی کی طرف سے ۱۳۵۹ھ بمطابق ۱۹۳۶ء میں مدینہ پر پیچیدہ طور سے دو جلدوں میں شائع ہوئی

۲۔ شاہ صاحب کی اصل عبارت عربی میں ہے اس کا ترجمہ خود پیش کرنے کے بجائے ہم نے فاضل گرامی (باقی صفحہ ۳۲۶ پر)

حکمت دعوت، اخلاقی جرأت اور واقفیتِ عامہ و خاصہ کا ایسا اظہار ہوتا ہے جس کو دیکھ کر تاریخ کا ایک ایسا طالب علم جو اس عہد و معاشرہ کی زبوں حالی، اہل علم و اہل قلم کی مصلحت اندیشی اور داعیوں و مصلحوں کی اصلاح حال سے بالوسی کی کیفیت سے واقف ہے، انگشت بند رہ جاتا ہے اور بے اختیار کہہ اٹھتا ہے۔ ع

ایسی چنگاری بھی یارب اپنے خاکستر میں تھی؟

سلاطین اسلام سے خطاب

”اے بادشاہ و ائمائے اعلیٰ کی مرضی اس زمانہ میں اس امر پر مستقر ہو چکی ہے کہ تم تلواریں کھینچ لو اور اس وقت تک نیام میں داخل نہ کرو جب تک کہ تم مشرک یا نیکہ بد نہ ہو جاؤ اور اہل کفر و فسق کے سرکش لیڈر کمزوروں کے گروہ میں جا کر شامل نہ ہو جاؤ اور یہ کہ ان کے قابو میں پھر کوئی ایسی بات نہ رہ جائے جس کی بدولت وہ آئندہ سر اٹھا سکیں فَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ تَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ جِلَّةٌ“ (یعنی ان سے جنگ کرتے رہو تا آنکہ فتنہ فروم ہو جائے، اور دین صرف اللہ کے لئے مخصوص ہو جائے) پھر جب کفر و اسلام کے درمیان ایسا کھلا نمایاں امتیاز پیدا ہو جائے تب تمہیں چاہئے کہ ہر قرنِ دن

(باقی صفحہ ۳۲۷) مولانا سید مناظر حسن گیلانی کے اس مضمون کے اقتباسات پیش کرنے پر اکتفا کی ہے جو انھوں نے الفرقان کے شاہ ولی اللہ رقمبر کے لئے آغوشِ موح کا ایک دورۂ تابندہ کے عنوان سے لکھا تھا، اس مضمون میں تفہیمات کے ان ٹکڑوں کو اردو میں ترجمہ کر کے پیش کیا ہے اور ان پر مختلف عنوانات لگا دیئے ہیں اس طرح شاہِ حقل کے مبارک تذکرے کے ساتھ ایک مخلص و متبحر عالم کی یاد بھی تازہ اور زندہ رہے گی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

یا چار دن کے سفر کی منزلوں پر اپنا ایک ایک حاکم مقرر کرو، ایسا حاکم جو عدل و انصاف کا مجتہد ہو، قوی ہو، جو ظالم سے مظلوم کا حق وصول کر سکتا ہو، اور خدا کے حدود کو قائم کر سکتا ہو، اور اس میں سرگرم ہو کہ پھر لوگوں میں بغاوت و سرکشی کے جذبات پیدا نہ ہوں نہ وہ جنگ پر آمادہ ہوں اور نہ دین سے مرتد ہونے کی کسی میں جرأت باقی رہے، نہ کسی گناہ کبیرہ کے ارتکاب کی کسی کو مجال ہو، اسلام کا کھلے بندوں اعلان ہو، اور اس کے شعار کا علانیہ اظہار کیا جائے، ہر شخص اپنے متعلقہ فرائض کو صحیح طور پر ادا کرے، چاہئے کہ ہر شہر کا حاکم اپنے پاس اتنی قوت رکھے جس کے ذریعہ سے اپنی متعلقہ آبادی کی اصلاح کر سکتا ہو۔

مگر اسی کے ساتھ اس کو اتنی قوت فراہم کرنے کا موقع نہ دیا جائے جس کے بل بوتے پر وہ خود ان سے نفع گیر ہونے کی تدبیریں سوچنے لگے، اور حکومت کے مقابلہ پر آمادہ ہو جائے۔

چاہئے کہ اپنے متعلقہ مقبوضات کے بڑے علاقہ اور اقلیم پر ایسے امیر مقرر کئے جائیں جو جنگی مہات کا بھی اختیار رکھتے ہوں، ایسے امیر کے ساتھ بارہ ہزار کی جمعیت رکھی جائے، مگر جمعیت ایسے آدمیوں سے بھرتی ہو، جن کے دل میں جہاد کا ولولہ ہو، اور خدا کی راہ میں کسی کی ملامت سے خوفزدہ نہ ہوں، ہر سرکش اور متمرّد سے جنگ اور مقابلہ کی ان میں صلاحیت ہو — اے بادشاہو! جب تم یہ کہو گے تو اس کے بعد ملّا اعلیٰ کی رضامندی یہ چاہئے گی کہ تم لوگوں کی منزلی اور عائلی زندگی کی طرف توجہ کرو، ان کے باہمی معاملات کو سلجھاؤ، اور ایسا کر دو کہ پھر کوئی معاملہ ایسا نہ ہونے پائے، جو شرعی قوانین کے مطابق نہ ہو، اسی کے بعد

لوگ امن و امان کی صحیح مسرت سے قائل و اطمینان ہو سکتے ہیں۔

امراء و ارکان دولت سے خطاب

اے امیرو! دیکھو کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے، دنیا کی فانی لذتوں میں تم ڈوبے جا رہے ہو، اور جن لوگوں کی نگرانی تمہارے سپرد ہوئی ہے ان کو تم نے چھوڑ دیا ہے تاکہ ان میں بعض بعض کو کھانے اور نکلنے رہیں، کیا تم علانیہ شرابیں نہیں پیتے؟ اور پھر اپنے اس فعل کو تم برا بھی نہیں سمجھتے، تم نہیں دیکھ رہے ہو کہ بہت سے لوگوں نے اونچے اونچے محل اس لئے کھڑے کئے ہیں کہ ان میں زنا کاری کی جائے اور شرابیں ڈھالی جائیں، جو کھیل جائے لیکن تم اس میں دخل نہیں دیتے، اور اس حال کو نہیں بدلتے، کیا حال ہے ان بڑے بڑے شہروں کا جن میں چھ سو سال سے کسی پر حد شرعی نہیں جاری ہوئی، جب کوئی کمزور مل جاتا ہے تو اسے پکڑ لیتے ہو، اور جب قوی ہوتا ہے تو چھوڑ دیتے ہو، تمہاری ساری ذہنی قوتیں اس پر صرف ہو رہی ہیں کہ لذیذ کھانوں کی قسمیں کھاتے رہو، اور نرم گداز جسم والی عورتوں سے لطف اٹھاتے رہو، اچھے کپڑوں اور اونچے مکانات کے سوا تمہاری توجہ اور کسی طرف منحطف نہیں ہوتی، کیا تم نے اپنے سرکھی الشکر کے سامنے جھکائے؟ خدا کا نام تمہارے پاس صرف اس لئے رہ گیا ہے کہ اپنے تذکروں اور قصے کہانیوں میں اس نام کو استعمال کرو، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ الشکر کے لفظ سے تمہاری مراد زمانہ کا انقلاب ہے، کیونکہ تم اکثر کہتے ہو خدا قادر ہے کہ ایسا کر دے، یعنی زمانہ کے انقلاب کی تعبیر ہے۔

فوجی سپاہیوں کو خطاب

”اے فوجیو! اور عسکریو! تمہیں خدا نے جہاد کے لئے پیدا فرمایا تھا مقصد یہ تھا کہ
 اللہ کی بات اونچی ہوگی اور خدا کا کلمہ بلند ہوگا، اور شرک اور اس کی جڑوں کو تم
 دنیا سے نکال پھینکو گے، لیکن جس کام کے لئے تم پیدا کئے گئے تھے اسے تم چھوڑ بیٹھے
 اب جو تم گھوٹے پالتے ہو، اختیار جمع کرتے ہو اس کا مقصد صرف یہ رہ گیا ہے کہ
 محض اس سے اپنی دولت میں اضافہ کرو، اس سلسلہ میں جہاد کی نیت سے تم
 بالکل خالی الذہن رہتے ہو۔۔۔ تم شراب میں میتے ہو، بھانگہ کے پیائے چڑھاتے ہو،
 ڈاڑھیاں منڈواتے ہو اور مونچھیں بڑھاتے ہو، عام لوگوں پر زیادتیاں اور ظلم
 کرتے ہو، حالانکہ جو کچھ ان کا لئے رکھتے ہو اس کی قیمت ان تک نہیں پہنچتی۔
 — خدا کی قسم تم مغرب اللہ کی طرف واپس جاؤ گے، پھر تمہیں وہ بتائے گا جو کچھ
 تم کیا کرتے تھے، تمہارے ساتھ خدا کی یہ مرضی ہے کہ اچھے پارسا صاحبین غازیوں کا
 لباس اور ان کی وضع اختیار کرنا چاہئے کہ اپنی ڈاڑھیاں بڑھاؤ، مونچھیں کٹواؤ،
 پنج وقتہ نماز ادا کیا کرو اور عام لوگوں کے مال سے بچتے رہو، جنگ اور مقابلہ کے
 میدان میں ڈٹے رہو، تمہیں چاہئے کہ سفر اور جنگ وغیرہ کے موقع پر نماز میں جو
 آسانیاں اور رخصتیں رکھی گئی ہیں، انہیں سیکھ لو، مثلاً قصر کرنا، جمع کرنا، سنتوں
 کے ترک کرنے کی اجازت ہے اس سے واقف ہونا، تیمم کی اجازت سے مطلع
 ہونا، پھر اس کے بعد نماز کو خوب زور سے پکڑ لو، اور اپنی نیتوں کو درست کر لو
 اللہ تعالیٰ تمہارے جاہ منصب میں برکت دے گا، اور دشمنوں پر تمہیں فتح عطا فرمائے گا“

اہل صنعت و حرفت سے خطاب

”ارباب پیشہ! دیکھو! امانت کا جذبہ تم سے مفقود ہو گیا ہے تم اپنے رب کی عبادت سے بالکل خالی الذہن ہو چکے ہو اور تم اپنے فرضی بنائے ہوئے معبودوں پر قربانیاں چڑھاتے ہو، تم مدر اور سالار کا حج کرتے ہو، تم میں بعض لوگوں نے فال بازی اور ٹوٹکا اور گنڈے وغیرہ کا پیشہ اختیار کر رکھا ہے، یہی ان کی دولت ہے اور یہی ان کا گھنہ ہے، یہ لوگ خاص قسم کا لباس اور جامہ اختیار کرتے ہیں، خاص طرح سے کھانے کھاتے ہیں ان میں جن کی آمدنی کم ہوتی ہے، وہ اپنی عورتوں اور اپنے بچوں کے حقوق کی پروا نہیں کرتے، تم میں بعض صرف شراب خواری کو پیشہ بنائے ہوئے ہیں اور تم ہی میں کچھ لوگ عورتوں کو کرایہ پر چلا کر پیٹ پالتے ہیں، یہ کیسا بد بخت آدمی ہے، اپنی دنیا و دنیا آخرت دونوں کو برباد کر رہا ہے، حالانکہ حق تعالیٰ نے تمہارے لئے مختلف قسم کے پیشے اور کمانے کھانے کے دروازے کھول رکھے ہیں جو تمہاری اور تمہارے متعلقین کی ضرورتوں کے لئے کافی ہو سکتے ہیں، بشرطیکہ تم اعتدال کی راہ اپنے خرچ میں اختیار کرو، اور محض اتنی روزی پر قناعت کرنے کے لئے آمادہ ہو جاؤ جو تمہیں باسانی اخروی زندگی کے نتائج تک پہنچا دے، لیکن تم نے خدا کی ناشکری کی، اور غلط راہ حصول رزق کی اختیار کی، کیا تم جہنم کے عذاب سے نہیں ڈرتے جو بڑا بڑا بچھونا ہے۔

لے شاہ بدیع الدین مدارکنہدی مراد میں جو شاہ مدار کے نام سے مشہور ہیں۔ لے سید سالار مسعود غازی فین بہرچ

جن کے جھنڈے نکلے جلتے ہیں اور لوگ دور دور سے آکر ان کے عرس میں شریک ہوتے ہیں۔

دیکھو! اپنی صبح و شام کو تم خدا کی یاد میں بسر کیا کرو اور دن کے بڑے حصہ کو اپنے پیشہ میں صرف کرو اور رات کو اپنی عورتوں کے ساتھ گزارو اپنے خرچ کو اپنی آمدنی سے ہمیشہ کم رکھا کرو، پھر جو بچ جائے اس سے مسافروں کی، مسکینوں کی مدد کیا کرو، اور کچھ اپنے اتفاقی مصائب اور ضرورتوں کے لئے پسماندہ بھی کیا کرو۔ تم نے اگر اس راہ کو اختیار نہ کیا تو تم غلط راہ پر جا رہے ہو، اور تمہاری تدبیر درست نہیں ہے۔

پھر اسی طرح مشائخ کی اولاد، اس زمانہ کے طلبہ علم اور واعظوں زاہدوں کو بھی اپنے خصوصیت کے ساتھ پکارا ہے، مثلاً مشائخ کی اولاد کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

مشائخ کی اولاد یعنی پیرزادوں سے خطاب

”اے وہ لوگو! اپنے آبا و اجداد کے رسوم کو بغیر کسی حق کے پکڑے ہوئے ہو یعنی گذشتہ بزرگان دین کی اولاد میں ہو، میرا آپ سے سوال ہے کہ آپ کو کیا ہو گیا ہے کہ کھڑکیوں، تکرلیوں، ٹولیوں، ٹولیوں میں آپ بند گئے ہیں، ہر ایک اپنے اپنے راگ اپنی اپنی منڈی میں آلاپ رہا ہے اور جس طریقہ کو اللہ نے اپنے رسول محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے نازل فرمایا تھا، اور محض اپنے لطف و کرم سے جس راہ کی طرف راہنمائی فرمائی تھی، اسے چھوڑ کر ہر ایک تم میں ایک مستقل پیشوا بنا ہوا ہے، اور لوگوں کو اسی کی طرف بلا رہا ہے، اپنی جگہ اپنے کو راہ یافتہ اور راہ نما ٹھہرائے ہوئے ہے، حالانکہ دراصل وہ خود گمراہ راہ

اور دوسروں کو بھٹکانے والا ہے، ہم ایسے لوگوں کو قطعاً پسند نہیں کرتے جو محض لوگوں کو اس لئے مرید کرتے ہیں تاکہ ان سے سکے وصول کریں، ایک علم شریف کو سیکھ کر دنیا بٹوتے ہیں، کیونکہ جب تک اہل دین کی شکل و شبہات اور طرز و انداز وہ نہ اختیار کریں گے، دنیا حاصل نہیں ہو سکتی۔

اور نہ میں ان لوگوں سے راضی ہوں جو سوائے اللہ و رسول کے خود اپنی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں، اور اپنی مرضی کی پابندی کا لوگوں کو حکم دیتے ہیں، یہ لوگ بٹ مار اور راہ گیر ہیں، ان کا شمار دجالوں کذابوں فتنوں اور ان لوگوں میں ہے جو خود فتنہ اور آزمائش کے شکار ہیں۔

خبردار! خبردار! ہرگز اس کی پیروی نہ کرنا، جو اللہ کی کتاب اور رسول کی سنت کی طرف دعوت نہ دیتا ہو، اور اپنی طرف بلاتا ہو، اور چاہے کسے زبانی جمع خرچ صوفیائے کرام کے اشاروں کے متعلق عام مجلسوں میں نہ کیا جائے کیونکہ مقصد تو (تصوف) سے صرف یہ ہے کہ آدمی کو احسان کا مقام حاصل ہو جائے، لوگو، دیکھو! کیا تمہارے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ کے اس ارشاد میں کوئی عبرت نہیں ہے۔

وَأَنَّ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ یہ میری راہ ہے سیدھی تو اس پر چل پڑو
فَاتَّبِعُوا وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ
بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ۔ (الانعام-۱۵۳) تمہیں اللہ کی راہ سے بھڑا دیں گے!

پھر اس زمانہ کے طلبہ علم کو خطاب کر کے فرماتے ہیں :-

غلط کار علماء سے خطاب

”اے بد عقلو! جنہوں نے اپنا نام ”علماء“ رکھ چھوڑا ہے تم یونانیوں کے علوم میں ڈوبے ہوئے ہو، اور صرف و نحو و معانی میں غرق ہو، اور سمجھتے ہو کہ یہی علم ہے، یاد رکھو! علم یا تو قرآن کی کسی آیت محکم کا نام ہے، یا سنت ثابتہ قائمہ کا۔ چاہئے کہ قرآن سیکھو، پہلے اس کے غریب لغات کو حل کرو، پھر سبب نزول کا پتہ چلاؤ، اور اس کے مشکلات کو حل کرو، اسی طرح جو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح ثابت ہو چکی ہے، اسے محفوظ کرو، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناز کس طرح پڑھتے تھے، وضو کرنے کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا طریقہ تھا، اپنی ضرورت کے لئے کس طرح جاتے تھے، اور کچھ کیونکر ادا فرماتے تھے، جہاد کا آپ کے کیا قاعدہ تھے، لنگو کا کیا انداز تھا، اپنی زبان کی حفاظت کس طرح فرماتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کیا تھے، چاہئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری روش کی پیروی کرو، اور آپ کی سنت پر عمل کرو، مگر اس میں بھی اس کا خیال رہے کہ جو سنت ہے اسے سنت ہی سمجھو، نہ کہ اسے فرض کا درجہ عطا کرو، اسی طرح چاہئے کہ جو تم پر فرائض ہیں، انہیں سیکھو، مثلاً وضو کے ارکان کیا ہیں، ناز کے ارکان کیا ہیں، زکاة کا انصاب کیا ہے، قدر واجب کیا ہے، میت کے حصوں کی مقدار کیا ہے، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عام سیرت کا مطالعہ کرو، جس سے آخرت کی رغبت پیدا ہو، صحابہ اور تابعین کے حالات پڑھو، اور یہ چیزیں فرائض سے فاضل اور زیادہ ہیں، لیکن ان دنوں تم جن چیزوں میں الجھے ہوئے ہو اور

جس میں سرکھپا ہے ہوا اس کو آخرت کے علم سے کیا واسطہ؟ نیا کلمہ ہی ہے۔
پھر ان ہی طلباء کو فرماتے ہیں:۔

”جن علوم کی حیثیت صرف ذرائع اور آلات کی ہے (مثلاً صرف و نحو وغیرہ) تو ان کی حیثیت آکر اور ذریعہ ہی کی رہنے دو، نہ کہ خود انہی کو مستقل علم بنا بیٹھو، علم کا پڑھنا تو اس لئے واجب ہے کہ اس کو سیکھ کر مسلمانوں کی بستیوں میں اسلامی شعائر کو رواج دو، لیکن تم نے دینی شعار اور اس کے احکام کو تو پھیلایا نہیں اور لوگوں کو زائد از ضرورت باتوں کا مشورہ دے رہے ہو۔

تم نے اپنے حالات سے بام مسلمانوں کو یہ باور کرا دیا ہے کہ علماء کی بڑی کثرت ہو چکی ہے، حالانکہ ابھی کتنے بڑے بڑے علاقے ہیں جو علماء سے خالی ہیں، اور جہاں علماء پاٹے بھی جاتے ہیں، وہاں بھی دینی شعائر کو غلبہ حاصل نہیں ہے۔“

پھر آپ نے ان لوگوں کو بھی مخاطب کیا ہے، جنہوں نے اپنے وسوسوں کا نام دین رکھ چھوڑا ہے، اور جو ان کے وسوسے معیار پر پورا نہیں اترتا، گویا دین سے وہ خارج ہے، اس گروہ میں زیادہ تر زہاد، عباد اور عاقل ہی اس زمانہ میں مبتلا تھے، اس لئے عنوان کا آغاز انہیں سے کیا گیا ہے، فرماتے ہیں:۔

دین میں تنگی پیدا کرنے والے و اخطوں اور کنج نشیں زاہدوں سے خطاب

”دین میں خشکی اور سختی کی راہ اختیار کرنے والوں سے میں پوچھتا ہوں، اور

واعظوں اور عابدوں اور ان کئی نشینوں سے سوال ہے جو خانقاہوں میں بیٹھے ہیں کہ جبر اپنے اوپر دین کو عائد کرنے والوں! تمہارا کیا حال ہے ہر بری جلی بات ہر رطب و یابس پر تمہارا ایمان ہے لوگوں کو تم جلی اور گڑھی ہوئی حدیثوں کا وعظ سناتے ہو، اللہ کی مخلوق پر تم نے زندگی تنگ کر چھوڑی ہے، حالانکہ تم تو (اے امت محمدیہ) اس لئے پیدا ہوئے تھے کہ لوگوں کو آسانیاں بہم پہنچاؤ گے نہ کہ ان کو دشواریوں میں مبتلا کر دو گے، تم ایسے لوگوں کی باتیں دلیل میں پیش کرتے ہو، جو بیچارے مغلوب احوال تھے، اور عشق و محبت الہی میں غفلت ہو اس کھو بیٹھے تھے، حالانکہ اہل عشق کی باتیں وہیں کی وہیں پسٹ کر رکھ دی جاتی ہیں نہ کہ ان کا چوچا کیا جاتا ہے تم نے جو اس کو اپنے لئے گوارا کر لیا ہے، اور اس کا نام احتیاط رکھ چھوڑا ہے، حالانکہ تمہیں صرف یہ چاہئے تھا کہ اعتقاداً و عملاً احسان کے مقام کے لئے جن امور کی ضرورت ہے بس اس کو سیکھ لیتے، لیکن جو بیچارے اپنے اپنے خاص حال میں مغلوب تھے، خواہ مخواہ ان کی باتوں کو احسانی خالص امور میں گڈنڈ کرنے کی حاجت نہ تھی، اور نہ ارباب کشف کی چیزوں کو ان میں مخلوط کرنے کی ضرورت تھی، چاہئے کہ مقام احسان کی طرف لوگوں کو بلاؤ، پہلے اسے خود سیکھ لو، پھر دوسروں کو دعوت دو، کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ سب سے بڑی رحمت اور سب سے بڑا کرم اللہ کا وہ ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہنچایا ہے، وہی صرف ہدایت ہے جو آپ کی ہدایت ہے، پھر تم کیا بتا سکتے ہو؟ کہ تم جن افعال کو کرتے ہو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کیا کرتے تھے؟

آخر میں ایک عام خطاب عام مسلمانوں کے نام ہے جس میں کسی خاص طبقہ کی تخصیص نہیں ہے فرماتے ہیں:-

عام مسئلہ سے جامع خطاب امراض کی تشخیص و علاج کی تجویز

”میں مسلمانوں کی عام جماعت کی طرف اب مخاطب ہوں اور کہتا ہوں اے آدم کے بچو! دیکھو تمہارے اخلاق سوچکے ہیں، تم پر بیجا حرص و آرزو کا ہو کھا سوار ہو گیا ہے، تم پر شیطان نے قابو پایا ہے، عورتیں مردوں کے سر چڑھ گئیں ہیں اور مرد عورتوں کے حقوق برباد کر رہے ہیں، حرام کو تم نے اپنے لئے خوشگوار بنایا ہے اور حلال تمہارے لئے بد مزہ ہو چکا ہے، پھر قسم ہے اللہ کی! اللہ نے ہرگز کسی کو اس کے بس سے زیادہ تکلیف نہیں دی ہے، چاہئے کہ تم اپنی شہوانی خواہشوں کو نکاح کے ذریعہ پوری کرو، خواہ تمہیں ایک سے زیادہ نکاح ہی کیوں نہ کرنا پڑے اور اپنے مصارف و وضع قطع میں تکلف سے کام نہ لیا کرو، اسی قدر خرچ کرو جس کی تم میں سکت ہو یا در کھو! ایک کا بوجھ دوسرا نہیں اٹھاتا، اور اپنے اوپر خواہ مخواہ تنگی سے کام نہ لو، اگر تم ایسا کرو گے تو تمہارے نفوس بالآخر فسق کے حدود تک پہنچ جائیں گے، اللہ تعالیٰ اس کو پسند فرماتا ہے کہ اس کے بندے اس کی آسانیوں سے نفع اٹھائیں، جیسا کہ یہ بھی اسی کو پسند ہے کہ جو چاہیں وہ اعلیٰٰ ارج پر احکام کی پابندی بھی کر سکتے ہیں، اپنے شکم کی خواہشوں کی تکمیل چاہئے کہ کھانوں سے کرو اور اتنا کمانے کی کوشش کرو جس سے تمہاری ضرورتیں پوری ہوں، دوسروں کے سینوں کے بوجھ بننے کی کوشش نہ کرو کہ ان سے مانگ مانگ کر کھایا کرو،

تم ان سے مانگو اور وہ نہ دیں، اسی طرح بیچاے بادشاہوں اور حکام کے اور بھی بوجھ
 نہ بن جاؤ، تنہا نے یہی پسندیدہ ہے کہ تم خود کا کرکھایا کرو، اگر تم ایسا کرو گے تو
 خدا تمہیں معاش کی بھی راہ نبھائے گا، جو تمہارے لئے کافی ہوگی۔

اے آدم کے بچو! جسے خدا نے ایک جائے سکونت دے رکھی ہو جس میں وہ آرام
 کرے، اتنا پابان سے وہ سیراب ہوا تنا کھانا جس سے بسر ہو جائے، اتنا کپڑا
 جس سے تن ڈھک جائے، ایسی بیوی جو اس کی شرمگاہ کی حفاظت کر سکتی ہو،
 اور اس کو رہن بہن کی جلد جہد میں مدد دے سکتی ہو، تو یاد رکھو کہ دنیا کامل طور سے
 اس شخص کو مل چکی ہے، چاہئے کہ اس پر خدا کا شکر کرے۔

بہر حال کوئی نہ کوئی کمائی کی راہ آدمی ضرور اختیار کرے اور اسی کے ساتھ عفت
 کو اپنا دستور زندگی بنائے اور رہنے پہنے میں اعتدال کا جامہ اختیار کرے اور
 اللہ کی یاد کے لئے جو فرصت ہم دست ہو اسے غنیمت شمار کرے، کم از کم تین وقتوں
 صبح شام اور پچھلی رات کے ذکر کا خاص طور پر خیال رکھے، حق تعالیٰ کی یاد اس کی
 تسبیح و تہلیل اور قرآن کی تلاوت کے ذریعہ سے کیا کرے، اور رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم کی حدیث سے اور ذکر کے حلقوں میں حاضر ہوا کرے۔

اے آدم کے بچو! تم نے ایسے بگڑے ہوئے رسوم اختیار کر لئے ہیں جن سے دین کی
 اصلی صورت بگڑ گئی ہے، تم عاشورا کے دن بھوٹی باتوں پر اکٹھے ہوتے ہو، اسی طرح
 شب برات میں کھیل کود کرتے ہو، اور مردوں کے لئے کھانے پکچا کر کھلانے کو اچھا
 خیال کرتے ہو، اگر تم سچے ہو تو اس کی دلیل پیش کرو۔

اسی طرح اور بھی بری بری رسمیں تم میں جاری ہیں جس نے تم پر تمہاری زندگی

تنگ کر دی ہے، مثلاً تقریبات کی دعوتوں میں تم نے حد سے زیادہ تکلف برتنا شروع کر دیا ہے، اسی طرح ایک بڑی رسم یہ بھی ہے کہ کچھ بھی ہو جائے لیکن طلاق کو گویا تم نے ناجائز ٹھہرایا ہے، یونہی بیوہ عورتوں کو نکاح سے روکے رہتے ہو، ان رسموں میں تم اپنی دولت ضائع کرتے ہو، وقت برباد کرتے ہو اور جو صحت بخش روش تھی، اسے چھوڑ بیٹھے ہو۔

تم نے اپنی نمازیں برباد کر رکھی ہیں، تم میں کچھ لوگ ہیں جو دنیا کانے میں اپنے دھندوں میں اتنے پھنس گئے ہیں کہ نماز کا انھیں وقت ہی نہیں ملتا، کچھ لوگ ہیں جو قصہ کہانی سننے میں وقت گناتے ہیں، خیر کچھ بھی اگر ایسی مجلسیں لوگ ایسے مقامات پر قائم کیا کرتے جو مسجدوں سے قریب ہوں تو شاید ان کی نمازیں ضائع نہ ہوتیں، تم نے زکاۃ کو بھی چھوڑ دیا ہے، حالانکہ کوئی ایسا دولت مند نہیں ہے جس کے اقربا و اعزہ میں حاجت مند لوگ نہیں ہوتے، اگر ان لوگوں کی وہ مدد کیا کریں اور ان کو کھلایا پلایا کریں اور زکاۃ کی نیت کر لیا کریں تو یہ بھی ان کے لئے کافی ہو سکتی ہے۔

تم میں بعضوں نے روزے چھوڑ رکھے ہیں، خصوصاً جو فوجی ملازم ہیں کہتے ہیں کہ وہ روزہ رکھنے پر قادر نہیں ہیں، یعنی جو محنت انھیں برداشت کرنی پڑتی ہے، اس کے ساتھ روزے نہیں رکھ سکتے، تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ تم نے راہ غلط کر دی ہے، اور تم حکومت کے سینہ پر بوجھ بن گئے ہو، بادشاہ جب اپنے خزانہ میں اتنی گنجائش نہیں پاتا جس سے تمہاری تنخواہ ادا کرے، تب رعایا پر زندگی کو دشوار کرتا ہے، سپاہیو! یہ تمہاری کیسی بڑی عادت ہے۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں۔

جو روزے رکھتے ہیں لیکن سحری نہیں کرتے اور رمضان میں ان سخت کاموں کو
 نہیں چھوڑتے، جن کی وجہ سے روزے ان پر گراں ہو جاتے ہیں۔
 انہیں فرماتے ہیں:۔

”لا اعلیٰ کی طرف سے اصلاحی مطالبات کا اس زمانہ میں جن جن امور سے
 متعلق تقاضا ہو رہا ہے اس کا ایک طویل باب ہے لیکن کھڑکی سے آدمی بڑی
 نیکیوں کو بھانک سکتا ہے اور ڈھیر کے لئے اس کا نمونہ کافی ہے۔“

اصلاح رسوم و تطہیر معاشرہ

شاہ صاحب نے ان خصوصی طبقات سے خصوصی خطاب پر ہی اکتفا نہیں کیا،
 بلکہ اس وقت کے مسلم معاشرہ میں حدیثوں سے ہندؤں کے درمیان رہنے، حدیث و سنت کی
 عدم اشاعت، علمائے دین کی غفلت و کوتاہی اور اسلامی حکومت کی فرض ناشناسی اور
 دینی احتساب کے فقدان کی وجہ سے جو ہندوانہ رسوم، بدعات اور غیر اسلامی شعائر رواج پا گئے
 تھے اور مسلمان سختی سے ان کے پابند تھے، ان پر بھی شاہ صاحب نے نیک فرمائی اور ان عقائد
 فاسدہ، توہمات اور غیر مسلموں کی تقلید کی مذمت کی، عام طور پر وہ علماء، جن کا معقولات
 و علوم حکمت سے اشتغال تھا، ان عادات و رسوم کو معمولی سمجھ کر یا اس بکھیرے اور مخالفت
 عوام سے بچنے کے لئے ان کو نظر انداز کر دیا کرتے تھے، حضرت مجدد الف ثانیؒ کے بعد جنہوں نے
 اپنے متعدد مکتوبات میں ان عقائد شرک، شائرجاہیت و رسوم فاسد کی تردید و مذمت کی ہے،
 اصلاح رسوم اور اسلامی معاشرہ کی تطہیر کا کام حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے ذریعہ

شروع ہوا جس کی تکمیل ان کے فرزند ان گرامی مرتبت اور انھیں کے خاندان کے تربیت یافتہ
مصلحین امت حضرت سید احمد شہید (خلیفہ شاہ عبدالعزیز) حضرت شاہ اسماعیل شہید
(نسیرہ حضرت شاہ ولی اللہ) نے کی ہے۔

یہاں پر تفہیمات اور وصیت نامہ (فارسی) کا ایک قبباس پیش کیا جاتا ہے :-
”ہندوؤں کی عادات شنیعہ میں سے ایک یہ ہے کہ جب کسی عورت کا شوہر مر جاتا
ہے تو اسے وہ دوسری شادی نہیں کرنے دیتے عربوں میں یہ عادت بالکل نہ تھی نہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نہ ان کے زمانہ میں نہ بعد میں اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرما
جو اس شنیع عادت کو ختم کرے۔ اور اگر عام لوگوں سے اس کا رواج ختم نہ ہو سکے تو اپنی
قوم کے درمیان ہی عربوں کے طریقہ کو رواج دینا چاہئے اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو
اس عادت کو قبیح سمجھنا اور دل سے اس کا دشمن ہونا چاہئے کہ یہ ہی منکر کا سب سے
آخری درجہ ہے۔“

ہماری دوسری بری عادت یہ ہے کہ بہت لمبا مہر باندھتے ہیں، آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم (کہ آپ سے ہمارے دین و دنیا کی عزت وابستہ ہے) اپنے گھر والوں
کے مہر (جو بہترین خلائق تھے) ساڑھے بارہ اوقیہ مقرر فرمائے تھے جس کے پانچ سو
درم ہوتے ہیں۔

ہماری ایک دوسری بری عادت اسراف کی ہے کہ خوشی کے موقعوں اور رسموں
میں بہت خرچ کرتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شادیوں میں صرف ولیمہ اور

لے ملاحظہ ہو صراطِ مستقیم (از قادات حضرت سید احمد شہید، جمع کردہ شاہ اسماعیل شہید) نیز کتاب سیرۃ احمد شہید

عقیدہ ثابت ہے چنانچہ ان دونوں کی پابندی کرنی چاہئے، اور اس کے علاوہ سے
بچنا چاہئے، یا ان کا زیادہ اہتمام نہیں کرنا چاہئے۔

ہماری بری عادتوں میں غم کے موقعوں، شیم، چلم، ششماہی، فاتحہ اور سالانہ کے
نام پر بھی اسراف ہے، حالانکہ ان میں سے کسی کا عرب و لہین میں رواج نہیں تھا،
بہتر یہی ہے کہ میت کے ورثہ کی تین دن تعزیت اور ایک شب و روز کے کھانے کے
علاوہ کوئی اور رسم نہ کریں، تین دن کے بعد قبیلہ کی عورتیں جمع ہو کر میت کی عورتوں
کے کپڑوں میں عطر ملیں، اور اگر میت کی زوجہ حیات ہو تو حدت گزرنے کے بعد
سوگ کا سلسلہ ختم کر دیں۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم نے اپنے مضمون "منصب تجدید کی حقیقت" اور
تاریخ تجدید میں حضرت شاہ ولی اللہ کا مقام " (الفرقان ولی اللہ نمبر) میں ازالۃ الخفاء و تغبیات
کے اقتباسات کو پیش کرنے کے بعد صحیح لکھا ہے کہ :-

"ان اقتباسات سے ایک دھندلا سا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ شاہ صاحب نے
مسلمانوں کے ماضی اور حال کا کس قدر تفصیلی جائزہ لیا ہے، اور کس قدر جامعیت کے
ساتھ ان پر تنقید کی ہے، اس قسم کی تنقید کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سوسائٹی میں جتنے
صالح عناصر موجود ہوتے ہیں، جن کے ضمیر و ایمان میں زندگی، جن کے قلب میں بڑے
اور بھلے کی تمیز ہوتی ہے، ان کو حالات کی خرابی کا احساس سخت مضطرب کر دیتا ہے،
ان کی اسلامی حس اتنی تیز ہو جاتی ہے کہ اپنے گرد و پیش کی زندگی میں جاہلیت کا ہر اثر
انہیں کھٹکنے لگتا ہے، ان کی قوت امتیاز اتنی بڑھ جاتی ہے کہ وہ زندگی کے ہر پہلو میں

اسلام اور جاہلیت کی آمیزشوں کو محسوس کرنے لگتے ہیں اور ان کی قوت ایمانی اس قدر بیدار ہو جاتی ہے کہ خازنِ جاہلیت کی ہر کھٹک انھیں اصلاح کے لئے بھین کر دیتی ہے اس کے بعد مجدد کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ ان کے سامنے تعمیرِ نو کا ایک نقشہ واضح صورت میں پیش کرے تاکہ حالت موجودہ کو جس حالت سے بدلنا مطلوب ہے اس پر وہ اپنی نظر جاسکیں اور اپنی تمام سعی و عمل کو اسی سمت میں مرکوز کر دیں یہ تعمیری کام بھی شاہ صاحب نے اسی خوبی اور جامعیت کے ساتھ انجام دیا جو ان کے تنقیدی کام میں آپ دیکھ چکے ہیں۔



باب یازم

فرزندان گرامی قدر، خلفائے عالی مرتبت نامور معاصر

لائق فرزندان وجائشین

مصلحین امت و مجددین اسلام میں حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی پر اللہ تعالیٰ کے جو خصوصی انعامات اور اہل دعوت و عزیمت میں آپ کو جو امتیازات حاصل ہیں ان میں ایک تاریخی امتیاز اور اللہ تعالیٰ کا آپ کے ساتھ معاملہ خاص یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے فرزند وجائشین عطا فرمائے جو نہ نعم الخلف نعم السلف کے صحیح مصداق ہیں اور جنہوں نے حضرت شاہ صاحب کے جلائے ہوئے چراغ کو نہ صرف روشن و تاباں رکھا، بلکہ اس سے سیکڑوں چراغ جلائے پھر ان چراغوں سے وہ چراغ جلتے رہے جن سے اس پورے تھمتی براعظم (ہندوستان) اور ہندوستان کے باہر بھی کتاب و سنت عقائد حقہ، اشاعت توحید خالص، رد شرک بدعت، اصلاح رسوم، تزکیہ نفس، حصول درجہ احسانی، اعلائے کلمۃ اللہ و جہاد فی سبیل اللہ، حمیت دینی، تاسیس مدارس دینیہ، دین کی صحیح تعلیم کی ترجمانی و تبلیغ کے لئے تصنیف و تالیف اور تراجم قرآن و کتب حدیث و فقہ کا مبارک سلسلہ اس وقت سے لے کر اس وقت تک جاری ہے، اگر ان مبارک اقدامات و مسامی کی تاریخ دیکھی جائے اور خیر و برکت کے ان مراکز اور سلسلوں کے ”شجرہ نسب“ کی تحقیق کی جائے

تو معلوم ہوگا کہ ایک دیئے سے دوسرا دیا جلتا رہا، اور یہ سب چراغ اس چراغ سے روشن ہوئے جو بارہویں صدی ہجری کے وسط میں حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے آندھیوں کے طوفان میں جلایا تھا، اس وقت بے اختیار فارسی کا شیر زبان پر آتا ہے۔

یک چراغیست در ایں خانہ کہ از پر تو آں
ہر کجای نگرم انجمنے ساختہ اند

عجیب مماثلت

فرزندان گرامی اور ان کے ذریعہ سے اپنی خصوصی دعوت اور اس سلسلہ کی اشاعت میں (جو ہزار کمالات کے باوجود تذکرہ و تراجم کی کتابوں میں ایک نادر و نایاب خصوصیت ہے) آپ کو اپنے ہی سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے بانی اور شیخ الشیوخ حضرت مجدد الف ثانیؒ سے عجیب مماثلت ہے، حضرت مجدد الف ثانیؒ کے چار فرزند ان گرامی درجہ کمال کو پہنچے، خواجہ محمد صادق، خواجہ محمد سعید، خواجہ محمد مصوم، خواجہ محمد یحییٰ، ان میں سے اول الذکر حضرت خواجہ محمد صادق کا ۲۵ سال کی عمر میں ۱۰۲۵ھ میں انتقال ہو گیا، حضرت مجددؒ سے ان کے باپے میں بلند کلمات منقول ہیں، سلسلہ مجددیہ کی اشاعت میں آخر الذکر فرزند ان گرامی کے ذریعہ ہوئی اور حضرت سید آدم بنوریؒ کو مستثنیٰ کر کے (جن کا تعلق حضرت نسب کے بجائے نسبت کا تھا، اور وہ نسبت الہی قوی اور مقبول تھی کہ انھیں کے سلسلہ میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ، حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر تھے، اور ان کے خلفائے نامد اور علمائے کبار ہیں) اس سلسلہ عالیہ کی توسیع و تبلیغ اور حضرت مجددؒ کے شروع کئے ہوئے لئے ان چار کے علاوہ حضرت مجددؒ کے بقیہ صاحبزائے شیر خوارگی اور مغربی میں وفات پائے تھے۔

کا تجدید و انقلاب کی تکمیل انھیں تین فرزند ان گرامی قدر کے ذریعہ ہوئی، پھر ان تینوں میں حضرت خواجہ محمد معصوم کو امتیاز خاص حاصل ہے کہ ان کے ذریعے سے یہ سلسلہ ترکستان عرب اور ترکی تک پہنچا اور کہنے والے نے صحیح کہا کہ

چراغ ہفت کشور خواجہ معصوم

موراز فروغش ہند تا روم

پھر آپ ہی کا مخفی ہاتھ اور تو جہات باطنی تھیں کہ اکبر کے تخت پر دو پشتوں کے بعد ہی وہ باحیثیت، مجاہد و غازی، متشرع اور فقیہ سلطان آیا، جو امی دین بننے کے بجائے حامی دین، اور ہادم ملت کے بجائے خادم ملت قرار پایا، جس کو حضرت خواجہ شریع سے اپنے مکتوبات میں ”شہزادہ دین پناہ“ لکھ کر اس کا عظیم کے لئے تیار کر رہے تھے۔

بالکل اسی طرح حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے چار باکمال فرزند چھوٹے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے فرزند ان گرامی کا بھی یہی معاملہ ہے کہ ان کے چار صاحبزادوں میں سے شاہ عبدالغنی صاحبؒ کا (جو اپنے بھائیوں میں سب سے صغیر السن تھے) اپنے بھائیوں میں سب سے پہلے (۱۲۲۴ھ میں) انتقال ہو گیا، شاہ صاحبؒ کی تعلیمات آپ کے علوم و معارف کی

لے شاہ صاحبؒ کی پہلی اہلیہ سے شیخ محمد کے نام سے ایک فرزند تھے، جن کا انتقال شاہ صاحبؒ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد جوانی میں ہو گیا تھا، ان کا ذکر گذشتہ صفحات میں گذر چکا ہے مختصر ترجمہ ”زبہ انوار“ میں بھی ہے۔
۲۔ حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ انھیں کے فرزند تھے، شاہ صاحبؒ کی وفات کے بعد یہی چار صاحبزادے (شاہ عبدالعزیز صاحبؒ، شاہ رفیع الدین صاحبؒ، شاہ عبدالقادر صاحبؒ اور شاہ عبدالغنی صاحبؒ) معروف و مشہور ہوئے۔
صاحبزادوں کی ترتیب وفات عکس ہے سب سے چھوٹے صاحبزادہ شاہ عبدالغنی صاحبؒ نے پہلے (۱۲۲۶ھ میں) پھر ان سے بڑے شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے (۱۲۳۲ھ میں)، پھر شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے (۱۲۳۳ھ میں) پھر حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے (۱۲۳۹ھ میں) وفات پائی۔

تبلیغ و اشاعت، مردانِ کار کی تربیت و تکمیل اور تدریس و تصنیف کا وہ طرز خاص جس میں شاہ صاحب کا ذوق، اور اجتہاد و تجدید کا رنگ جھلکتا تھا، انھیں تین صاحبزادوں کے ذریعہ جاری رہا، پھر ان میں بھی سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کو اپنے بھائیوں میں وہ مقام حاصل ہوا، جو حضرت مجدد کے صاحبزادوں میں حضرت خواجہ محمد مصنوم کو حاصل ہوا تھا، اور ان کے ذریعہ حضرت شاہ صاحب کے سلسلہ، اور آپ کے علوم و تعلیمات کی عالمگیر اشاعت ہوئی، اور بعض شعبوں کی تو اس طرح توسیع و تکمیل ہوئی کہ ادب کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ع۔

اگر پڑنتواند پس تمام کند

قبل اس کے کہ ہم شاہ صاحب کے شروع کئے ہوئے کاموں کی اس تکمیل و توسیع و ترقی کا ذکر کریں جو شاہ عبدالعزیز صاحب کے ہاتھوں عمل میں آئی، ہم ان کے مختصر حالات زندگی اور تذکرہ و تعارف پیش کرتے ہیں اس سلسلہ میں ہم مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "نہرۃ الخواطر" کی جلد ہفتم سے ان کا تذکرہ نقل کرنے پر اکتفا کریں گے جو ماقلاً و دل کا مصداق ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ

امام العلماء، راس الفضلاء، علامہ محدث شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی، شہنشاہ عبدالرحیم عمری دہلویؒ، خود اپنے زمانہ کے علماء کے سردار اور گزشتہ علماء کے سربراہ کے چشم و چراغ، بعض لوگوں نے آپ کو "سراج الہند" اور بعض نے "حجۃ اللہ" کا خطاب دیا۔ آپ پنجشنبہ کی رات ۲۵ رمضان ۱۱۵۹ھ میں پیدا ہوئے، جیسا کہ آپ کے

تاریخی نام "غلام حلیم" سے معلوم ہوتا ہے، آپ نے قرآن شریف کے حفظ سے فراغت پائی اور اپنے والد ماجد سے تعلیم کا سلسلہ شروع کیا، آپ نے ان سے قرأت و سماعت کے ذریعہ پوری تحقیق و درایت اور توجہ سے علم حاصل کیا، جس سے آپ کو علوم میں مکملہ راسخہ حاصل ہو گیا، جب آپ ۱۶ سال کے تھے تو آپ کے والد ماجد نے انتقال کیا، اس کے بعد آپ نے شیخ نور الشربطی، شیخ محمد امین کشمیری سے استفادہ کیا، آپ کو اجازت علمی شاہ محمد عاشق بن عبید اللہ بھلتی سے حاصل ہوئی جو آپ کے والد ماجد کے تربیت یافتہ اور محرم راز تھے، آپ نے ان حضرات سے ان علوم و کمالات میں استفادہ اور ان کی تکمیل کی جو والد صاحب کی وفات سے تشنہ تکمیل تھے، اپنے ایک رسالہ میں آپ نے اپنے والد صاحب اور دوسرے علماء سے اپنے استفادہ کی تفصیل لکھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے کتب حدیث میں پوری موطاع سنی اور مشکوٰۃ المصابیح اپنے والد صاحب سے پڑھیں، حسن حصین، اور شمائل ترمذی کی آپ کے درس میں سماعت کی جس کی قرأت آپ کے بھائی شیخ محمد کرتے تھے، صحیح بخاری کتاب الحج تک کی سماعت سید غلام حسین بکلی کی قرأت سے کی، جامع الترمذی، سنن ابی داؤد کی سماعت مولوی ظہور اللہ مراد آبادی کی قرأت سے اور مقدمہ صحیح مسلم اور اس کی بعض احادیث اور سنن ابن ماجہ کے کچھ حصوں کی سماعت محمد جواد بھلتی کی قرأت سے، سلسلات اور مقاصد جامع الاصول کے بعض حصوں کی سماعت مولوی جبار اللہ نزیل مکہ کی قرأت اور سنن النسائی کے کچھ حصوں کی سماعت آپ نے اپنے والد ماجد کے حلقہ درس میں کی، صحاح ستہ کے باقی ابواب کی سماعت آپ نے اپنے والد ماجد کے خلفاء سے جیسے شیخ نور اللہ اور خواجہ محمد امین سے کی اور ان کے علاوہ کتابوں کی اجازت عامہ اپنے والد کے خلیفہ ارشد

اور ماموں زاد بھائی شاہ محمد عاشق پھلتی اور خواجہ محمد امین سے پائی، اور ان دونوں کے لئے آپ کے والد ماجد صاحب کا اجازت نامہ ”تغیبات الہیہ“ اور ”شفاء العلیل“ میں موجود ہے، ان لوگوں نے آپ کے والد صاحب سے پڑھا ہے، جبکہ شاہ محمد عاشق، آپ کے والد ماجد کی شیخ ابوطاہر مدنی کی خدمت میں قرأت و سماعت اور ان سے اجازت میں شریک بھی تھے، ان کی اسانید ان کی کتاب ”الدشاد فی مہمات الاسناد“ وغیرہ رسائل میں مذکور ہیں۔

آپ طویل القامت، نحیف البدن، گندم گوں، کشادہ چشم تھے، داڑھی گھنی تھی، خط نسخ و رقاع بڑی خوبصورتی کے ساتھ لکھتے تھے، تیر اندازی، شہ سواری اور موسیقی میں بھی مہارت تھی، آپ کے بھائیوں، شاہ عبدالقادر، شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالغنی اور آپ کے داماد مولانا عبدالکحی، بن ہبۃ اللہ بڑھانوی نے درس لیا، مفتی الہی بخش کاندھلوی اور سید قمر الدین سونی پتی آپ سے قرأت و سماعت میں آپ کے بھائیوں کے ساتھ تھے، حضرت شاہ غلام علی مجددی (خلیفہ حضرت مرزا مظہر جان جانا) نے آپ سے صحیح بخاری پڑھی، مولانا سید قطب الہدیٰ بن مولانا محمد واضح رائے بریلوی نے آپ سے صحیح ستہ کا درس لیا۔

آپ کے دوسرے اصحاب نے آپ کے بھائیوں سے پڑھا ہے اور آپ کے سند لی ہے، آپ کی مجلسوں میں حاضر رہے ہیں، اور آپ کا درس قرآن سنا ہے، اور آپ سے حسب توفیق استفادہ کیا ہے، آپ کے نواسہ شاہ محمد اسحاق بن افضل عمری آپ کے یہاں قاری تھے، جو ہر روز قرآن مجید کے ایک رکوع کی تلاوت کرتے تھے، اور شاہ صاحب اس کی تفسیر فرماتے تھے، یہی آپ کے والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہ کا طریقہ بھی تھا، شاہ ولی اللہ رحمۃ

کا آخری درس قرآن آیت "إِعْدُوا هَؤُلَاءِ قُتُوبَ لِقَايَ" تک ہوا تھا، جہاں سے شاہ عبدالعزیز صاحب نے اپنا درس شروع کیا، آپ کا آخری درس "إِنَّ الْكُفْرَ عِنْدَ اللَّهِ أَنْتَقَمَ" تک ہوا تھا، وہاں سے آپ کے نواسہ شاہ محمد اسحاق صاحب نے اپنا درس شروع کیا جیسا کہ مقالات طریقت میں ہے، آپ اپنے علم و فضل، فہم و ذکا، اور سرعت حفظ میں یگانہ روزگار تھے، آپ نے پندرہ سال کی عمر ہی سے درس و افادہ کا سلسلہ شروع کر دیا اور آپ سے بڑے بڑے فضلاء نے استفادہ کیا، اکثر اطراف کے طلبہ آپ کی خدمت میں اس ذوق و شوق سے حاضر ہوئے جیسے پیاسا پانی پر گرتا ہے۔

پچیس سال کی عمر میں آپ کو متعدد ذاتی رماں امراض نے گھیر لیا جن کے سبب آپ مراقبہ، جذام، برص میں مبتلا ہوئے اور بصارت بھی جاتی رہی، بعض واقفان حالی نے آپ کے چودہ تکلیف دہ امراض کا ذکر کیا ہے، اس وجہ سے آپ نے اپنی تمدنی ذمہ داری اپنے دونوں بھائیوں خاریج الدین صاحب اور شاہ عبدالقادر حنظل کے سپرد کر دی، مگر اس کے ساتھ خود بھی درس دیتے تھے، تصنیف و افتاء اور وعظ کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا، ہر شنبہ کو آپ کا ہفتہ وار وعظ قرآن مجید کی تفسیر پر مشتمل ہوتا تھا، اخیر عمر میں آپ مجلس میں تھوڑی دیر بھی نہیں بیٹھ سکتے تھے، اس لئے اپنے قدیم و جدید مدرسہ کے درمیان ٹہلتے رہتے اور لوگ بڑی تعداد میں اس حالت میں بھی استفادہ کرتے اور آپ کا درس و افتاء اور وعظ ہوتا رہتا تھا، اسی طرح عصر و مغرب کے درمیان دو آدمیوں کی مدد سے مدرسہ اور جامع مسجد کی درمیانی سڑک پر نکلتے تھے، لوگ راستہ میں آپ کے منظر رہتے اور اپنی مشکلاں حل کراتے۔

انہیں امراض میں عدم اشتہا کا مرض اس حد تک بڑھ گیا کہ کئی کئی دن کسی چیز کے

چکھنے کی بھی نوبت نہ آتی اور بخار کی طرح اس کی بھی باری آتی تھی آپ نے ”مناقب حیدریہ“ کی تقریظ میں لکھا ہے :-

”اس تقریظ میں کوتاہی کے لئے میں معذرت خواہ ہوں، جو اعذار اور امراض کے سبب ہوئی جن کی وجہ سے بھوک بالکل ختم ہو گئی ہے اور کھانے کی نوبت باری کے بخار کی طرح آتی ہے ایسا غائبانہ پت کے غلبہ کے سبب ہے قویٰ معنہ عمل ہو گئے، جو اس میں فرق آگیا، اعضاء کمزور پڑ گئے، ہڈیاں اور ڈاڑھیں بھی کمزور ہو گئیں۔ امیر حیدر بن نور احسن بلگرامی کو خط میں لکھتے ہیں :-

”اگر آپ اپنے محب کا حال پوچھتے ہیں تو وہ بہت خراب ہے اور صبح و شام اس میں اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے اور اسے ظاہری و باطنی آلام گھیرے ہوئے ہیں، قرار و سکون چھین گیا ہے اور قلق و اضطراب بڑھ گیا ہے اور یہ سب ایسے امراض کے سبب ہے جن میں سے ایک مرض بھی آدمی کو پریشان اور غمزدہ کرنے کے لئے کافی ہے، جیسے بواسیر، معدہ اور آنتوں میں ریاح کا رکنا، اس حد تک فقدان اشتہا کہ کئی رات دن کھانا چکھنے کی بھی نوبت نہیں آتی، بخارات جب قلب کی طرف چڑھتے ہیں تو دم گھٹنے کی کیفیت ہو جاتی ہے یہ جب دماغ کی جانب پہنچتے ہیں تو تکلیف دہ درد سر شروع ہو جاتا ہے جو ہاؤن دستہ کے ضرب کی طرح محسوس ہوتا ہے ”ذِی الْحَمْلِ الْمُشْتَكِي وَهُوَ الْمُسْتَعَان“ یہ حالت ایک لفظ بھی بولنے کی اجازت نہیں دیتی، چہ جائیکہ کوئی کتاب الملکرا کے یا کوئی پیغام لکھوا سکے۔“

آپ کو حیرت ہو گی کہ آپ ان موذی امراض کے وجود لطیف الطبع، حاضر و آغوش گفتار ہے اور تواضع، بشاشت اور مہر و محبت کی یہی ادا قائم رہی جو شروع سے تھی آپ کی صحبت میں فکر کو

جلا بخشی تھی، ان صحبتوں میں حیرت انگیز خبریں، چیدہ اشعار، دور دراز کے ملکوں، ان کے باشندوں اور وہاں کے عجائبات کا بیان اس طرح ہوتا تھا جس سے سامعین کو محسوس ہوتا تھا کہ آپ اپنے مشاہدات بیان فرما رہے ہیں، حالانکہ آپ نے کلکتہ کے علاوہ کوئی اور شہر نہیں دیکھا تھا، مگر آپ غیر معمولی طور پر ذہین اور متبحر فطرت کے مالک تھے، جس کے سبب آپ نے باہر سے دہلی آنے والوں اور معلومات افزا کتابوں سے (جن کے مطالعہ سے مشاہدہ کی کیفیت حاصل ہو سکتی ہے) یہ معلومات اپنے دماغ میں محفوظ کر لئے تھے۔

لوگ آپ سے علمی استفادہ کے لئے حاضر ہوتے، شاعر و ادیب، ادبی استفادہ اور اپنا کلام دکھانے کے لئے، اور محتاج و ضرورت مند لوگ امراء سے سفارش کرانے اور آپ کی ممکن ہر حاصل کرنے کے لئے آتے، کیونکہ آپ کے اخلاق کریمانہ کی شہرت عام تھی، اسی طرح مریض دوا و علاج کے لئے حاضر ہوتے، اہل جذب سلوک آپ سے روحانی استفادہ کے لئے آپ کے پاس جاتے تھے، پر دیسی علماء و مشائخ کو آپ اپنے یہاں ٹھہرتے اور ان کی حاجت روائی کرتے، اگر آپ کے پاس کوئی مخالف یا ایسا شخص بیٹھتا جسے دینی مسائل میں کچھ اختلاف ہوتا تو آپ اپنی سحر بیانی سے

لے مولوی محمد حسین آزاد: "آب حیات" میں لکھتے ہیں کہ شاہ نصیر زکریا میں کسی کی فرمائش سے "شکر ایک غزل" کہی تھی جس کی ردیف تھی، "آتش و آب و خاک، باد و غل، شاعر میں سنائی اور کہا کہ اس طرح میں جو غزل کہے اسے میں استادانتا ہوں، دوسرے مشاعرہ میں استاد ذوق نے (جو شاہ نصیر کے شاگرد تھے) اسی پر غزل پڑھی، شاہ صاحب کی طرف سے بجائے خود اس پر اعتراض ہوئے، جن قریب تھا، شیخ علیہ الرحمہ نے بادشاہ کی تعریف میں ایک قصیدہ اسی طرح میں لکھا مگر پہلے مولوی شاہ عبدالعزیز صاحب کے پاس لے گئے کہ اس کے صحت و قلم سے آگاہ فرمائیں، انھوں نے سن کر پڑھنے کی اجازت دی مگر وہی عہد بہادر نے اپنے ثقہ کے ساتھ اسے پھر شاہ صاحب کے پاس بھیجا انھوں نے کہا تھا وہی جواب میں لکھ دیا، شیخ مرحوم کا دل اور بھی قوی ہو گیا اور دربار شاہی میں جا کر قصیدہ بنایا، "آب حیات" ۲۵۲-۲۵۳ از مصنف

آگ اور پانی اور متضاد چیزوں میں اتحاد پیدا کر دیتے، اور وہ آپ سے متفق وہم خیال ہو کر جدا ہوتا۔
شیخ محسن بن یحییٰ ترمذی "البيان الجني" میں لکھتے ہیں:-

• وہ فضل و کمال اور شہرت و مقبولیت کے اس مقام پر فائز تھے کہ اطراف ہند کے لوگ ان سے انتساب بلکہ آپ کے تلامذہ و متبیین سے بھی ادنیٰ نسبت پر فخر کرتے تھے..... آپ کے ان کمالات میں جن میں آپ کا کوئی معاصر آپ کا مقابل نہ تھا، آپ کی حاضر و ماضی اور حاضر جوابی بھی تھی جس کے سبب آپ بحث میں غالب آتے اور مخاطب کو جواب کر دیتے، انھیں کمالات میں آپ کی قادر الکلامی جن تعبیر و خوبی تحریر بھی تھی جس میں اہل نظر نے آپ کو سب پر فائق تسلیم کیا تھا، آپ کے ایسے ہی کمالات میں آپ کی بے مثل فراست بھی تھی، جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے تعبیر خواب کی امتیازی صلاحیت عطا کی تھی، آپ خواب کی ایسی تعبیر دیتے جو پوری ہوتی تھی، لو آپ کی چشم دید معلوم ہوتی تھی، یہ صلاحیت بڑے پاک نفس انسانوں ہی کے حصہ میں آتی ہے، ان کے علاوہ بھی آپ کے متعدد فضائل و کمالات ہیں، مختصر یہی کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات میں نوع بہ نوع اور گونا گوں فضائل جمع کر دیئے تھے، جو ابنائے دہر میں پھیلے ہوئے تھے، اگر یہ شعر کہنے والا شاعر ان کو دیکھتا تو اس کو صاف معلوم ہوتا کہ اس کا مبالغہ بھی قاصر ہے۔

ولم أر أمثال الرجال تفاوتا لدى المجد حتى عُدَّ ألف بواحد

(میں نے انسانوں کی طرح فرق مراتب نہیں دیکھا جس کے سبب ہزار انسان ایک کے

برابر شمار ہوتے ہیں۔)

اس صورت میں آپ کے مفاخر و فضائل کا شمار کون کر سکتا ہے؟ شاہ عبدالعزیز حبیب کی سبب تصنیفات علماء کے حلقوں میں بالعموم وقعت و قبولیت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں اور ان سے استدلال کیا جاتا ہے، ان کے اسلوب تحریر میں ایسی قوت اور فصاحت و سلاست ہے کہ

کان ان سے حلاوت پاتے ہیں اور دل ان سے لذت یاب ہوتے ہیں، ان کے کلام میں تاثیر و تسخیر کی ایسی قوت ہے کہ اس سے متاثر و متفق نہ ہونا مشکل ہے، آپ کوئی کمزور اور قابل اعتراض تحریر دیکھتے تو بڑی خوش اسلوبی سے اس کی تردید فرماتے تھے، کلامی مسائل میں مذہب شیعہ آپ کا خاص موضوع بحث و تنقید رہا ہے، آپ نے ایسے عالمانہ و منطقیانہ انداز سے اس پر بحث کی ہے کہ اس کا جواب شافی ابھی تک نہیں ہو سکا ہے۔

آپ کی مشہور تصانیف میں یہ کتابیں ہیں:۔

تفسیر قرآن ستمی: فتح العزیز، جسے آپ تے شدت مرض اور ضعف کی حالت میں املاء کرایا تھا، یہ کئی بڑی جلدوں میں تھی، جس کا بڑا حصہ ۱۳۵۷ھ کے ہنگامہ میں ضائع ہو گیا، اور صرف شروع اور اخیر کی دو جلدیں بچ گئیں، انھیں میں ”الفتاویٰ فی المسائل المشکلة“ بہت ضخیم تھی، مگر اب اس کا خلاصہ دو جلدوں میں ملتا ہے، انھیں کتابوں میں ”تحفۃ اثنا عشریہ“ (جو مذہب شیعہ کی تنقید و تردید میں ہے) ایک بے ضل کتاب ہے، دوسری کتابوں میں ”بستان المحدثین“ ہے جو کتب حدیث اور محدثین کی تفصیلی فہرست و تذکرہ ہے، جو نامکمل رہی، ”الجمالة النافعة“ اصول حدیث میں ایک فارسی رسالہ ہے، طلبہ حدیث کے حفظ کے لئے بھی ایک رسالہ ہے، ”میزان البلاغة“ علم بلاغت کا ایک بہترین متن ہے، اسی طرح ”میزان الکلام“ علم کلام میں ایک متن ہے، ایک رسالہ ”البرہان الجلیل فی مسئلة التفضیل“ ہے، جس میں خلفائے راشدینؓ کے فرق مراتب پر گفتگو ہے، ایک رسالہ ”مسئله الشہادۃ“ جو شہادت

لے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کا پایہ فقہ حنفی میں بہت بلند تھا، اس میں ان کو رسوخ کامل اور تفقہ کا درجہ حاصل

تھا اور بعض اہل نظر کے نزدیک وہ اس میں حضرت شاہ ولی اللہؒ سے بھی فائق تھے۔ (مصنف)

لے اس کتاب سے شاہ صاحب کی طبقات محدثین اور کتب حدیث پر وسعت نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔

حضرات حسینؑ کے بیان میں ایک صدی رسالہ ہے، ایک رسالہ انساب میں ہے، ایک رسالہ "تعبیر رؤیا" پر ہے، ان کے علاوہ اور بھی رسائل ہیں، منطق و حکمت کی کتابوں میں "میرزا ہد رسالہ"، "میرزا ہد تاجل" "میرزا ہد شرح مواقع" پر آپ کے حاشیے ہیں، "حاشیہ ملا کو سج" پر "عزیزیہ" کے نام سے آپ کا حاشیہ ہے، صدر شیرازی کی "شرح ہدایۃ الحکمت" پر بھی آپ کا حاشیہ ہے، "ارجوزہ الصمعی" کی شرح بھی لکھی ہے، علماء و ادباء کے نام آپ کے بہت سے خطوط بھی ہیں، اپنے والد ماجد کے قصائد بائیں و ہمزہ کی نفیس تحفیں بھی کی ہیں، نظم و نثر، قوت تحریر، حسن انشاء، خوبی تعبیر میں آپ اپنی مثال تھے، آپ کی تحریریں برجستگی، ویدہ گوئی، قلم کی روانی اور زور و نویسی کی اچھی مثال ہیں۔ نماز فجر کے بعد کیشنبہ، شوال ۱۲۳۹ھ کو انہی سال کی عمر میں انتقال فرمایا، آپ کی قبر دہلی میں شہر کے باہر آپ کے والد ماجد کے قریب ہے۔

شاہ صاحب کی تصانیف و تالیفات

شاہ صاحب کے تجریدی کا نامہ کو ہم پانچ شعبوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

- ۱۔ قرآن مجید کی ترجمانی، مسلمانوں میں اس کی تعلیمات و مضامین کی اشاعت عام، اس کے ذریعہ سے عقائد کی اصلاح اور دین خالص سے عوام کے براہ راست ربط و تعلق کی سہجی جہل۔

۲۔ شاہ صاحب کا عربی کلام بالخصوص ان کا قصیدہ "لامید" جو ان کے ترجمہ میں "نہایت الخواطر" میں منقول ہے (عربیت کا اعلیٰ نمونہ ہے اور اس میں وہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے عربی کلام سے بھی فائق معلوم ہوتا ہے، اہل زبان کی سہی عربیت ان کے بعد ان کے تلمیذ رشید مفتی عبدالدین خاں صاحب کے عربی کلام میں نظر آتی ہے، ملاحظہ ہو وہ ابیات جو نوز کلام کے طور پر الثقافة الاسلامیة فی الہند، اور "نہایت الخواطر" میں مفتی صاحب کے تذکرہ میں منقول ہیں۔ (مستف) ۲۵۔ "نہایت الخواطر" ج ۱، ۲۶-۲۷ باختصار خفیف۔

- ۲۔ حدیث کی نشر و اشاعت اس کے درس و اجازت کے سلسلہ کا احیاء اس کے حلقہائے درس کا اجر ہو اور اساتذہ حدیث اور شارحین کتب حدیث کی تربیت۔
- ۳۔ فتنہ رض و تشیع کا مقابلہ صحابہ کرامؓ اور قرآن عظیم کو مجروح و مشکوک بنانے والی کوششوں اور سازشوں کا سدباب۔
- ۴۔ جہاد فی سبیل اللہ کا احیاء اور ہندوستان میں اسلامی اقتدار اور مسلمانوں کی آزادی کے لئے بڑے خطرے اور چیلنج کا مقابلہ۔
- ۵۔ ان مردان کار کی تربیت جو حالات اور وقت کے تقاضوں اور دین کے حقیقی مطالبہ کے مطابق دعوت و اصلاح کا کام انجام دیں۔

اشاعت و تبلیغ قرآن

جہاں تک عوام تک قرآن مجید کے پہونچانے اور اس کے ذریعہ سے عقائد باطلہ اور رسوم فاسدہ کی اصلاح اور ربط مع اللہ کی کوشش کا تعلق ہے، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے اس سلسلہ میں اپنے والد بزرگوار کے کام کو بہت ترقی دی اور اس میں بڑی عمومیت اور وسعت پیدا کر دی، شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا درس قرآن سورہ نساء کی آیت "اعدوا" ہوا قرب للفقویٰ، تک پہونچا تھا کہ آپ کی وفات ہو گئی، شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے یہیں سے درس شروع کیا، سورہ حجرات کی آیت "ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم" تک پہونچے تھے کہ یہ سلسلہ بھی آپ کے سلسلہ حیات کے ساتھ ختم ہوا، آپ کی وفات کے بعد آپ کے نواسہ (جو کلیۃً آپ ہی کے تربیت یافتہ اور آپ کے صحیح جانشین تھے) شاہ محمد اسحاق صاحبؒ نے درس شروع کیا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صلی اللہ علیہ وسلم کا درس قرآن ہر سہ روز ہوتا تھا جس میں خواص بطریق خاص اور عوام بڑے ذوق و شوق سے شریک ہوتے تھے اس درس میں آپ کی طبیعت اپنے پورے جوش پر ہوتی تھی اور مضامین کی آمیزش روایات کی طرح، اس درس کا دار السلطنت دہلی میں (جو علماء و فضلاء کا بھی مرکز تھا) قرآن مجید کا ذوق عام ہوا، اصلاح عقائد کی ایک طاقتور رو چلی اور ترجمہ قرآن اور درس تفسیر کا وہ مبارک سلسلہ شروع ہوا جو اس وقت تک اس برصغیر میں جاری ہے اور جس سے لاکھوں انسانوں کی اصلاح ہوئی اور ان کے دل دماغ حلاوت توحید اور لذت قرآن سے آشا ہوئے خود مدارس عربیہ میں اسی درس کے فیض یافتہ اور تربیت یافتہ علماء کے اثر سے متن قرآن کے درس افہام و تفہیم کا سلسلہ شروع ہوا جس کو نصاب درس میں مختصر تفسیر کی شکل میں تبرکاً جگہ دی گئی تھی اور علماء دنیا کا پھیلا یا ہو اسیم ٹوٹا کہ قرآن مجید کی اشاعت عوام میں بڑے دینی خطرات، بلکہ ضلالت کا پیش خیمہ ہے اس میں یہ مخفی اندیشہ کام کر رہا تھا کہ عوام ان پیشہ ور علماء کے ہاتھ سے نکل جائیں گے جنہوں نے قرآن کو چیتان بنا رکھا تھا اور عوام کو اس سے دور رکھنے کی کوشش کی تھی۔

حضرت شاہ صاحب کا دوسرا علمی و اصلاحی کارنامہ تفسیر فتح العزیز کی شکل میں ہے جسے "تفسیر عزیزی" اور "تفسیر التفاسیر" کا نام بھی دیا گیا ہے یہ شاہ صاحب کی باقاعدہ املا کی ہوئی مستقل تصنیف ہے خود شاہ صاحب کی تصریح کے مطابق وہ سورۃ الفاتحہ، سورۃ البقرہ، پھر سورۃ الملک، آخر قرآن تک ہے، لیکن سورۃ بقرہ مکمل نہیں ہو سکی (جس کے اسباب معلوم نہیں ہو سکے) صرف ربع پارہ دوم کے قریب تک آیت "اَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ" تک طبع ہو سکی اصل فارسی تفسیر کے

لے ملاحظہ ہو محفوظات حضرت شاہ عبدالعزیز صلی اللہ علیہ وسلم قدیم درس میں جلالین کا ل اور بیضاوی شریف (سورۃ بقرہ) ہوتی تھی پورے متن قرآن کے ترجمہ و تفسیر کا راجح تھا۔

لے مقدمہ تفسیر فتح العزیز از حضرت شاہ عبدالعزیز صلی اللہ علیہ وسلم، مقدمہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس تصنیف کا سلسلہ برادر بزرگ مولانا محمد بن شاہ ولی اللہ صاحب کی تحریک و تقاضے سے مشتمل میں شروع کیا گیا۔

متعدد ایڈیشن شائع ہوئے ہیں، کتاب تین جلدوں میں ہے، پہلی جلد سورہ فاتحہ سے لے کر پارہ دوم کے ربیع کے قریب تک ہے، دوسری جلد سورہ الملک (اتیسویں پارہ) سے لے کر آخر سورہ المراتل تک ہے تیسری جلد سورہ عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ (سورہ نباء) سے شروع ہو کر آخر قرآن مجید یعنی سورہ الناس کے ختم تک ہے۔

شاہ صاحب کے بعد ان کے شاگرد رشید علامہ حیدر علی فیض آبادی (م ۱۲۹۹ھ) صاحب ”منتہی الکلام“ نے اس کا مکملہ لکھا، صاحب ”مقالات طریقت“ لکھتے ہیں کہ: ”مولوی حیدر علی صاحب ”منتہی الکلام“ نے حسب خواہش سکندر بیگم والی بھوپال تفسیر فتح العزیزہ کا مکملہ تائیس جلدوں میں کیا راقم نے دیکھا ہے۔“
یہ مکملہ صرف پانچویں پارہ کے اختتام تک کتب خانہ ندوۃ العلماء میں محفوظ ملتا ہے ابتداء کے ایک دو ورق نہیں ہیں۔

ایک کتاب (اردو میں) ”تفسیر عزیزی“ المعروف بوخط عزیزی کے نام سے مطبع انصاری دہلی کی چھپی ہوئی بھی ملتی ہے جس میں اس کے مرتب ابو الفریح محمد امام الدین صفا کی تصریح کے مطابق شاہ صفا کا درس قرآن و حدیث (جو ہر شنبہ اور جمعہ کو ہوتا تھا) قلمبند کر کے پیش کیا گیا ہے یہ ۱۲۵۹ھ کی تالیف ہے اور سورہ المؤمنون سے سورہ الصافات تک ہے۔

لیکن اس عدم تکمیل کے باوجود اس تفسیر میں بہت سے ایسے نکات و تحقیقات ہیں بہت سی مشہور تفاسیر میں نہیں ملتیں شاہ صفا کے درس تفسیر اور آپ کی کتاب تفسیر فتح العزیز میں ان مسائل پر خاص طور پر تحقیق کلام کیا گیا ہے جن کے بارے میں اس وقت کے علماء نے تحقیق و تصانیب سے بکا نہیں دیا تھا، اور اس کی وجہ سے عوام کی ایک بڑی تعداد فساد عقیدہ اور شرکانہ اعمال تک میں گرفتار تھی مثلاً آیت ”وَمَا أَهْلٌ بِمِ الْغَيْبِ إِلَّا اللَّهُ“ کی تفسیر جو اس کتاب کے خصوصی مقامات میں ہے اسی طرح سحر کی بحث (وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ إِلَّا أَنْهَ كَذِبِ) کے ذیل میں

اور بعض دوسری آیات کے سلسلہ میں تحقیقاتِ نادہ اس کتاب کی خصوصیات میں سے ہیں۔

حدیث کی تدریس و ترویج

جہاں تک درس حدیث اور اس کی ترویج و اشاعت کا تعلق ہے ہندوستان کی علمی و دینی تاریخ میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے آپ کے درس حدیث کی مدت تقریباً چونتیس سال کی ہے اس تدریس نے نہ صرف صحاح کا درس دیا اور بہتان المحدثین العجالة ان افندہ جیسی مفید و قیمتی کتب جو حدیث کا صحیح ذوق طبقاً حدیث و اقیقت اور محدثین کا مرتبہ شناس بنانا اور اصولی سے واقف کرنا اور یہ سب سیکڑوں صفحات کا عطر اگیلے آپ نے حدیث کے ایسے اساتذہ کاغذ پر لکھ کر شاگردین پیدا کئے جنہوں نے ہندوستان ہی میں نہیں حجاز میں بھی درس حدیث کا فیض عطا کیا اور ایک نام کر سنبھال لیا آپ کے ان باکمال تلامذہ کی تعداد جن کے تراجم ضرر نہ بہتہ انخواطر کی جلد ہفتم میں موجود ہیں چوبیس ہے اور بہت ان میں وہ حضرات جن سے حدیث درج حلقے قائم ہوئے اور انھوں نے حدیث کے دوسرے شیوخ و اساتذہ پر آئیے حسبِ فیہ ہیں:-

مولانا شاہ محمد اسحق دہلوی مولانا شاہ محمد یعقوب دہلوی مفتی الہی بخش کاندھلوی مولانا سید
اولاد حسن قنوجی مرزا حسن علی شافعی لکھنوی مولانا حسین احمد علی آبادی شہید مولانا حیدر علی ٹوکی مولانا
خرم علی بلہوری مفتی صدر الدین دہلوی مولانا مفتی علی کبیر چلی شہری مولانا سید قطب لہری حنفی رائے دہلوی۔
ان کے علاوہ جن لوگوں نے آپ سے حدیث کی سند لی ان کی فہرست اتنی طویل ہے کہ
اس کا استقصاء مشکل ہے یہاں ان چند حضرات کے نام لکھے جاتے ہیں جو اپنے بعض دوسرے
کمالات یا سلسلہ طریقت یا شہرت کے لحاظ سے امتیاز خاص رکھتے ہیں:-

حضرت شاہ غلام علی دہلوی (خلیفہ اعظم حضرت مرزا مظہر جان جانا)

حضرت شاہ ابوسعید دہلوی (خلیفہ حضرت شاہ غلام علی صاحب)

حضرت شاہ احمد سعید دہلوی (خلیفہ حضرت شاہ غلام علی صاحب)

حضرت مولانا فضل رحمن گنج مراد آبادی (خلیفہ حضرت شاہ محمد آفاق دہلوی)
 مولانا بزرگ علی مارہروی (استاذ مفتی عنایت احمد صاحب کاکوروی)
 شاہ بشارت الشہرہ راجھی (مجددی سلسلہ کے ایک بڑے شیخ)
 شاہ پناہ عطا سلونوی (سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے ایک بڑے شیخ جن کو مکاتبہ اجاز حاصل تھی)
 شیخ ظہور الحق پھلواری۔

ان تلامذہ حدیث اور تربیت یافتہ شیوخ میں حدیث کی سب سے بڑی اشاعت حضرت
 شاہ محمد اسحاق صاحب کے ذریعہ ہوئی جنہوں نے ۱۲۵۸ھ میں مکہ معظمہ ہجرت کی اور ان سے
 حجاز کے ممتاز ترین علماء نے حدیث کی سند لی۔

آپ کے تلامذہ میں مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی معروف بہ میاں صاحب، قاری
 عبدالرحمن صاحب، پانی پتی، مولانا سید عالم علی مراد آبادی، مولانا مفتی عبدالقیوم ابن مولانا
 عبدالحی بڑھانوی (تالیف اجل حضرت سید محمد زبید) حضرت مولانا فضل رحمن گنج مراد آبادی،
 نواب قطب الدین دہلوی (مصنف مظاہر حق) مولانا احمد علی سہارنپوری (محدثی و ناسخہ
 صحیح بخاری) مفتی عنایت احمد کاکوروی (استاد اساتذہ العلماء مولانا لطیف اللہ ضاعلی گڑھی)
 اور بہت سے علماء ہیں جن کی فہرست طویل ہے بقول صاحب ”نزہۃ الخواطر“ ہندوستان
 میں یہی سند حدیث باقی رہی۔

حضرت شاہ محمد اسحق صاحب کے تلامذہ میں تنہا مولانا سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی
 (م ۱۳۲۰ھ) نے دہلی میں ساہا سال حدیث کا درس دیا اور آپ کے درس سے متعدد جلیل القدر
 ناشرین و شارحین حدیث پیدا ہوئے جن میں مولانا عبد المنان وزیر آبادی (جن کے کثیر التعداد
 تلامذہ پنجاب میں مصروف درس و افادہ تھے) عارف بالشریہ عبداللہ غزنوی امرتسری اور ان کے

فرزند جلیل مولانا سید عبد الجبار غزنوی امرتسری (والد مولانا سید داؤد غزنوی) مولانا شمس الحق ڈیالوی مصنف غایۃ المقصود، مولانا محمد حسین بٹالوی، مولانا غلام رسول قلعوی، مولانا محمد بشیر ہسوانی، مولانا امیر احمد ہسوانی، مولانا حافظ عبد الشکر غازی پوری ابو محمد مولانا ابراہیم آروی صاحب طریق النجاة، مولانا سید امیر علی بیج آبادی، مولانا عبد الرحمن مبارک پوری صاحب تحفۃ الاحوذی، (اور علمائے عرب میں سے) شیخ عبدالشرین ادیلی کھنسی السنوسی، شیخ محمد بن ناصر النجدی، شیخ سعد بن احمد بن عتیق النجدی، کے نام اس درس کی وسعت و افادیت کا اندازہ کرنے کے لئے کافی ہیں۔

حضرت شاہ محمد اسحق صاحب کے تلامذہ میں حضرت شاہ عبدالغنی مہاجر دہلی (م ۱۲۹۶ھ) بھی شامل ہیں جن سے ہندوستان کے کبار علماء و اساتذہ حدیث کو شرف تلمذ حاصل ہے اور ان کے ذریعہ سارا ہندوستان حدیث کے نور سے منور اور معمور ہو گیا، اور اس وقت کے سارے حلقہائے درس اور مدارس عربیہ انھیں سے شرف انتساب رکھتے ہیں، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (بانی دارالعلوم دیوبند) ان کے نامور تلامذہ میں سے ہیں، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کے تلامذہ کبار میں مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ صاحب بذل المجہود کا نام لینا کافی ہے، مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ کے تلامذہ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی مصنف اوجز المسالک وغیرہ کا نام لینا کافی ہے، مولانا محمد قاسم صاحب کے تلامذہ میں مولانا سید احمد امروہی اور شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی اور ان کے تلامذہ میں مولانا سید انور شاہ کشمیری اور مولانا سید حسین احمد مدنی کا نام اور کام محتاج تعارف نہیں، شاہ صاحبؒ

کے علو اسناد، عموم فیض اور بلند مرتبہ کے لئے ان کے شاگرد رشید مولانا محسن بن یحییٰ ترمہتی کی مشہور کتاب "ایانہ الحبی فی أسانید الشیخ عبد الغنی" کا مطالعہ معلو اور افزا و بصیرت افزا ہے۔

نصرت سنت و ردّ شیعہ

جہاں تک فتنہ رض و تشیع کے مقابلہ اور اس کے اثر سے اہل سنت کو محفوظ رکھنے کے کارنامہ کا تعلق ہے، اور جس کی ابتدا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی بے نظیر کتاب "ازالۃ الخفاء" سے کی تھی، اس کی تکمیل اور تقویت حضرت شاہ عبد العزیز نے اپنی نادر و روزگار تصنیف "تھذیب اثنا عشریہ" سے کی، جو ان کتابوں میں ہے، جن کو _____ تاریخ ساز کہا جاسکتا ہے، اور جس طرح ملامت الشربہاری کی تصانیف "سلم العلوم" اور "سلم الثبوت" نے تقریباً سترہ سو برس تک علمائے ہند کو اپنی شرح و تحشیہ میں مشغول رکھا، اور ان کی بہترین ذہانتوں اور توانائیوں کو مرکوز کر لیا، اسی طرح اس کتاب کے جواب نے ممتاز ترین شیعہ علماء کو تصنیف و تالیف میں مشغول کر دیا، تنہا عبقات جس کا پورا نام "عبقات الانوار فی إمامۃ الأئمۃ الأطہار" ہے، اور جس کے مصنف مولوی سید حامد حسین صفا کنتوری (م ۱۳۱۳ھ) ہیں، آٹھ جلدوں میں لکھی گئی،

لہ مولانا حکیم سید علی صاحب کی کتاب "الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند" مطبوعہ مجمع اللغة العربیۃ دمشق اور اس کے اردو ترجمہ "اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں" مطبوعہ دار المصنفین اعظم گڑھ سے ان شروح و حواشی کی حیرت خیز تعداد معلوم ہو سکتی ہے جو ان دونوں کتابوں بالخصوص سلم کی شرح میں لکھی گئیں۔ لہ کتاب کے متعدد اجزاء لکھنؤ و لدھیانہ کے مختلف مطابع میں شائع ہوئے ہیں۔

اس کتاب کی ضخامت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس کی جلد اول ۱۲۵۱ صفحات میں جلد دوم ۹۷۷ صفحات میں سوم ۶۰۹ صفحات میں چہارم ۳۹۹ صفحات میں، پنجم ۲۷۵ صفحات میں ششم کل صفحات ۷۰۴، بقیہ حصص علیٰ ہذا النقیاس۔۔۔۔۔ پوری کتاب ۳۰ حصوں میں ہے، مصنف کے فرزند مولوی سید ناصر حسین صاحب نے کتاب کی تکمیل کی، کتاب نجوم السماء سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی سید حامد حسین صاحب کے علاوہ مولوی ولد ارہلی صاحب مجتہد اول، حکیم مرزا محمد کامل دہلوی مفتی محمد قلی خاں کنٹوری، اور سلطان العلماء سید محمد صاحب بھی اس کتاب کی تردید میں اور اس کے اثر کو زائل کرنے کے لئے ضخیم کتابیں تصنیف کیں، یہ سلسلہ مرزا باہری رسوا لکھنوی پر جا کر ختم ہوا، جو ادب و فلسفہ کے میدان کے آدمی تھے، لیکن انھوں نے بھی اس کار خیر میں حصہ لینے کی کوشش کی۔

تدریسی مشغولیت و انہماک، درس تفسیر و حدیث، اشاعت کتاب سنت، بیعت ارشاد و تربیت مریدین، افتاء و فصل خصومات کی ہوش ربا مشغولیت میں اور مختلف عوارض و امراض کی موجودگی میں شاہ صاحب کو اس مسئلہ کی طرف ہمہ تن متوجہ ہونے کا خیال اور ایک ایسی کتاب تصنیف کرنے کی فرصت کیسے ہوئی جس کے لئے بیسیوں کتابوں اور ہزاروں صفحات کا مطالعہ اور ذہنی کیسوٹی اور توجہ کامل ضروری تھی؟ اس کا اندازہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ بارہویں صدی ہجری کے وسط و آخر (اٹھارویں صدی کے نصف آخر کی) ہندوستان یا خصوصاً شمالی ہند، دہلی اور اس کے اطراف اور اودھ، بہار و بنگال کے مسلم معاشرہ و تمدن کی صورت حال پر گہری نظر نہ ہو، اور اس ذہنی انتشار و دینی تشکیک اور سلمان خاندانوں یا خصوصاً شرفاء، اہل حکومت اور صاحب اثر طبقہ پر تشیع کے اثرات اور اس کے اقدامی و جارحانہ رویہ سے واقفیت نہ ہو، اس کا اندازہ وہ شخص نہیں کر سکتا، جس نے ہمایوں کے

ایران سے واپس آنے کے بعد سے فرخ سیر اور اس کے بعد تک کے سیاسی و انتظامی انقلابات ایرانی النسل امراء و علماء کے اثر و نفوذ، سید برادران (حسن علی خاں اور حسین علی خاں) کے دربار دہلی پر اثر و رسوخ، پھر دہلی میں نواب نجف علی خاں کے تسلط کی تفصیلات، نیز اودھ میں نواب ابوالمنصور خاں صفدر جنگ نیشاپوری کے خاندان کی حکومت قائم ہو جانے اور شجاع الدولہ کے بعد سے شیعیت کے اثرات کا جائزہ نہ لیا ہو، اس کا کسی قدر اندازہ شاہ عبدالعزیز صاحب کے اس بیان سے ہو سکتا ہے، جو تحفہ کے مقدمہ میں ان کے محتاط قلم سے نکلا ہے، وہ فرماتے ہیں:-

”اس ملک میں جس میں ہم سکونت پذیر ہیں، اور اس زمانہ میں جو ہمارے میں آیا ہے، مذہب اشاعہ شری کارواج اور اس کے شیوع کی نوبت اس حد تک آگئی ہے کہ (سینوں کے) کم گھروں گے جن میں ایک دو شخص اس گھر کے اس مذہب کے پیرو اور اس عقیدہ کی طرف راغب نہ ہوں، ان میں سے اکثر علم تائید و اخبار سے بے خبر اور اپنے اسلاف کے حالات و اصول سے ناواقف اور غافل نظر آتے ہیں، جب مجالس اور محافل میں اہل سنت و الجماعت کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں تو کچھ بیانی

لے نواب نجف علی خاں کا دہلی پر مکمل تسلط و اقتدار تھا، اور وہ کھل کر تشیع کے حامی اور اہل سنت کے مخالف تھے ان کی تعدی کے متعدد واقعات مشہور ہیں، جو خواہ کلینہ صحیح نہ ہوں اور ان میں بالغذا یا تعصب کا کام لیا گیا ہو، مگر ان کی کچھ اصل ضرور ہے، غالباً اس تعدی سے بچنے کے لئے، شاہ صاحب نے تحفہ کی تصنیف کی نسبت اپنے مشہور نام کے بجائے، اپنے تاریخی نام ”غلام حلیم“ کی طرف کی ہے، اور سرورق پر حسب ذیل عبارت ہے۔

”مصنف عالم باعمل فاضل اکمل حافظ غلام حلیم ابن شیخ قطب الدین احمد بن شیخ ابوالفیض دہلوی قدس سرہم کتاب کا جواب لکھنے والوں نے جہاں مصنف کا والد دیا ہے وہاں فاضل عزیز کے تعصب یا در کیا ہے۔

اور غلط بحث سے کام لیتے ہیں، اس غرض کے لئے حسبہ اللہ تعالیٰ یہ رسالہ ترتیب دیا گیا تاکہ بحث و مناظرہ کے وقت اس مذہب کے پیروپٹری سے اترنے نہ پائیں اور خود اپنے اصول کے منکر نہ ہوں اور ان بعض امور میں جو حقیقت پر مبنی ہیں حک و تردد کو راہ نہ دیں!

شاہ صاحب نے اس کتاب میں ان مناظرانہ اور متکلمانہ کتابوں اور اسلوب کی پیروی نہیں کی، جو کسی مخالف فرقہ کی تردید و ابطال میں لکھی جاتی ہیں اور ان کی خاص زبانی ہوتی ہے، اولاً اس کتاب میں مذہب تشیع کے پیدا ہونے اور اس کے مختلف فرقوں میں تقسیم ہونے کا بیان ہے، اسی طرح فرقہ شیعہ کے اسلاف علماء اور ان کی کتابوں کا تعارف ہے، پھر خلافت کی بحث اور مطاحن صحابہ اور ان کے جوابات پر اکتفا کرنے کے بجائے اصولی مسائل، الہیات، نبوت، معاد، اور امامت پر مستقل ابواب تحریر کئے گئے ہیں، پھر خلفائے ثلاثہ اور حضرت ام المؤمنین حضرت عائشہؓ اور دوسرے صحابہ پر شیعوں کی طرف سے جو اعتراضات اور قدح کی گئی ہے، ان کا مفصل جواب ہے، پھر مذہب شیعہ کے خواص ان کے اوہام و تعصبات پر کلام کیا گیا ہے اور ان کی غلطیوں اور غلط فہمیوں پر تبصرہ ہے، آخری باب (دوازدہم) تولا و تبرائشہم ہے، جو دس مقدمات پر مبنی ہے، کتاب بڑی تقطیع اور باریک طباعت میں ۴۰۰ صفحات میں آئی ہے۔

دوسری خصوصیت زبان کی صلاوت و سلاست اور برجستگی ہے، جس کا اعتراف ہندوستان اور ایران کے متعدد شیعہ علماء نے بھی کیا ہے، خود نام سے اس طرز فکر اور قصد و ارادہ کا اظہار ہوتا ہے، جو اس کتاب کی تصنیف کا محرک ہوا ہے، اس کے مقابلہ میں

جو کتابیں لکھی گئیں، ان کے ناموں سے اکثر غضبِ اشتعال کا اظہار ہوتا ہے اور سیف و شمشیر کی چمک ظاہر ہوتی ہے، مثلاً ایک کتاب کا نام ”صوامم الإلہیات“ ہے ایک کا ”محسام الإسلام“ ایک کا ”سیف ناصری“ ایک کا ”ذوالفقار“۔

اس عہد میں اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے کہ اس کتاب کی تصنیف نے جو وقت کی ایک ضرورت تھی، کیا خدمت انجام دی، راقم نے نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خاں شردانی سابق صدر الصدور امور مذہبی ریاست حیدرآباد سے (جن کا خاندان حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب اور ان کے خلفاء سے وابستہ رہا ہے) خود سنا کہ اس کتاب کی تصنیف نے شیعیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے مقابلہ میں ایک مضبوط پیشہ کا کام کیا یہ کتاب شاہ صاحب کی زندگی میں ۱۲۱۵ھ میں طبع ہو کر مشہور ہو گئی تھی، اور اس کے جوابات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا، شاہ صاحب کے ایک فاضل شاگرد مولوی اسلمی مدراسی نے اس کا عربی میں ترجمہ کیا، راقم نے یہ ترجمہ شیخ الاسلام عارف حکمت بے کے کتب خانہ واقع باب جبریل مدینہ طیبہ میں دیکھا ہے۔

انگریزی اقتدار کی مخالفت اور مسلمانوں کا ملی تحفظ

جہاں تک ہندوستان میں اسلامی اقتدار کی حفاظت اور مسلمانوں کی آزادی کی راہ میں پیش آنے والے خطرے اور چیلنج کے مقابلہ کا تعلق ہے، شاہ صاحب نے اس سلسلہ میں حالات کے اس حقیقت پسندانہ جائزہ، بیدار مغزی، دور بینی اور شانِ عزیمت کا نمونہ پیش کیا، جو ایک صاحبِ بصیرت و فراست عالمِ دین، داعی و مصلح، اور اپنے وقت کے دینی رہنما کے

شایان شان ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے زمانہ میں وقت کا سب سے بڑا مسئلہ برطانویوں کی تاخت اور ان کی اس فوج کشی و غارت گری کو روکنا تھا، جو ایک روزمرہ کا واقعہ بن گیا تھا، اور جس سے ایک طرف سلطنت مغلیہ بے بس ابے اثر اور ذلیل ہو رہی تھی، دوسری طرف مسلمانوں کی عزت و ناموس محفوظ نہیں رہے اور شہروں کی معمول کے مطابق زندگی باقی نہیں رہی تھی، اس وقت اس خطرہ کو دور کرنا، اور اس کو روکنے کے لئے کسی امکانی امانت کو حاصل کرنا ایسا ہی تھا جیسے کسی گھر یا محلہ میں آگ لگنے کے وقت آگ بجھانے والے آئینہ و دستہ FIRE BRIGADE کو طلب کیا جاتا ہے اور شاہ صاحب کی نظر میں احمد شاہ ابدالی اور اس کی فوج کی یہی حقیقت تھی، اور ان سے یہی شرط ہو گئی تھی کہ اس آگ کو بجھانے کے بعد واپس چلے جائیں گے، شاہ صاحب کی نظر میں سلطنت مغلیہ کو سنبھالنے کا موقعہ دینے کے لئے اور کسی بہتر نظام کو رکھ کر جگہ لینے کے لئے (اگر اس کے بغیر چارہ نہیں ہے) ایک عارضی انتظام اختیار کر کے درجہ کی چیز بنانا، اس وقت کے مغل تاجدار شاہ عالم کی ڈوں ہمتی اور کوتاہ نظری کی وجہ سے کامیاب نہیں ہو سکی، اس وقت تک ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہندوستان کی زمام اقتدار سنبھالنے، پھر اس وسیع ملک پر سٹ سمندر پار کی ایک حکمت قائم ہو جانے کے وہ آثار ظاہر نہیں ہوئے تھے، جو شاہ صاحب کی توجہ کو پورے طور پر اس پر مرکوز کر دیتے۔

لیکن شاہ صاحب کی وفات کے بعد ہندوستان کے حالات تیزی سے بدلے گئے۔ ۱۱۷۹ھ میں (شاہ ولی اللہ صاحب کی وفات کے تین سال بعد) بنگال، بہار، اڑیسہ، تینوں صوبوں کی دیوانی بلا شرکت غیرے بطور التناہ (انعامی یا عطا شدہ جاگیر کی منہا) سرکار کمپنی کو دی جا چکی تھی، سرکار بنارس اور غازی پور بطور جاگیر کمپنی کو مل چکے تھے، اب

خاندان تیموریہ کے بادشاہ شاہ عالم کے پاس ملک میں صرف ایک صوبہ آباد تھا اور آمدنی میں وہ روپیہ تھا جو انگریز اس کو دیتے تھے ۸ مارچ ۱۷۸۷ء (۱۲۰۲ھ) میں ملکہ گزنٹ میں شہر کیا گیا کہ مسلمانوں کی سلطنت تو نہایت حقروذیل ہو گئی ہے ہندوؤں سے ہم کو کچھ خوف نہیں ہے ۱۷۹۰ء میں انگریزوں نے پلاسی کے میدان میں سرج الدولہ کو اور ۲۳ اکتوبر ۱۷۹۷ء (۱۷۹۸ھ) میں بکسر کے میدان میں شجاع الدولہ کو شکست دی ۱۷۹۹ء (۱۲۱۴ھ) میں سلطان شہید سلطان ٹیپو نے سرنگاپٹن کے میدان میں شہادت حاصل کی اور گویا ہندوستان میں مسلمانوں کے اقتدار کی قسمت پر مہر لگ گئی سلطان شہید کی نعش دیکھ کر جنرل ہارس HARRIS نے بجا طور پر کہا کہ آج ہندوستان ہمارا ہے!

شاہ عبدالعزیز صاحب نے جو دہلی میں مصروف درس و افادہ تھے لیکن ان کی حقیقت بین نگاہ سارے ہندوستان پر تھی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو غیر معمولی طور پر حقیقت پسند ذہن اور صاحب حمیت و عزیمت طبیعت عطا فرمائی تھی اس انقلاب کا پورا جائزہ لیا اور اس نتیجہ تک پہنچ گئے کہ اس وقت بچے کچھ اسلامی اقتدار اور اس ملک میں مسلمانوں کے مستقبل کے لئے خطرہ انگریز ہیں ان کے ایک عربی شعر میں اس حقیقت کی پوری عکاسی اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ انگریزوں کے اثرات کو ہندوستان ہی تک محدود نہیں سمجھتے تھے ان کو اس سے زیادہ وسیع اور دور رس سمجھ رہے تھے وہ فرماتے ہیں:-

والی اری الا فرنج اصحاب شر
لقد افسدوا مابین دہلی و کابل

(میں فرنگیوں کو جو دولت کے مالک ہیں دیکھتا ہوں کہ انھوں نے دہلی اور

کابل کے درمیان فساد برپا کر رکھا ہے)

ہمارے علم میں وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس وقت ہندوستان کو دارالحرب قرار دینے کی جرأت کی، اور صورت حال کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیتے ہوئے، فقہ و اصول فقہ کی روشنی میں مسئلہ کی ایسی تنقیح کی جس سے ان کی بصیرت کا بھی اظہار ہوتا ہے اور اخلاقی و دینی جرأت کا بھی، فتاویٰ عزیزی جلد اول میں اس سوال کے جواب میں کہ دارالاسلام دارالحرب ہو سکتا ہے یا نہیں؟ دو مختار کی ایک طویل عبارت نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ:-

”اس تہر (دہلی) میں امام المسلمین کا حکم اصلاً جاری نہیں ہے، نصرانی حکام

کا حکم بے دغدغہ جاری ہے فقہاء جس کو اجرائے احکام کفر کہتے ہیں اس سے

مراد یہ ہے کہ ملک اری کے معاملہ رعایا کے بند و بست، خراج و باج، اور

اموال تجارت کے عشور کے وصول کرنے، ڈاکوؤں، چوروں کو سزا دینے، فصل

خصوصیات اور جرائم کی تعزیر میں کفار بطور خود حاکم و مختار ہوں، اگر بعض اسلامی

احکام جیسے جمعہ اور عیدین، اذان و ذبح بقر سے وہ تعرض نہ کرتے ہوں لیکن

اصل الاصول یہی ہے کہ یہ چیزیں ان کے رحم و کرم پر ہوں، ہم دیکھتے ہیں کہ

وہ مساجد کو بے تکلف منہدم کر دیتے ہیں، کوئی مسلمان یا (غیر مسلم) ذمی ان کی

اجازت کے بغیر اس شہر اور اس کے نواح میں داخل نہیں ہو سکتا، اپنی

منفعت کے لئے وہ باہر سے آنے والوں، مسافروں، اور سوداگروں کو

منع نہیں کرتے لیکن دوسرے ذی وجاہت لوگ مثلاً شجاع الملک،

ولایتی بیگم بغیر ان کے حکم کے ان شہروں میں داخل نہیں ہو سکتے، اس شہر دہلی

سے کلکتہ تک نصاریٰ کی عملداری پھیلی ہوئی ہے، ہاں دائیں بائیں مثلاً

حیدرآباد، لکھنؤ اور رام پور میں انہوں نے اپنے احکام جاری نہیں کئے ہیں

کچھ تو اپنے مصارع کی بنا پر اور کچھ ان ریاستوں کے محکام کے ان کی اطاعت
قبول کر لینے کی بنا پر۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے خیالات کا، اور وہ انگریزوں کو جس نظر سے دیکھتے تھے،
پورا عکس ان کے جلیل القدر خلیفہ اور تربیت یافتہ دامی و مصلح حضرت سید احمد شہیدؒ
کے خیالات و جذبات میں پایا جاتا ہے جن کی صاف جھلک آپ کے خطوط میں نظر آتی
ہے، جو آپ نے اس وقت ہندوستان کے بعض ذی اثر و صاحب حکومت رؤسا، اور
بعض غیر ملکی مسلمان اہل حکومت کو لکھے ہیں، شاہ سلیمان والی پترال کو ایک خط میں
لکھتے ہیں:-

فصار از مدت چند سال حکومت	تقدیر سے جز سال سے ہندوستان
وسطنت اس ملک بر این عنوان	کی حکومت و سلطنت کا یہ حال
گردیدہ کہ نصارا انکو بیدہ خصال	ہو گیا ہے کہ عیسائیوں اور مشرکین
و مشرکین بدآل بر اکثر بلاد ہند استیلا	نے ہندوستان کے اکثر حصہ پر
یافتند و آن دیار را بظلمات ظلم و بیدار	غلبہ حاصل کر لیا ہے، ظلم و بیدار
مشغون ساختند	شروع کر دی ہے۔

اس سے زیادہ واضح الفاظ میں ہندو راؤ وزیر گوالیار کو لکھتے ہیں:-

برائے سامی روشن و مبرہن است کہ	جناب کو خوب معلوم ہے کہ یہ پر دہی
بیگانگان بعید الوطن، ملوک زمین	سمندر پار کے رہنے والے دنیا
وزمن گردیدہ، و تاجران متاع فرو	جہاں کے تاجدار اور یہ سودا

ہر پاپیہ سلطنت رسیدہ امارت بیچنے والے سلطنت کے مالک بن گئے
 امرائے کبار و ریاست رؤسائے عالی ہیں بڑے بڑے اہل حکومت کی
 مقدار برباد نمودہ اند و عزت حکومت اور ان کی عزت و حرمت
 و اعتبار ایشاں بالکل رپودہ کو انھوں نے خاک میں ملا دیا ہے۔

غلام حیدر خاں کے نام لکھتے ہیں جو گویا ر کے ایک فوجی افسر تھے :-

اکثر بلاد ہندوستان بدست ملک ہندوستان کا بڑا حصہ غریبوں
 بیگانگان افتادہ و ایشاں ہر جا بیجا کے قبضہ میں چلا گیا ہے اور انھوں نے
 و آئین جو ر و ظلم نہادہ ریاست ہر حکم ظلم و زیادتی پر مکر باندہ لی
 رؤسائے ہندوستان برباد رفتہ ہے ہندوستان کے حاکموں کی
 حکومت برباد ہو گئی۔

یہ صاحب کے اس خط سے جو انھوں نے شہزادہ کامران کو لکھا ہے، مٹا معلوم
 ہوتا ہے کہ اس جہاد سے آپ کا مقصود اصلی ہندوستان تھا جو بتدریج انگریزوں کے
 قبضہ میں چلا جا رہا تھا، خط میں تحریر فرماتے ہیں :-

باز خود ایں جانب مع مجاہدین صاف
 یہ سمت بلاد ہندوستان بنا بر فراغت کے بعد یہ خاک سار مع مجاہدین
 ازالہ کفر و طغیان متوجہ خواہد شد صافین کفر و طغیان کے ازالہ کی
 کہ مقصود اصلی خود ہندوستان نیت سے ملک ہندوستان کی طرف
 است متوجہ ہو گا کہ وہی مقصود اصلی ہے۔

اس کا اندازہ اس سے بھی ہو سکتا ہے کہ سید صاحب ۱۲۲۷ھ میں (حضرت شاہ عبدالعزیز کی وفات سے بارہ سال پہلے) امیر خاں کے لشکر میں تشریف لے گئے، جو اس وقت انگریزوں سے برسرِ پیکار تھے، ان کے ساتھ ہندوستان کا بہترین فوجی عنصر مسلمانوں کا گرم و تازہ خون، ہندوستان کی فاتح طاقت کا بچا کچھا سرمایہ، اور وقت کے بہت سے شاہین و شہباز تھے، یہ ہندوستان میں ایک بڑھتی ہوئی آزاد طاقت تھی جس کو وقت کا کوئی مبصر نظر انداز نہیں کر سکتا۔ اور جس کو با مقصد اور منظم بنا کر انگریزوں کی ابھرتی ہوئی طاقت کے مقابلہ میں لایا جاسکتا تھا، کہ ملکوں اور قوموں کی تاریخ میں ایسی حوصلہ مند طاقتوں نے اپنی عددی اور سلاحي کمزوری کے باوجود حالات کا رخ بدل دیا ہے، اس کا کوئی تحریری ثبوت ابھی تک نہیں ملا ہے، کہ حضرت سید صاحب، حضرت شاہ عبدالعزیز رضائی علیہ السلام سے نواب امیر خاں کے لشکر میں تشریف لے گئے، لیکن اس کا قرینہ ضرور پایا جاتا ہے کہ یہ اقدام حضرت شاہ صاحب کے ایما پر یا کم سے کم تائید و پسندیدگی پر ہوا، اس لئے کہ ۱۲۳۳ھ میں جب نواب نے انگریزوں سے مصالحت کر لی اور راجپوتانہ اور مالوہ کے چند متفرق اور غیر اہم حصوں پر قناعت کر کے جن کے مجموعہ کا نام ریاست ٹونک تھا، انگریزوں سے جنگ کرنے سے علیحدگی اختیار کر لی، اور سید صاحب نے اب ہاں مزید قیام بے سود سمجھا تو آپ نے علیحدگی کا فیصلہ فرمایا اور ایک خط حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کو لکھا جس کا مضمون تھا:۔

اے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو سیرت سید احمد شہید، حصہ اول۔ امیر خاں مرحوم کو پنڈاروں سے جن کو انگریزی تاریخوں اور ان سے متاثر مؤرخوں کی کتابوں میں ایک راہزن اور مخربی گروہ کی حیثیت سے یاد کیا گیا ہے، کوئی تعلق نہ تھا، اصلیت صرف اتنی ہے کہ پنڈار سے کبھی کبھی ان کی پناہ لے لیتے تھے، اور وہ ان کو فوری خطرہ سے بچا لیتے تھے۔

”خاک ر قدم بوسی کو حاضر ہوتا ہے، یہاں لشکر کا کارخانہ درہم برہم ہو گیا“
 نواب صاحب انگریزوں سے مل گئے، اب یہاں رہنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔
 اس سے نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ یہ فرشاہ صاحب کے ایام و مشورہ سے ہوا تھا، اس لئے
 واپسی پر آپ کو اس کی اطلاع دینی ضرور تھی۔

اس طرح شاہ صاحب نے اس خطرہ کے پھیلنے میں جو مسلمانوں اور ہندوستان کو
 دیش تھا، خدا داد بصیرت اور مومنانہ فراست سے کام لیا، اور اس کے لئے وہ اپنے زمانہ میں
 جو تدبیر کر سکتے تھے، اس میں کوئی کمی نہیں کی، ان کی یہی بصیرت اور جذبہ ان سے انتساب
 رکھنے والی جماعت مجاہدین (جس کی قیادت حضرت سید احمد شہیدؒ اور شاہ صاحب کے
 قابل فخر بھتیجے حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کر رہے تھے) میں پورے طور پر کارفرما نظر آتا ہے،
 اور جس کا پورا مظاہرہ مولانا ولایت علی عظیم آبادی، مولانا یحییٰ علی صادق پوری، مولانا احمد اللہ
 و مولانا عبد اللہ صاحب کی انگریزوں کے خلاف سرحدی جنگوں، اور صادقین صادق پور کی
 عظیم قربانیوں میں جلوہ فگن ہے، جن کی نظیر ملنی مشکل ہے۔

پھر یہ جذبہ اس جماعت سے ان علماء اور دینی قائدین کی طرف منتقل ہوا جنہوں نے
 ۱۸۵۷ء میں اس کے لئے جان کی آخری بازی لگائی، اور جن میں مولانا احمد اللہ شاہ مدراسیؒ،
 مولانا لیاقت علی الہ آبادیؒ، حضرت حاجی امداد اللہ تھانویؒ اور حضرت حافظ صامن شہیدؒ
 کے نام معروف و مشہور ہیں، اور اس کے بعد ان علماء کی طرف جنہوں نے اس شمع کو روشن
 رکھا اور ۱۹۴۷ء تک اس کا سلسلہ کسی نہ کسی طرح جاری رکھا۔ ع

لے وقائع احمدی (قلمی) صفحہ ۱۵۵ نسخہ محفوظ کتب خانہ ندوۃ العلماء، لکھنؤ۔

۲۷ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مصنف کی کتاب ”کاروان ایمان و عزیمت“ از صفحہ ۶۱ تا ۶۱۱۔

مردانِ کار کی تربیت

جہاں تک ان مردانِ کار کی تربیت کا تعلق ہے جو حالات اور وقت کے تقاضوں اور دین کے حقیقی مطالبوں کے مطابق دعوت و اصلاح کا کام انجام دیں اور جہاد کا بیڑہ اٹھائیں یہ تقدیر اور حکمت الہی کی بات ہے کہ اس میں حضرت شاہ مجدد العزیزؒ کا حصہ بہت سے شاخ و اسلاف اور بعض ایسے حضرات سے بھی بڑھا ہوا ہے جن کا درجہ ممکن ہے (اور قرائن اس پر دلالت کرتے ہیں) کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ان سے بڑھا ہوا ہوا شاہ صاحبؒ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ایسے متعدد مالی استعداد اور بلند ہمت و عزیمت رکھنے والے صاحبِ تاثیر نفوس کی تربیت کا کام لیا جنہوں نے ہزاروں سالوں کی زندگیوں میں انقلاب برپا کر دیا، اور ایک پوری صدی سنبھال لی، شاہ صاحبؒ کے علم اور زندگی کے دریا کی سطح ساکن تھی، لیکن بقول اقبالؒ

اسی دریا سے اٹھتی ہے وہ موجِ تند بولاں بھی
نہنگوں کے نشیمن جس سے ہوتے ہیں تہ و بالا

حضرت سید احمد شہیدؒ

اس دعوے کے ثبوت کے لئے تنہا ان کے خلیفہ ارشد حضرت سید احمد شہیدؒ (۱۲۰۱ھ تا ۱۲۴۷ھ) کا نام لینا کافی ہے جنہوں نے اس تختیِ بزرگِ عظیم میں اس عظیم اسلامی تحریک کی رہنمائی کی جس کی نظیر جامعیت، قوتِ تاثیر اور اسلام کی اولین دعوت اور

طریق نبوت سے قربِ مائت میں نہ صرف تیرہویں صدی میں نظر نہیں آتی جو اس کا عہد ہے، بلکہ گزشتہ کئی صدیوں میں بھی اس جیسی ایساں آفریں تحریک اور صادقین و مخلصین کی ایسی مربوط و منظم جماعت کا کوئی سراغ نہیں ملتا، وہ عقائد و اعمال کی تصحیح، افراد کی تربیت، وعظ و تبلیغ، اور جہاد و سرفروشی کے وسیع و طویل محاذ پر جس طرح سرگرم عمل رہے، اس کا اثر صرف ان کے میدانِ کارزار اور ان کی معاصرین تک محدود نہ رہا، بلکہ اس نے آئندہ نسل، اپنے بعد آنے والے اہل حق، اصحابِ دعوت اور دین کے علمبراروں اور خادموں پر گہرے اور دیرپا نقوش چھوڑے، بڑھتے ہوئے انگریزی اقتدار کے مقابلہ ہندوستان اور اس کے پڑوسی مسلم ممالک کی حفاظت اور قیامِ حکومت اسلامیہ علی منہلجِ اخلافتہ الراشدہ کی جدوجہد کی ابتدا بھی آپ ہی نے کی، اس تحریک اور جدوجہد کی زمامِ قیادت ہندوستان میں اول اول اسی جماعت کے علماء اور قائدین کے ہاتھ میں رہی، ہندوستان کے مختلف حصوں میں دینی کتابوں کی تصنیف و تالیف اور ترجمہ اور نشر و اشاعت کی جدید تحریک (جس نے اس وسیع و عمیق خلیج کو پر کیا، جو مسلم عوام اور صحیح اسلامی تعلیمات اور کتاب و سنت کے درمیان پائی جاتی تھی) انھیں کی کوششوں کی رہنمائی بنت ہے، مسلمانوں کی دینی و سیاسی بیداری با واسطہ اور بلا واسطہ اسی دعوت و تحریک کا نتیجہ اور ثمرہ ہے، اس تحریک کے اثرات، علم و ادب، فکر اسلامی اور زبان و اسالیب بیان پر بھی پڑے، اس نے اصلاحِ معاشرہ، جاہلی رسوم کے ابطال، ہندوانہ اثرات کے ازالہ اور صحیح اسلامی زندگی کی طرف بازگشت کا زبردست کام انجام دیا۔

سید صاحب اور ان کی دعوت و تربیت کے اثرات کی وسعت، قوت اور گہرائی و گیرائی کا اندازہ کرنے کے لئے یہاں پر ہم چند اہل نظر کی تحریروں کے کچھ اقتباسات

پیش کرتے ہیں۔

ہندوستان کے شہرہ آفاق مصنف و مؤرخ نواب سید صدیق حسن خاں لکھنوی (م ۱۳۰۷ھ) جنہوں نے سید صاحب کی تعلیم و تربیت کے اثرات کو خود دیکھا تھا، اور آپ کے دیکھنے والوں کی ایک بڑی جماعت کا زمانہ پایا تھا، اپنی تصنیف "تقصار جیود الاحرار" میں لکھتے ہیں:-

• خلق خدا کی رہنمائی اور خدا کی طرف رجوع کرنے میں وہ خدا کی ایک نشانی تھے، ایک بڑی خلقت اور ایک دنیا آپ کی قلبی و جسمانی توجہ سے درجہ ولایت کو پہنچی، آپ کے خلفاء کے مواعظ نے سرزمین ہند کو شرک و بدعت کے خس و خاشاک سے پاک کر دیا، اور کتاب و سنت کی شاہراہ پر ڈال دیا، ابھی تک ان کے دھڑکنے والے برکات جاری و ساری ہیں:-

آگے چل کر لکھتے ہیں:-

• خلاصہ یہ کہ اس زمانہ میں دنیا کے کسی ملک میں بھی ایسا صاحب کمال نہ نہیں گیا اور جو فیوض اس گروہ حق سے خلق خدا کو پہنچے ان کا عشر عشر بھی اس زمانہ کے علماء و مشائخ سے نہیں پہنچا!

علامہ عصر استاد الاساتذہ حضرت مولانا جید علی رام پوری ٹونکی (م ۱۳۷۳ھ) تلمیذ

حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی "مبیانۃ الناس" میں تحریر فرماتے ہیں:-

• ان کی ہدایت کا نور آفتاب کے مثل کمال زور و شوخ کے ساتھ بلاد و قلوب عالم

میں منور ہوا، ہر ایک طرف سے سجدان اذلی رخت سفر باندھ کر منزلوں سے

آآ کے شرک و بدعات وغیرہ منہیات سے (جن کے حسب عادت زمانہ نوگر ہو رہے تھے) توبہ کر کے توحید و سنت کی راہ راست اختیار کرنے لگے اور اکثر ملکوں میں خلفائے راست کردار جناب موصوف نے سیر فرما کر لاکھوں آدمی کو دین محمدی کی راہ راست بتادی جن کو سمجھ تھی اور توفیق الہی نے ان کی دستگیری کی وہ اس راہ پر چلے۔

ہندوستان کے ایک باخبر اور ثقہ عالم دین مولوی عبدالاحد صاحب جنہوں نے اس جماعت قدسیہ کے بہت سے افراد کی زیارت کی تھی اور جن کا زمانہ سید صاحب سے قریب تھا، لکھتے ہیں:-

”حضرت سید صاحب کے ہاتھ پر چالیس ہزار سے زیادہ ہندو وغیرہ کفار مسلمان ہوئے اور بیس لاکھ مسلمانوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور جو سلسلہ بیعت آپ کے خلفاء کے خلفاء کے ذریعہ تمام روئے زمین پر جاری ہے اس سلسلہ میں نوکر و نو آدمی آپ کی بیعت میں داخل ہیں۔“

۱۲۹ صیانة الناس عن دسومة الخناس مطبوعہ ۱۲۹۷ھ ص ۴

۱۲۸ سورج احمدی اس سلسلہ میں مزید شہادتیں اور حضرت مولانا ولایت علی عظیم آبادی (م ۱۲۶۹ھ) مولانا کرامت علی جوہری (م ۱۲۹۹ھ) کے بیاننا مصنف کے رسالہ تحقیق و انصاف کی ایک غلط مصلح کا مقدمہ میں دیکھے جائیں یہ حدیث کے مفصل حالات و کتاب کے لئے مولانا غلام رسول مہر کی کتاب سید احمد شہید (۲۰۱-۲۰۲) اور مصنف کی کتاب سیر سید احمد شہید (۲۰۱) کا مطالعہ کیا جائے، یہ حدیث کے خلفاء کے ذریعہ جو عمومی ہدایت اصلاح ہوئی اور جس درجہ کے صفا تاثیر تھے اس کا کچھ اندازہ ”الذکر الخلی فی کرناما سید محمد علی“ (اردو تصنیف افسر لڈر جان چٹا خاں ابن نواب محمد خاں عالم خاں بہادر تہم جو جنگ مطبوعہ ۱۳۰۵ھ مطبع مرغوب کن سکندر آباد) سے ہو سکتا ہے جو سید صاحب کے خلیفہ مولانا سید محمد علی واعظ رامپور کے حالات و کرامات اور درس میں ان سے جو ہدایت و فیض پہنچا اس کے تذکرہ میں ہے۔

اسی عظیم اشان اصلاحی و تجدیدی کارنامہ کی بناء پر اکثر اصحاب نظر و اہل انصاف آپ کو تیرہویں صدی کا مجدد مانتے ہیں۔

مولانا عبدالحی بڑھالوی اور مولانا محمد اسماعیل شہید

شاہ عبدالعزیز صاحب کی تعلیم و تربیت کا دوسرا نمونہ آپ کے دو تلامذہ رشید اور عزیز قریب مولانا عبدالحی بڑھالوی اور مولانا محمد اسماعیل شہید ہیں، حضرت شاہ عبدالعزیز خود ان دونوں کی فضیلت علمی اور تبحر کے قائل تھے، آپ نے ایک خط میں ان دونوں کو "تاج المفسرین، فخر المحدثین، سرآمد علمائے محققین" لکھا ہے اور فرمایا ہے کہ:-

"دونوں حضرات تفسیر و حدیث، فقہ و اصول و منطق وغیرہ میں اس فقیر سے کم نہیں ہیں، جناب باری کی جو عنایت ان دونوں بزرگوں کے شامل حال ہے، اس کا شکریہ سدا انہیں ہو سکتا، ان دونوں کو علمائے ربانی میں شمار کرو اور جو اشکال حل نہ ہو ان کے سامنے پیش کرو"۔

مولانا عبدالحی صاحب کا پایہ اہل علم کے نزدیک علوم رسمیتہ میں بہت بلند تھا، اور تفسیر میں خود شاہ صاحب مولانا کو اپنے تمام تلامذہ پر فضیلت دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ وہ میرا نمونہ ہیں، شیخ الاسلام کا لقب جو اسلام میں خاص خاص علماء کو دیا گیا ہے، شاہ صاحب نے خود مولانا کو ایک خط میں دیا ہے۔

علمی تبحر اور ذہنی کمالات پر بھی جو چیز فوقیت رکھتی ہے، وہ آپ کی ثلثیت اور اخلاص ہے کہ اس علم و فضل کے ساتھ یہ صاحب کی طرف رجوع ہوئے، جو عمر میں آپ کے کہیں بھی رد وصال

۱۔ مکتوب بنام منشی خیر الدین ممتاز (سرانے سالانہ خاں لکھنؤ) ملاحظہ ہو سیرت سید احمد خاں ص ۲۱۶-۲۱۷

اور علم میں آپ سے ملنے کا شرف رکھتے تھے، بیعت ہوتے ہی آپ سید صاحب کے رنگ میں رنگ گئے، اور اپنے سارے علم و فضل کو آپ پر اور دعوت و جہاد کے کام پر تصدق، اور قلم و زبان اور خدا کی دی ہوئی ہر قوت و قابلیت کو حق کی اشاعت و نصرت کے لئے وقف کر دیا، اور سفر ہجرت و جہاد ہی میں جان جان آفریں کے سپرد کی۔

جہاں تک مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید کا تعلق ہے وہ ان اولو العزم، عالی ہمت، ذکی، جری اور غیر معمولی افراد میں تھے، جو صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں، وہ مجتہدانہ دماغ کے مالک تھے، اور اس میں ذرا مبالغہ نہیں کہ ان میں بہت سے علوم کو از سر نو مدون کرنے کی قدرت و صلاحیت تھی، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے ایک خط میں ان کو تحفۃ الاسلام کے لقب سے یاد کیا ہے، آپ کی تصانیف اور علم میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے طرز کی جھلک نظر آتی ہے، وہی علم کی تازگی، استدلال کی لطافت، نکتہ آفرینی، سلامت و ذوق قرآن و حدیث کا خاص تفقہ اور استحضار اور زور و کلام۔

شاہ صاحب کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے علماء اہل دین اور اہل ذکاوت کے اس دائرہ سے باہر قدم نکالا، جو برسوں بلکہ صدیوں سے اس گروہ کے لئے مقرر ہو چکا تھا، اور اصلاح و ارشاد عام اور جہاد و عزیمت کے دائرہ میں نہ صرف قدم رکھا، بلکہ اس میں قیادت کا فرض انجام دیا، ان کی تنہا تصنیف ”تقویۃ الایمان“ سے خلق خدا کو وہ فائدہ پہونچا اور عقائد کی ایسی اصلاح ہوئی کہ شاید کسی حکومت کی منظم کوشش سے ممکن نہ ہوتی، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی فرماتے تھے کہ ”مولوی اسماعیل صاحب کی حیات ہی میں دو ڈھائی لاکھ آدمی درست ہو گئے تھے، اور ان کے بعد جو نفع ہوا، اس کا تو اندازہ

لے ملاحظہ ہو ”منصب امامت“ ”حقیقات“ ”ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت والضریع“

موجود نہیں ہو سکتا!

عمومی دعوت و اصلاح کے اس عظیم کام کے ساتھ آپ نے جہاد فی سبیل اللہ کے لئے اپنے کو پورے طور پر تیار کیا، سید صاحب کی (جن سے آپ نے بیعت سلوک و بیعت جہاد کی تھی) نہ صرف ہم کالی اور رفاقت کا حق ادا کیا، بلکہ اس کام میں آپ کی حیثیت تحریک کے ایک قائد اور امیر کے وزیر و نائب کی تھی، پھر اسی کام میں اپنی ہستی فدا کر دی اور بالاکوٹ کے معرکہ میں شہادت کا شرف حاصل کیا، اقبال نے ایسے ہی حضرات کے متعلق کہا ہے ۵

تیکہ بر حجت و اعجاز بیاں نیز کنند کا حق گاہ بشیر و سناں نیز کنند
گاہ باشد کہ تہ خرقہ زرہ می پوشد عاشقاں بندہ حال اندوختن نیز کنند

مولانا شاہ محمد اسحق صاحب و شاہ محمد یعقوب صاحب

شاہ صاحب کے ذوق خاص درس حدیث، اجازت و اسناد اور علوم دینیہ کی نشر و اشاعت میں آپ کے جانشین آپ کے دونوں نواسے حضرت شاہ محمد اسحق (۱۱۹۷ھ - ۱۲۶۲ھ) اور شاہ محمد یعقوب (۱۲۵۲ھ - ۱۲۸۲ھ) تھے، جو شاہ محمد افضل کے صاحبزادے تھے، حضرت شاہ عبدالعزیز نے حضرت شاہ محمد اسحق کو اپنا جانشین بنایا، اور اپنی تمام کتابیں اور گھر وغیرہ آپ ہی کو مہرب کر دیا، آپ شاہ صاحب کی وفات کے بعد ان کی سند درس پر بیٹھے اور ۱۲۳۹ھ سے لے کر ۱۲۵۸ھ تک دہلی میں اور ۱۲۵۸ھ سے (جب آپ نے مکہ معظمہ ہجرت کی) ۱۲۶۲ھ تک حجاز مقدس میں حدیث کی تدریس و خدمت میں سرتاپا غرق و منہمک رہے، اور ہندوستان کے صدہا علماء نے آپ سے حدیث کا درس لیا، اور بڑے بڑے علماء

واساتذہ حدیث نے بلاد و امصار سے آکر آپ سے استفادہ کیا اور حدیث کی سند لی جن میں شیخ عبداللہ سراج کلمی اور دوسرے کبار علماء شامل ہیں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے تھے کہ اللہ نے ان کو شاہ محمد اسماعیل (بھتیجہ) اور شاہ محمد اسحق (نواسہ) کی شکل میں دو قوت بازو اور عصائے پیر می عطا فرمائے، اور اکثر یہ آیت پڑھتے: **الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي وَهَبَ لِي عَلَى الْكِبَرِ سُحَيْلًا وَاسْمٰحًا** "دوشنبہ ۲۷ رجب ۱۲۶۲ھ" مکر معظمہ میں وفات پائی اور حجتہ المعلّٰیہ میں حضرت سیدہ خدیجہؓ کی قبر کے پاس دفن ہوئے۔ شاہ محمد یعقوب صاحب نے بھی دہلی میں ایک مدت تک درس و افادہ کا سلسلہ جاری رکھا، پھر اپنے بڑے بھائی شاہ محمد اسحق صاحب کے ساتھ ۱۲۵۵ھ میں مکر معظمہ ہجرت کی اور وہیں متوطن ہو گئے، ان سے نواب سید صدیق حسن خاں قنوجیؒ (والی بھوپال) حضرت مولانا سید خواجہ احمد حسنی نصیر آبادیؒ، اور ایک خلق نے استفادہ کیا، جمعہ کے دن ۲۷ ذی قعدہ ۱۲۸۲ھ میں مکر مہ میں انتقال کیا، اور حجتہ المعلّٰیہ میں مدفون ہوئے۔

اجلہ علماء و اساتذہ کبار

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے درس و تربیت و صحبت سے جن علماء نے

لے حالات کے لئے ملاحظہ ہو، زہرہ انوار طبع ۷۔ ۸۔ نواب متلے حدیث کی جو خدمت کی اور ان کی ذات کے کتب حدیث کی جو اشاعت ہوئی، ان کی توجہ اور سرپرستی سے یہاں بھوپال جس طرح درس حدیث کا ایک مرکز اور مخزن بن گیا مسکن و موطن بن گیا وہ ایک تاریخی حقیقت اور ان کا ایک کارنامہ ہے، پہلی بار فتح آباد کی جماعت انشا و طبع بھوپال سے ہوئی اور اس پر چار ہزار روپیہ کی رقم صرف ہوئی، علماء اور طلباء علم حدیث پر احسان عظیم ہے اور یہ شرف اولیت ان کو حاصل ہے۔ ۹۔ آپ شہزادہ شمس الدین خان دہلی کے بلند پایہ مصلح و داعی اللہ اور خاندان سلسلہ تھے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، کاروان لکھنؤ و عزیمت ۱۰۔

فائدہ اٹھایا، پھر اپنا حلقہ درس قائم کر کے سائے ہندوستان میں نام پیدا کیا، اور دینی نظامِ تعلیم میں زندگی کی ایک نئی روح پھونک دی، پھر خود ان کے درس کے فیض سے کثیر التعداد جدید علماء تیار ہو کر نکلے، ان میں سے چند کے نام یہاں لکھے جاتے ہیں جو اپنی قوت و ملکہ تدریس منقول و معقول کی جامعیت اور تبحر علمی میں شہور و ستم تھے، اور جو اپنی اپنی جگہ خود ایک مدرسہ اور دبستان تھے۔

(۱) مولانا مفتی الہی بخش کاندھلوی (۲) مولانا امام الدین دہلوی (۳) مولانا حیدر علی رامپوری ٹونکی (۴) مولانا حیدر علی فیض آبادی صاحبِ مہتمی الکلام (۵) مولانا رشید الدین دہلوی (۶) مولانا مفتی صدیق الدین دہلوی۔

ان کا ملین علم و فن، اساتذہ کبار اور ان سے پیشتر جن اہل دعوت و عزیمت اور تحریک اصلاح و تجدید اور جہاد فی سبیل اللہ کے قائدین کا نام آیا، جو شاہ صاحب سے نسبت روحانی اور استفادہ باطنی رکھتے تھے، ان سب کی وجہ سے کہا جاسکتا ہے کہ تیرہویں صدی حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے تعلیم و ارشاد اور تربیت افراد کی صدی تھی، ”وَذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ“

شاہ صاحب کے تذکرہ سے فایز ہو کر جو سلسلہ ولی اللہی کے دائرہ کا نقطہ مرکزی، اور ان کے صاحبزادگان اور تلامذہ کے سلک نور میں در شہوار (واسطۃ العقدر) کی حیثیت رکھتے تھے، ہم شاہ صاحب کے دوسرے دو صاحبزادوں حضرت شاہ رفیع الدینؒ اور حضرت شاہ عبدالقادرؒ کا اور شاہ صاحب کے تین خلفائے کبار حضرت شاہ محمد عاشق پھلتی، خواجہ محمد امین کشمیری اور سید شاہ ابوسعید حسنیؒ رائے بریلوی کا تذکرہ پیش کریں گے، جو ”نہایتہ الخواطر“ ج ۷ سے ماخوذ و مقتبس ہوگا۔

شاہ رفیع الدین دہلویؒ

شیخ الاسلام سید کبیر، سلامہ رفیع الدین عبد الوہاب بن ولی اللہ بن عبد الرحیم مہری دہلوی اپنے وقت کے مشہور محدث، متکلم، اصولی، مسند وقت، فرید عصر اور نادرۃ دہر تھے، وہی میں ولادت اور نسو و نما ہوئی اور اپنے برادر اکبر شاہ عبد العزیز صاحب سے تحصیل علم کی اور ایک مدت تک ان کے ساتھ رہے، طریقت میں شاہ محمد عاشق بن عبد اللہ پھلتی سے استفادہ کیا، اور بیس سال کی عمر میں علم و افتاء اور مدرس میں امتیاز و شہرت حاصل کی، اپنے برادر مذکور کی زندگی ہی میں آپ نے تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کر دیا تھا، اور اکابر علماء میں شمار ہونے لگے تھے، شاہ صاحب کے آنکھوں سے معذور ہونے کے بعد درس و تدریس کا کام آپ نے سنبھال لیا، طلبہ کا ہجوم ہوا اور انھوں نے بقدر استعداد آپ کے علمی افادات سے فائدہ اٹھایا، علماء آفاق نے آپ کے علم و فضل کا اعتراف کیا، اور آپ کی تصانیف نے قبولیت و شہرت حاصل کی، آپ کے برادر معظم شاہ عبد العزیز صاحب نے شیخ احمد بن محمد شروانی کو شاہ رفیع الدین صاحب کے بارے میں لکھا تھا:-

”اب برادر یگانہ اور خلیق زمانہ کا وقت ہے، جو نبامیر حقیقی بھائی ہیں اور فنون علم و ادب میں (جن کا لوگ مجھ سے انتساب کرتے ہیں) میرے شریک ہیں، وہ عمر میں مجھ سے کچھ ہی چھوٹے ہیں، مگر فن و حکمت میں میرے برابر ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے ان کی پرورش میرے ہاتھوں کی اور ان کی تکمیل کا مجھے ذریعہ بنا کر مجھ پر احسان کیا، وہ چند دنوں کے سفر کے بعد

واپس آئے تو مجھے ایک مختصر مگر قیمتی رسالہ کا تحفہ دیا، جو ایسے لطائف و نکات پر مشتمل ہے جن میں وہ منفرد ہیں اور ان سے پہلے انھیں کسی نے نہیں لکھا ان کی یہ انفرادیت آیت نور کی تفسیر اور اس کے اندر پوشیدہ معانی کی رونمائی کے سلسلے میں ہے میں پورے یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ اس باب میں ان کے بیانات ایسے حیرت انگیز ہیں جن کے ذریعہ انھوں نے مغرب سخن کو ظاہر کر دیا اور دلوں کے چراغ روشن کر دیئے اور اپنے اسلوب کی انفرادیت سے سید روحول کو تازہ دم کر دیا ہے۔

شیخ محسن بن مکی ترمذی "الیاخ الجہنی" میں فرماتے ہیں:-

"ان مرد و جہ علوم کے علاوہ شاہ صاحب کو علوم افاضل میں بھی مہارت تاتر حاصل تھی جو ان کی طرح بہت کم اہل علم کے حصہ میں آتی ہے ان کی تصانیف بہت عمدہ اور مرتب ہیں۔۔۔۔۔ میں نے بعض کتابیں دیکھیں تو آپ کی علمی و فنی عبارتوں میں ایسے اسرار و رموز نظر آئے جن کے درآشا کم ہی ہوتے ہیں، تھوڑے سے نفظوں میں آپ بہت سے مسائل جمع کر دیتے ہیں جس سے آپ کی علمی گہرائی اور دقت فہم کا اندازہ ہوتا ہے آپ کی کتاب "دمخ الباطل" علم حقائق کے بعض مشکل مسائل پر مشتمل ہے جس کی اہل فن نے تعریف کی ہے آپ کا ایک مختصر و جامع رسالہ اور ہے جس میں آپ نے ہر چیز میں محبت کی کار فرمائی دکھائی ہے اور اس کی وضاحت کی ہے اس کا نام "اسرار المحبة" ہے ایسے بہت کم لوگ ملیں گے جنہوں نے اس موضوع پر اظہار خیال کیا ہو میرے خیال میں آپ پہلے اس موضوع پر

صرف دو فلسفیوں 'ابوالنصر فارابی اور بوعلی سینا نے لکھا ہے، جیسا کہ

نصیر الدین طوسی کی بعض کتابوں سے معلوم ہوتا ہے:

شیخ محسن کی ذکر کردہ کتابوں کے علاوہ بھی ان کی کتابیں ہیں، جن میں عروض میں ایک رسالہ مقدمہ علم تالیخ، اثبات خشق القمر، حکماء کے اصول پر براہین حکمیہ کے ابطال، تحقیق الوان، آثار قیامت، حجاب، برہان تمنع، عقد انامل، العین کافات کی شرح، منطق، امور عامہ پر بھی آپ کے رسالے ہیں، رسالہ میرزاہد پر حاشیہ بھی لکھا ہے۔ آپ کی کتابوں میں تکمیل الصناعة، ایسی عجیب کتاب ہے کہ بہت کم مصنفین کو ایسی کتاب لکھنے کا اتفاق ہوا ہوگا، ان کے علاوہ بھی آپ کی متعدد بلند پایہ کتابیں ہیں، اپنے والد ماجد کے بعض عربی قصائد کی آپ نے تخریص بھی کی ہے، ان کے عربی اشعار کا نمونہ یہ ہے:-

یا احمد المختار یا زین الوری یا خاتما للرسول ما اعلا کا

یا کاشف الغمراؤ من متجدد یا منجیانی المحشر من والا کا

هل کان غیراؤ فی الانام من استو فوق البراق وجاوز الافلا کا

ان کا ایک اور فصیح و بلیغ قصیدہ ہے جس سے علوم عقلیہ میں ان کی بلندی اور

عربی پر قدرت کا پتہ چلتا ہے، آپ نے اس میں بوعلی سینا کے قصیدہ "عینیہ" کا جواب

لکھا ہے، جو قصیدۃ الروح کہلاتا ہے، اور جس کا مطلع ہے:-

هبطت الیہ من المحل الافرغ ورقاء ذات تعزیز و تمنع

یہ قصیدہ ابن سینا کی عربی زبان پر قدرت، بیک وقت حلاوت و سلاست

اور شکوہ الفاظ کا مظہر ہے، ہر شخص کا کام نہیں تھا کہ اس کا جواب دے، حضرت شاہ

فضل امام خیر آبادی، مرزا حسن علی شافعی لکھنوی، شاہ اسحق بن شاہ افضل عمری دہلوی (مدفون مکہ مکرمہ) مولانا سید محبوب علی جعفری، مولانا سید اسحق بن عرفان رائے بریلوی (برادرِ معظم حضرت سید احمد شہیدؒ) اور بہت سے لوگوں نے استفادہ کیا۔

آپ پر اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی عنایت یہ تھی کہ آپ کو ہندوستانی زبان میں قرآن کریم کے ترجمہ و تفسیر کی توفیق ملی، علماء نے اس کی بڑی قدر دانی کی اور اسے معجزات نبوی میں سے ایک معجزہ قرار دیا، والد ماجدؒ نے ”مہر جہاں تاب“ میں لکھا ہے کہ ”شاہ عبدالقادرؒ نے یہ ترجمہ لکھنے سے پہلے خواب دیکھا تھا کہ آپ پر قرآن نازل ہوا، اسے آپ نے اپنے بھائی شاہ عبدالعزیز سے بیان کیا تو انھوں نے فرمایا کہ یہ سچا خواب ہے، مگر چونکہ اب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سے وحی آنے کا سلسلہ موقوف ہو گیا ہے، تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سے قرآن کی بے مثال خدمت لے گا“ چنانچہ یہ بشارت ”موضع القرآن“ کی صورت میں پوری ہوئی۔

اس کی خصوصیات میں سے یہ ہے کہ انھوں نے زبان کے مقابلہ میں ایسی زبان اختیار کی ہے جس میں عموم و خصوص اور اطلاق و تقیید اور محل استعمال کا پورا احاطہ ہے، یہ الٹری ایسی عنایت ہے جس کے لئے وہ چند ہی لوگوں کو مخصوص کرتا ہے۔

لے مختلف مثالوں سے یہ ثابت کیا جاسکتا ہے کہ شاہ صاحبؒ کو عربی زبان و ادب کا جیسا صحیح ذوق اور قرآنی الفاظ کی روح اور طاقت اور منشاء کے مطابق اردو کے الفاظ کے انتخاب میں جو کامیابی حاصل ہوئی ہے، اس کی نظیر کم سے کم ہندوستان میں نہیں ہے، اور بعض مقامات پر وہ علامہ زرخشری و راجب اصفہانی جیسے علماء بلاغت و اثر لغت سے بھی بڑھ جاتے ہیں، تاہم الہی اعلیٰ درجہ کے اخلاص اور وہی ادبی اور لسانی صحیح ذوق کے سوا کسی چیز سے اس کی توجیہ نہیں کی جاسکتی۔ (مصنف)

میں نے ”موضح القرآن“ کی سماعت و روایت اپنی نانی صاحبہ سیدہ حمیرہ بنت شاہ علم الہدیٰ حسنی نصیر آبادی سے کی ہے جنہوں نے شاہ عبدالقادر رضا کی صاحبزادی کی روایت کی ہے اور جنہوں نے اپنے والد ماجد سے روایت کی تھی، آپ کی وفات چہار شنبہ ۱۹ رجب ۱۲۳۳ھ میں ہوئی اور اپنے والد کے پاس دفن ہوئے اس وقت شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ رفیع الدین صاحب حیات تھے اس لئے قدرتی طور پر انہیں بہت صدمہ ہوا وہ حضرات ان کے دفن کے وقت یہ کہہ رہے تھے کہ ”ہم ایک انسان کو نہیں بلکہ سراپائے علم و عرفان کو دفن کر رہے ہیں“

یہ عجائبات زمانہ میں سے ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب کے چار صاحبزادے اراد خان، بنت سید ثناء اللہ سے تھے جن میں بڑے شاہ عبدالعزیز صاحب پھر شاہ رفیع الدین صاحب پھر شاہ عبدالقادر صاحب پھر سبک چھوٹے شاہ عبدالغنی صاحب (مولانا اسماعیل شہید کے والد) تھے اگر سب سے پہلے چھوٹے بھائی شاہ عبدالغنی صاحب کی وفات ہوئی پھر ان کے بعد شاہ عبدالقادر صاحب کی، پھر شاہ رفیع الدین صاحب کی، پھر شاہ عبدالعزیز صاحب کی وفات ہوئی، یہ سب بھائی علم و عمل، افادہ و فیض رسانی میں (شاہ عبدالغنی صاحب کے سوا) کیونکہ ان کی وفات عنفوان شباب میں ہو گئی تھی (فضلائے زمانہ میں ممتاز تھے) شاہ عبدالغنی صاحب کے صاحبزادہ گرامی قدر حضرت مولانا اسماعیل شہید کو اللہ نے ایسی توفیق عطا کی جس سے انہوں نے اپنے والد ماجد کی طرف سے پوری تلافی کر دی۔

شاہ محمد عاشق پھلتی

عالم کبیر و محدث جلیل مولانا شاہ محمد عاشق بن عبید اللہ بن محمد صدیقی پھلتی

کبار شائخ میں سے تھے آپ کا نسب حضرت محمد بن ابی بکر صدیقؓ تک اکیس واسطوں سے پہنچتا ہے، بچپن ہی سے تحصیل علم میں مشغول ہوئے اور شیخ اجل حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی صحبت اختیار کی (جو آپ کے پھوپھی زاد بھائی تھے) ان سے آپ نے علم و معرفت حاصل کی اور ان کے ساتھ ۱۲۳۳ھ میں حرمین شریفین کا سفر بھی کیا اور حج و زیارت سے مشرف ہوئے اور اساتذہ حرمین سے اخذ و استفادہ میں آپ کے ساتھ شریک رہے جن میں شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم کردی مدنی امتیاز خاص رکھتے ہیں شیخ ابوطاہر نے ان کو اجازت بھی دی۔

شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے اصحاب میں آپ علم و معرفت کے لحاظ سے سب پر فائق تھے اس طرح آپ شاہ صاحبؒ ہوی کے محرم اسرار ہو گئے، جیسا کہ شیخ ابوطاہرؒ نے اپنے اجازت نامہ میں ان کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ اُن (شاہ ولی اللہؒ) کے کمالات کا آئینہ اور خصالِ جمیلہ کا نمونہ ہیں ان کے استاد حضرت شاہ ولی اللہؒ نے انھیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا ہے

یجد ثنی نفسی بأنتک واصل الی نقطة قصواء وسط المراكز
وَأنتک فی تیک البلاد مفتح بکفیک یوما کل شیخ وناہز
(میرادل کہتا ہے کہ تم علمی مرکزوں کے مقام بلند پر فائز ہو گے اور ان شہروں میں محترم ہو گے اور چھوٹا بڑا تمہارا تابع ہوگا)
دوسری جگہ کہتے ہیں یہ

وان یک حقاً اعلمت فانه سیل فی الیک الامر لا بد سابعاً
سیاتیک امر لا یطاق بہاء الی کل سور لا محالة بالغاً

وثلج وبرد یجمعان شتاتکم میخیان همائی فؤادک لاذھا
 (اگر میرا یقین صحیح ہے تو سر رشته تمہارے ہاتھ آئے گا، اور تمہیں وہ نور حاصل
 ہوگا جس سے نگاہیں خیرہ ہو جائیں گی اور وہ ہر راز کو افشا کر دے گا، اور شرح صدر سے
 وہ جمعیت خاطر حاصل ہوگی جو تمہارا غم غلط کر دے گی۔)

شرح دعائے اعتصام کی تقریظ میں شاہ صاحب نے لکھا تھا ہے
 لیہک ما اوفیت ذرۃ حقہ من الفحص الغیش والنعم والفکر
 ویمثلک من علی العلوم ونشرھا ونظمک اصناف الجواهر والدر
 وحفظک للرمز الخفی مکانہ ونعمتک بجزا اخر اایما بحر
 فذلک ما اوتیت من حل المنی وذلک ما اعطیت من عظم الفخر
 (علم و تحقیق اور فکر و نظر کی بلندیوں پر فائز ہونا مبارک ہو، اور علوم کی تحقیق و اشاعت
 اور علم کے ہیرے موتیوں کی تنظیم و ترتیب بھی مبارک ہو، نیز رمز مخفی کی حفاظت اور
 علم و عمل کے بحر زخار کی خواصی و نشاوری تمہیں یہ مرادیں الشہی کی طرف سے
 ملی ہیں، اور مفاخر کا سراپہ بھی الشہی کا عطیہ ہے۔)

ان سے شاہ عبدالعزیز اور ان کے بھائی شاہ رفیع الدین اور سید ابوسعید
 رائے بریلوی اور ایک غلطی نے استفادہ کیا، ان کی کتابوں میں "سبیل الرشاد" فارسی میں
 تصوف کی ایک مبسوط کتاب ہے، دوسری کتاب "القول الجلی فی مناقب الولی"
 ان کے شیخ حضرت شاہ ولی الشرح کے حالات میں ہے، "دعائے اعتصام" حقائق
 و معارف میں حضرت شاہ صاحب کی کتاب کی شرح، ان کی سب سے بڑی کتاب
 "تبیین المصنفی شرح الموطا" ہے جو شاہ صاحب کی کتاب "مصنفی" سے

متعلق ہے، ۱۸۷۱ء میں انتقال کیا جیسا کہ سید ابوسعید رائے بریلویؒ کے نام حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے گرامی نامہ سے معلوم ہوتا ہے۔

خواجہ محمد امین کشمیری ولی اللہی

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے ان چار خلفاء و تلامذہ کبار میں سے جن سے ان کے سلسلہ تعلیم اور مقاصد کی اشاعت و تبلیغ ہوئی ان کے ایک اہم شاگرد خلیفہ خواجہ محمد امین کشمیری بھی تھے، مولانا سید عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ نزہۃ النواظرؒ میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ اصلاً کشمیر سے تعلق رکھتے تھے لیکن دہلی میں سکونت تھی وہ شاہ صاحبؒ کے اجلہ اصحاب میں تھے، اپنے شیخ کی طرف اپنی نسبت کرتے تھے اور ولی اللہی لکھتے اور کہلاتے تھے، ان کے امتیاز و شرف کے لئے اتنا کافی ہے کہ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے شاہ صاحبؒ کی وفات کے بعد ان سے علوم کی تکمیل کی جیسا کہ خود شاہ عبدالعزیز صاحبؒ اپنے رسالہ عجائب نافعہؒ میں اس کی صراحت کی ہے، ان کے اعزاز و امتیاز کی دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے ان کے لئے خصوصی طور پر بعض رسائل تصنیف فرمائے، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے اس مکتوب گرامی سے جو انھوں نے حضرت شاہ ابوسعید رائے بریلویؒ کے نام بھیجا ہے۔

۱۔ مولانا عبد اللہ صاحب ندوی مرحوم اپنی کتاب ”التمہید“ (حصہ اردو) میں لکھتے ہیں :-
 ۲۔ شاہ صاحبؒ کے مکمل نظریہ کو سمجھنے والوں میں چار رفقاء سے زیادہ نہیں ہیں (۱) ان کے ناموں زاد بھائی شاہ محمد عاشق (۲) جمال الدین شاہ محمد امین ولی اللہی کشمیری (۳) شاہ نور اللہ بڑھانوی (۴) شاہ ابوسعید بریلویؒ (شاہ ولی اللہ نوران کی سیاسی تحریک از مولانا عبد اللہ صاحبؒ ۱۹۴۳-۱۹۴۴)
 اصحاب ثلاثہ شیخ محمد عاشق پھلتی، خواجہ محمد امین کشمیری ولی اللہی اور شاہ ابوسعید صاحبؒ رائے بریلوی کا ذکر مستقل طور پر آیا ہے، چوتھے صاحب شیخ نور اللہ صدیقی بڑھانوی حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خصوصی تلامذہ میں تھے اور شاہ صاحبؒ کی زندگی ہی میں ان کو امتیازی شہرت حاصل ہو گئی تھی، اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے جو ان کے ولادت کے آٹھ سال پہلے کی کتابیں پڑھیں ۱۸۷۱ء کے قریب ان کی وفات ہوئی۔

(نزہۃ النواظر جلد ۶)

پتہ چلتا ہے کہ ان کا انتقال ۱۸۷۱ء میں یا اس کے آس پاس ہوا، اس لئے کہ حضرت
سید شاہ ابوسعید صاحب ریح الاول ۱۸۷۱ء میں عازم حج ہوئے تھے اور ۱۸۷۲ء میں ان کی
مراجعت ہوئی اور شاہ صاحب کا یہ خط ان کی واپسی پر ملا۔

خواجہ محمد امین کشمیری کی خصوصیت اس سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ کلمات طیبہ
میں شاہ صاحب کے ان کے نام چار اہم مکتوب ہیں جو دقیق حقائق و معارف پر مشتمل ہیں۔

ان چار خلفائے عظام کے علاوہ شاہ صاحب کے بعض دوسرے خلفاء بھی
تھے جن کے حالات تفصیل سے نہیں ملتے، ان میں ایک حافظ عبد النبی معروف بہ عبد الرحمن
بھی تھے جن سے شاہ صاحب کا خصوصی تعلق معلوم ہوتا ہے۔

شاہ ابوسعید حسنی رائے بریلوی

سید والاتبار ابوسعید بن محمد ضیاء بن آیت الشریعہ شیخ اجل علم الشریعہ نقشبندی
بریلوی، علمائے ربانی ہیں سے تھے، رائے بریلی میں ولادت اور نشوونما ہوئی، اور
ملا عبد الشریعہ میٹھوی سے تعلیم حاصل کی، پھر اپنے چچا سید محمد صابر بن آیت الشریعہ نقشبندی
سے بیعت ہوئے اور صوفیہ کے اذکار و اشغال میں ایک مدت تک مصروف رہے،
اس کے بعد مدلی جا کر حضرت شاہ ولی الشریعہ بریلوی کے پاس رہ کر ان سے استفادہ کیا
اور ان کی وفات کے بعد ضرورت کا احساس کر کے شاہ صاحب کے شاگرد شیخ
محمد عاشق بن عبید الشریعہ پھلتی سے بھی استفادہ کیا، شاہ محمد عاشق صاحب نے آپ کے

۱۔ نزہۃ النواظر ج ۶ ص ۲۸۶ ۲۔ کلمات طیبات ص ۱۶۱-۱۶۲

۳۔ ملاحظہ ہو رسالہ برہان مقالہ مسعود انور صاحب علوی ایم۔ اے علیگ شمارہ ستمبر اکتوبر ۱۹۸۳ء۔

اجازت نامہ میں لکھا ہے:۔

”سید تقی و تقی، عارف باللہ، قابل تعریف ولی میر ابو سعید ہمارے شیخ
ولی اللہ محدثؒ کے ساتھ رہے ہیں اور ان سے بعض اشغال طریقت معلوم
کر کے ان پر مداومت کی ہے، حتیٰ کہ ان پر شیخ کی توجہ کی برکت سے
ظاہری و باطنی لطائف و اسرار کے دروازے کھل گئے، اور ان کی شخصیت
میں صوفیہ کے احوال و آثار ظاہر ہوئے اور انھیں وہ ”شہود“ حاصل
ہو جو صوفیہ کا مقصود ہے۔“

آگے تحریر فرماتے ہیں:۔

”پھر جب حضرت شیخؒ نے دار رضوان کو انتقال فرمایا تو انھیں خیال ہوا کہ
سلسلہ نقشبندیہ قادریہ چشتیہ وغیرہ کے بقیہ اشغال فقیر سے حاصل کریں اور
صوفیہ کے متواتر طریقہ میں داخل ہوں میں نے ان کی طلب یکہ کر صحت اجماع
کے خوف سے حصول مقصد میں ان کی مدد کی اور ان اشغال کی تحقیق کی اور جب
ان میں ان کے آثار و انوار کا مشاہدہ کیا اور ان کی پختگی کا اندازہ کر لیا تو استغناء
کے بعد انھیں طالبین و سالکین کی رہنمائی کی اجازت دی اور انھوں نے
تمام طریقوں میں بیعت کی، اور انھیں ”خزۃ فقریہ فخریہ“ انابت و اجازت
کے طور پر پہنایا، جیسا کہ ہمارے شیخؒ نے ہمیں پہنایا تھا، اور اس کی اجازت دی تھی
اور جیسا کہ شیخ عبید اللہؒ نے ہمیں اپنے آباء و مشائخ کرام کے ذریعہ حاصل
ہونے والے لباس اور اجازت سے نوازا تھا، اس کے ساتھ میں نے انھیں تفسیر
و حدیث فقہ و تصوف کے درس کی (بشرط مطالعہ و مراجعت شروح) اور

نہ صرف کے درس کی اجازت دی، نیز جائز ضرورتوں کے وقت تعویذ اور
 اعمال شائع کی اجازت دی۔ "القول الجمیل فی بیان سواہ السبیل"
 "الانتباه فی سلاسل اولیاء اللہ" میں مندرج تمام اعمال و اشغال کی
 اجازت دی۔

سید شاہ ابوسعید ایک باوقار، کریم النفس، کثیر الاحسان، مہمان نواز، غریب پرور
 بزرگ تھے، مقام کے ساتھ آپ نے حجاز کا سفر کیا اور ۲۸ ربیع الاول ۱۸۵۶ھ کو مکہ مکرمہ
 پہنچے اور حج سے مشرف ہو کر مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور وہاں چھ ماہ مقیم رہے اور "مصابیح"
 کی شیخ ابوالحسن ندوی صغیر سے سماعت کی، ایک بار آپ مرقد نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)
 کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، آپ کو دیکھا کہ حجۃ مبارکہ سے باہر جلوہ افروز ہیں، پہلے آپ کے
 دوش مبارک ظاہر ہوئے، پھر جسد مطہر ظاہر ہوا اور آنحضرتؐ سامنے تشریف فرما ہو کر تنہا
 ہوئے، آپ کے مرید و مجاز شیخ امین بن حمید علوی کا کوری اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں کہ:-
 "شیخ ابوسعید فرماتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ منورہ
 میں بچشم سرور دیکھا ہے۔"

پھر آپ مکہ مکرمہ واپس ہوئے اور جزیرۃ "شیخ محمد میرداد انصاری سے پڑھی، پھر
 طائف ہوتے ہوئے، ہندوستان آئے اور مدراس میں داخل ہوئے اور وہاں ایک
 مدت تک قیام کیا اور مقبولیت حاصل کی، اور آپ سے بہت سے لوگ مستفید ہوئے
 ان میں الحاج امین الدین بن حمید الدین کا کوری، مولانا عبد القادر خاں خالص پوری،
 میر عبد السلام بدشتی، شیخ میرداد انصاری کی، مولانا جمال الدین بن محمد صدیق قطب،
 مولانا عبد اللہ آفندی، اور شیخ عبد اللطیف حسینی مصری، اور بہت سے دوسرے

لوگ تھے، ۹ رمضان ۱۱۹۳ھ کو رائے بریلی میں وفات پائی اور وہیں سپرد خاک ہوئے۔

ایک نامور معاصر مصلح شیخ محمد بن عبدالوہاب

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ایک نامور معاصر اور عظیم مصلح نجد کے ایک ممتاز عالم اور صاحب عزیمت داعی مصلح شیخ محمد بن عبدالوہاب بن سلیمان التیمی، الحنبلی، (۱۱۱۵-۱۲۰۶ھ) (۱۷۰۳-۱۷۹۲ء) ہیں وہ سنہ ولادت کے لحاظ سے شاہ حنابلہ کے متقارب ہیں۔

لے واضح رہے کہ آپ حضرت سید احمد شہیدؒ کے حقیقی نانا تھے، خاندان ولی اللہی سے آپ کے تعلقات کی نوعیت اور آپ کی خصوصیت و عظمت کا اندازہ ان خطوط سے ہوتا ہے، جو شاہ اہل الشریعہ (بمادر حضرت شاہ ولی اللہ) مولانا نور اللہ، حضرت شاہ محمد عاشقؒ اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے آپ کے نام بھیجے ہیں اور جن میں خاندانی حوادث اور پیش آنے والے واقعات کی اطلاع، نیز آپ کے بلند مقام اور کمالات کا اعتراف ہے، یہ مجموعہ مولوی سید ابوالقاسم صاحب ہنسوی کا مرتب کیا ہوا "مکتوب المعارف" کے نام سے خاندانی ذخیرہ کتب میں محفوظ ہے، آپ ہی کے حقیقی چچا زاد بھائی مولانا سید محمد واضح حسنی کو بھی حضرت شاہ ولی اللہؒ کی طرف سے اجازت عاتقہ تھی اور شاہ صاحب ان کا بلند الفاظ میں ذکر فرماتے ہیں۔

(ملاحظہ ہو مکتوب مشمولہ مکتوبات قلمی عثمانیہ یونیورسٹی لاہور سری حیدر آباد ص ۱۵۱)

۱۲۰۶ھ شاہ صاحب کی ولادت ۱۱۹۳ھ کی ہے، اس طرح آپ شیخ سے ایک سال بڑے تھے۔

اور سنہ وفات کے لحاظ سے ان سے تیس سال متاخر ہیں، معاصر ہونے اور متعدد ماہ الاشرک باتوں کے باوجود ملاقات تو بجائے خود ایک کی دوسرے سے واقفیت کا بھی ابھی تک کوئی سراغ نہیں ملا، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں حج کے لئے گئے اور ایک سال سے کچھ زیادہ حجاز میں قیام فرمایا، یہ وہ زمانہ ہے کہ شیخ محمد بن عبد الوہاب کی دعوت و تحریک نجد کے علاقہ عسینہ و درعیہ وغیرہ میں محدود تھی، امیر محمد بن سعود نے اس وقت تک نہ شیخ سے بیعت کی تھی اور نہ ان دونوں کے درمیان (دعوت کی نشر و اشاعت اور اس کی بنیاد پر حکومت کے قیام اور اس کی تائید کا) کوئی معاہدہ اور سمجھوتہ ہوا تھا، یہ معاہدہ ۱۱۵۶ھ میں ہوا اور اس کے نتیجہ میں درعیہ دعوت کا مرکز اور ایک دینی دارالحکومت بنا، شیخ کی دعوت کا حجاز میں اس وقت تعارف اور اثر و نفوذ پیدا ہوا جب ۱۲۱۸ھ میں (شیخ کی وفات کے بارہ سال اور شاہ صفا کی وفات کے بیالیس برس بعد) مکہ معظمہ پر آل سعود کا قبضہ ہوا۔

شیخ محمد بن عبد الوہاب کی دعوت و جدوجہد کا اصل دائرہ توحید خالص کی دعوت و تبلیغ، رد شرک و استیصال رسوم جاہلیت (جس کے بعض مظاہر و شعائر کا بعد زمانہ اجمالت اور علماء کی غفلت سے جزیرۃ العرب کے مشرقی حصہ کے بعض علاقوں اور قبائل میں ظہور ہو گیا تھا) توحید الوہیت و توحید ربوبیت کا فرق اور خدا کی طرف سے جس توحید کا اپنے بندوں سے مطالبہ اور قرآن مجید میں

لے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مولانا مسعود عالم ندوی کی کتاب ”محمد بن عبد الوہاب ایک مظلوم اور بدنام مصلح“ (مطبوعہ مکتبہ نشأت ثانیہ حیدرآباد) نیز عربی کی وہ کتابیں جو شیخ کے حالات میں لکھی گئیں اور ان کی فہرست طویل ہے۔

اس کی صریح دعوت ہے، اس کی وضاحت و تنقیح تھی، اس بارے میں شیخ کو جو کامیابی ہوئی اس کی مثال پچھلے دور کے مصلحین میں ملنی مشکل ہے، اگرچہ بقول ڈاکٹر احمد امین، اس میں اس کو بہت دخل تھا کہ اس کی بنیاد پر ایک حکومت (حکومت سعودیہ) قائم ہوئی، اور اس نے اس دعوت کو اپنایا، اور اس کی سرپرستی کی، لیکن بہر حال یہ حقیقت ہے کہ شیخ نے اس سلسلہ میں ایک انقلابی مصلح کا کردار ادا کیا، اور خواہ کسی صاحب علم کو ان کے افکار، دعوت پیش کرنے کے طریقہ و لہجہ اور طرز عمل سے توفیق ملے اتفاق نہ ہو، اس دعوت کی افادیت اثر انگیزی اور ان خاص حالات میں اس کی ضرورت سے انکار نہیں ہو سکتا۔

عقیدہ توحید کی توضیح و تنقیح، قرآن مجید سے اس کے ثبوت اور توحید الوہیت و توحید ربوبیت کے درمیان فرق کا جہاں تک تعلق ہے، اس میں حضرت شاہ صاحب اور شیخ محمد بن عبد الوہابؒ کے خیالات و تحقیقات میں بڑی مماثلت نظر آتی ہے، جو قرآن مجید کے عمیق اور براہ راست مطالعہ و تدبر اور کتاب و سنت سے گہری واقفیت کا نتیجہ ہے، اور جس نے اپنے زمانہ میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور اپنے اپنے زمانہ میں دوسرے محققین و مصلحین کو مماثل نتائج پر پہنچایا اور ان کو واضح اور دو ٹوک دعوت توحید کی اشاعت و تبلیغ پر آمادہ کیا۔

لیکن شاہ صاحبؒ کا دائرہ عمل اور ان کے اصلاحی و تجدیدی کام کا میدان اس سے کہیں زیادہ وسیع ہے، اس میں علوم اسلامیہ کا احیاء، فکر اسلامی کی تجدید،

۱۔ ملاحظہ ہو شیخ کا شہرہ آفاق رسالہ "التوحید الذی هو حق اللہ علی العبد"

۲۔ ملاحظہ ہو "ذمماء الاصلاح فی العصر المحدث" ترجمہ شیخ محمد بن عبد الوہاب۔

اسرار و مقاصد شریعت کی نقاب کشائی، شریعت اور تعلیمات اسلامی کو مربوط و مکمل شکل میں پیش کرنے کا علمی کا زمانہ، علمی جمود اور مذاہب فقہیہ کے تعصب کی اصلاح، تطبیق بین العقل والنقل اور توفیق بین المذاہب الفقہیہ کا مجتہدانہ کام، ہندوستان میں اسلامی اقتدار کی حفاظت کی سعی، حدیث کا عمیق مطالعہ اور اس کی نشر و اشاعت کی مجددانہ کوشش، تزکیہ نفس اور حصول درجہ احسان کی دعوت اور اس کی تعلیم اور مردان کار کی تربیت شامل ہے۔ اسی کے ساتھ شاہ صاحبؒ کے یہاں (اقبال کے الفاظ میں) ”حجازی رنگے از (توحید خالص کی مضبوط زمین) میں زمزم کا چشمہ شیریں (محبت و لیت کی جوئے شیر) بھی ہے، جو شاہ صاحبؒ کے خاص ماحول و تربیت اور صفوں و لوک کا نتیجہ ہے، اور جس کا نمونہ ان کے نعتیہ قصائد اور شوقیہ اشعار میں دیکھا جاسکتا ہے۔ اس لحاظ سے ان کا اور شیخ محمد بن عبدالوہاب کا (جن کی سعی بہر حال مشکور ہے) تقابلی مطالعہ کرنے اور ان دونوں میں مماثلت و اتفاق کے نقاط تلاش کرنے کے بجائے شاہ صاحبؒ کا اور شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ کا تقابلی مطالعہ اور اتفاق و اختلاف کے نقاط تلاش کرنا زیادہ مناسب ہوگا کہ دونوں اپنے علمی تجربہ، علوم کتاب و سنت میں درجہ امامت و اجتہاد تک پہنچنے، عمق و وسعت نظر کا اصلاح و تجدید کے تنوع اور شخصیت کی عظمت و عبقریت میں زیادہ مماثل نظر آتے ہیں (اور کتاب میں اس کی طرف جا بجا اشارات گزر چکے ہیں) اس اختلاف کے ساتھ جو ماحول تعلیم و تربیت، زمان و مکان کے اختلاف اور سلوک و تربیت باطنی کا نتیجہ ہے۔

باب دوازدہم

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی تصنیفات

کتب و رسائل

یہاں حضرت شاہ صاحب کی چھوٹی بڑی عربی فارسی تصنیفات کی حروف تہجی کے اعتبار سے فہرست دی جا رہی ہے، اہم کتابوں کا مختصر تعارف بھی کرایا گیا ہے، قلمی و مطبوعہ اور زبان کی نشان دہی کی بھی کوشش کی گئی ہے۔

(۱)

۱۔ الأربعین (عربی) چالیس احادیث کا مجموعہ جو ان مختصر اور جامع احادیث پر مشتمل ہے جو مجموعہ الکلمہ کا مصداق ہیں، مطبع انوار محمدی لکھنؤ سے ۱۳۱۹ھ میں شائع ہوا، ۱۲۵۴ھ میں اس کا اردو ترجمہ حضرت سید احمد شہید کے ایک خلیفہ سید عبدالشمر حوم نے مطبع احمدی کلکتہ سے شائع کیا، اس کے بعد متعدد ترجمے شائع ہوئے، مولانا عبد الماجد دریاباد نے ۱۳۸۶ھ (۱۹۶۷ء) میں اس کا ترجمہ اور مختصر تشریح کی، جو ہندوستان و پاکستان سے پہلے حدیث ولی اللہی اور أربعین ولی اللہی کے نام سے شائع ہوئی۔

۲۔ الإرشاد إلیٰ مہمات علم الاسناد (عربی) اس میں اپنے اساتذہ و شیوخ حجاز کا

ذکر ہے رسالہ مطبوعہ ہے۔

۳۔ ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء (فارسی) موضوع، حجم، طباعت اور اہم مضامین کی تلخیص، کتاب کے تعارف میں گزر چکی ہے۔

۴۔ أطیب النعم فی مدح سید العرب والعجم (عربی) یہ شاہ صاحب کے نعتیہ قصائد کا مجموعہ ہے جن سے شاہ صاحب کی قادر الکلامی اور عشق نبوی کا اندازہ ہوتا ہے، مطبع مجتہبی دہلی سے ۱۳۰۸ھ میں شائع ہوا۔

۵۔ ألطاف القدس (فارسی) کتاب لطائف باطنی کی تشریح اور تصوف کے بنیادی مسائل کی توضیح میں ہے، سید ظہیر الدین صاحب کے اہتمام میں مطبع احمدی سے شائع ہوئی۔

۶۔ الإمداد فی آثار الأجداد (فارسی) مختصر رسالہ ہے اس میں شاہ صاحب نے اپنے چند اجداد کا حال لکھا ہے اس میں پنا مسلمہ نسب بھی درج کیا ہے انفاصل عارفین میں یہ رسالہ بھی شائع ہے، نیز مطبع احمدی دہلی کے طبع کردہ مجموعہ خمسہ رسائل شاہ ولی اللہ دہلوی میں بھی شائع ہے۔

۷۔ الانتباه فی سلاسل أولیاء اللہ (فارسی) تصوف کے مختلف سلاسل کی تاریخ اور ان کی تعلیمات کا مختصر تذکرہ، ۱۳۱۱ھ میں سید ظہیر الدین صاحب کے اہتمام میں اردو ترجمہ کے ساتھ مطبع احمدی سے شائع ہوا۔

لے الانتباه فی سلاسل اولیاء اللہ میں خط پر کشف قبور کے عنوان کے تحت جو طریقہ لکھا گیا ہے وہ ان تمام احتیاطوں اور محتقانات و محدثانہ ذوق سے مطابقت نہیں رکھتا، جو شاہ صاحب کی اہم تصنیف بالخصوص حجة اللہ الباقی لغیباً الہیہ والنفوذ الکبیر میں نمایاں ہے اور اگرچہ اس کی تاویل کی جاسکتی ہے (لاحظہ ہو خط الایان از حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ص ۱۷) لیکن ان موہم الفاظ میں بھی اس مضمون کا آنا جو شائع طریقہ کے تجرباً اور بعض کے عمل کے مطابق ہے علی لغزش اور غلط فہمی کا باعث ہو سکتا ہے، امام الکملؒ کے درجہ اللہ تعالیٰ بلند فرمائے کہ انھوں نے مسجد نبویؐ کے در میں قبر انور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: کل یتخذ من قوله ویردہ الا صاحب لهذا القبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

۸۔ انسان العین فی مشائخ الحرمین (فارسی) اس رسالہ کا تعارف شاہ صاحب کے تذکرہ میں گزر چکا ہے، انفاس العارفین کا جزء ہے، مطبع احمدی سے مجموعہ خمسہ رسائل شاہ ولی اللہ کے ضمن میں بھی شائع ہوا ہے۔

۹۔ الانصاف فی بیان أسباب الاختلاف (عربی) رسالہ کے تعارف کے سلسلہ میں اس کی اہمیت، طباعت اور مختلف ایڈیشنوں کی تفصیل گزر چکی ہے۔

۱۰۔ انفاس العارفین (فارسی) کتاب کا تعارف شاہ صاحب کے تذکرہ میں گزر چکا ہے، ۱۳۳۵ھ (۱۹۱۷ء) میں مطبع مجتبائی دہلی سے شائع ہوئی، یہ کتاب دراصل حسبِ میل سات رسالوں کے مجموعہ کا نام ہے۔

(۱) بوارق الولاية (۲) شوارق المعرفة (۳) الامداد فی آثار الاجداد (۴) النبذة الإبریزية فی اللطيفة العزیزية (۵) العطية الممدیة فی انفاس الممدیة (۶) انسان العین فی مشائخ الحرمین (۷) الجزء اللطیف فی ترویجة العبد الضعیف اس میں سے اکثر رسائل علیحدہ بھی طبع ہوئے ہیں۔

(ب)

۱۱۔ البدور البازغة۔ (عربی) کتاب فلسفہ دینی کے بیان پر مشتمل ہے، لیکن اس میں فلسفہ کی اصطلاحات فطرت و ترکیب انسانی، طبقات و افراد کے خصائص پر فلسفیانہ اور اشرافی رنگ میں روشنی ڈالی گئی ہے، اور طبیعیات و علم الاخلاق کے مباحث طے جلتے ہیں، ارتفاعات کو بھی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، اور صالح تمدن اور اس بائیس میں شریعت کی رہنمائی پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، جماعت انسانی کی صحیح تنظیم اور خلافت و امارت کے احکام و آداب بھی بیان کئے گئے ہیں پھر معرفت الہی

اور اسماء و صفات سے بھی پردہ اٹھایا گیا ہے، مراتب احسان اور ان کے حجابات کا بھی ذکر کیا گیا ہے، مرض شرک اور اس کے اصناف اور طبقات کا بھی ذکر ہے، فتن اور قیامت کا اثبات بھی ہے، عالم برزخ و حشر کے منازل، فضائل اعمال و مناقب کا تذکرہ، نبوت کا اثبات، اقسام انبیاء و مراتب وحی کی بھی تفصیل ہے، ملت کی حقیقت، اس کے ظہور کے انواع، جاہلیت اولیٰ کا تذکرہ اور اہل سابقہ کا بھی تعارف کرایا گیا ہے، پھر اس ملت کی شریعت، اس کے ارکان دین، علم تشریع اور مقاصد شرع کا بیان تفصیل سے ہے، اور ارکان اربعہ کے اسرار و حکم پر خاص طور سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

اس کتاب میں حجۃ اللہ البالغہ کے مقابلہ میں مضامین کی کثرت اور ان کا تنوع زیادہ ہے، اور اس میں بعض ایسے مباحث الہیہ اور مسائل کلامیہ بھی آگئے ہیں جن کو جمہور متکلمین اور حکماء امت نے بیان نہیں کیا تھا، لیکن حجۃ اللہ البالغہ اپنے عمق، علم و نظر کی پختگی، ذہنی و علمی ارتقاء اور علوم و حقائق کو شریعت و سنت کی زبان اور زیادہ طاقتور عربی اسلوب میں بیان کرنے میں فائق ہے، مجلس علمی ڈابھیل نے ۱۳۵۴ھ میں مدینہ پریس بجنور سے شائع کیا۔

۱۲۔ بوارق الولاية (فارسی) یہ رسالہ انفاس العارفین کا جزء ہے اس میں اپنے والد شاہ عبدالرحیم صاحب کے اقوال و احوال و واقعات و تصرفات ذکر کئے ہیں۔

(ت)

۱۳۔ تاویل الاحادیث (عربی) اس میں انبیاء علیہم السلام کے ان قصص کے جو قرآن مجید میں بیان کئے گئے ہیں، لطائف و نکات اور ان سے استخراج کئے ہوئے بہت سے اصول شرعیہ کا بیان ہے، اختصار کے باوجود کتاب میں بعض بڑے قیمتی اشارات اور قرآن مجید کے عمیق فہم کے نمونے ہیں، شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد (پاکستان) کی جانب سے شائع ہوئی۔

۱۴۔ تحفۃ الموحدين۔ یہ عقیدہ توحید کی تشریح پر شاہ صاحب کا فارسی میں ایک مختصر رسالہ ہے جس کا متن افضل المطالع دہلی سے شائع ہوا تھا، مولانا حافظ محمد رحیم بخش دہلوی مصنف "حیات ولی" نے اس کا اردو میں ترجمہ کیا، ۱۳۸۱ھ بمطابق ۱۹۶۲ء میں مکتبہ سلفیہ شیش محل روڈ لاہور کی طرف سے یہ ترجمہ شائع ہوا ہے، شاہ صاحب کی تصنیفات میں عام طور پر اس رسالہ کا ذکر نہیں آتا، رسالہ کا بنیادی مضمون اگرچہ شاہ صاحب کی دوسری تحریرات کے مطابق ہے، لیکن بعض مضامین کی بنا پر بعض اہل نظر کو اس کی شاہ صاحب کی طرف نسبت میں تردد ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

۱۵۔ تراجم البواب البخاری (عربی) اس میں اصولی طور پر ایسے قواعد بیان کئے گئے ہیں، جن سے تراجم بخاری کے حل میں مدد ملے، مجموعہ رسائل اربعہ نیز سلسلات مطبوعہ مطبع نور الانوار آرہ کے آخر میں طبع ہوا ہے۔

۱۶۔ التہذیبات الإلهیة (عربی و فارسی) اس میں شاہ صاحب کے واردات قلبی اور وجدانی مضامین ہیں، جو زیادہ تر عربی اور کتر فارسی میں ہیں، اس کی حیثیت ایک ایسی بیاض کی کا ہے جس میں آدمی اپنے تاثرات و مشاہدات قلم بند کر لیتا ہے، اور وہ خاص حلقہ احباب تلامذہ کے مطالعہ میں آنے کے لئے موزوں ہوتی ہے، بعض اوقات صاحب بیاض ان کی عام اشاعت کو پسند نہیں کرتا، اس کو مجلس علمی ڈابھیل نے ۱۳۵۹ھ (۱۹۳۶ء) میں مدینہ پریس بجنور سے شائع کیا، اس کتاب میں شاہ صاحب نے مسلمانوں کے مختلف طبقات کو الگ الگ خطاب کیا ہے، جو کتاب کا مؤثر ترین اور مفید ترین حصہ ہے، کتاب دو جلدوں میں ہے۔

(ج)

۱۷۔ الجزء اللطیف فی توجیہ العبد الضعیف (فارسی) ذاتی حالات کا مختصر بیان

اور یادداشت، تذکرہ کے سلسلہ میں تعارف گزر چکا ہے۔ انفاس العارفین کا جزو ہے اور علیحدہ بھی طبع ہوا ہے۔

(ح)

۱۸۔ حجة الله البالغة (عربی) کتاب کا تعارف اس کے اہم مضامین کا بیان اور اس کے طبعات کا تذکرہ باب ہفتم میں گزر چکا ہے۔

۱۹۔ حسن ۱۱۔ ندوة (عربی) اسلام کے بنیادی عقائد کو اہل سنت کے مسلک اور قرآن و حدیث کی روشنی میں جامع طریقہ پر بیان کیا گیا ہے، رسالہ کا تعارف اور اس کی طباعت و اشاعت کا تذکرہ باب پنجم میں گزر چکا ہے، رسالہ "العقيدة الحسنة" کے نام سے بھی معروف ہے، مولانا محمد اویس صاحب نگر امی ندوی مرحوم نے اس کی شرح "العقيدة السنية" کے نام سے کی، جو مکتبہ ندوة العلماء سے شائع ہوئی اور دارالعلوم ندوة العلماء میں نصاب میں شامل ہے۔

(خ)

۲۰۔ الخیر الکثیر (عربی) یہ حقیقتاً فلسفہ دینی کی کتاب ہے، اس میں معرفت ذات، اسماء الہی کی حقیقت، حقیقت وحی، کلام الہی وغیرہ کی تشریح کی گئی ہے، وحدۃ الوجود پر بھی فلسفیانہ انداز میں گفتگو کی گئی ہے، عرش، زمان و مکان، افلاک و عناصر، معدن نبات و حیوان، اعیان ثابتہ، عالم مثال وغیرہ سے بحث کی گئی ہے، کتاب کا باب الخزائنہ الخامسة اہم ہے، جس میں نبی کی بعثت، نبوت کے پانچ مزاج، اور انبیاء کے اصناف وغیرہ کا بیان ہے۔ کتاب فلسفہ، طبیعیات، تصوف، حکمت الاشراف سب کا مجموعہ ہے۔

خزانہ ثالثہ میں بعثت سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمالات کی بحث ہے۔

خزانہ ثامنہ میں شریعت کے نشوونما اور اس کے ارتقاء سے بحث ہے۔
 خزانہ ناصحہ میں معاد کے احوال و مراتب سے بحث ہے۔
 خزانہ عائشہ میں متفرق فوائد ہیں۔ مجلس علمی ڈابھیل سے ۱۳۵۲ھ میں شائع ہوئی۔

(۵)

۲۱۔ الدُّرُّ الثَّمِينُ فِي مَبَشِّرَاتِ النَّبِيِّ الْأَمِينِ (عربی) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبشرات کا ایک مجموعہ جو شاہ صاحب کی ذات یا بزرگوں سے متعلق ہیں، رسالہ مسلمات اور النوادر کے ساتھ ۱۳۹۱ھ (۱۹۷۱ء) میں طبع ہوا ہے، کتب خانہ یحوی سہارنپور سے بھی شائع ہوا۔

۲۲۔ دیوان اشعار (عربی) جسے شاہ عبدالعزیز صاحب نے جمع کیا، اور شاہ رفیع الدین صاحب نے مرتب کیا، مخطوطہ کتب خانہ مدوۃ العلماء لکھنؤ۔

(۶)

۲۳۔ رسالہ۔ حضرت خواجہ خورشید شاہ عبداللہ بن عبدالباقی کے جواب میں اپنے کشف کے مطابق۔

۲۴۔ رسالہ دانشمندی (فارسی) اصول تعلیم و اساتذہ کے لئے قیمتی ہدایات پر مشتمل ایک پرمغز اور مفید رسالہ ہے، اردو ترجمہ ”الرحیم“ حیدرآباد مندرجہ سے ستمبر ۱۹۶۴ء میں پروفیسر محمد سرور نے شائع کیا، نیز عربی ترجمہ ”البعث الاسلامی“ شمارہ ۴ جلد ۲ محرم ۱۴۰۳ھ میں محمد اکرم ندوی کے قلم سے ”اصول الدراسة والتعليم“ کے عنوان سے شائع ہوا۔

(مز)

۲۵۔ زہرا دین۔ سورۃ بقرہ و سورۃ آل عمران کی تفسیر۔

(س)

۲۶۔ سطحات (فارسی) در بیان طلسم الہی کہ رابطہ است در بیان مجروحین
و عالم شہادت و بعض حواس و آثار آں۔

کتاب کو فلسفۃ الہیہ میں سمجھنا چاہئے جس میں فلسفیانہ اور تصوفانہ اصطلاح اور
فلسفہ وحدۃ الوجود کی تعبیرات استعمال کی گئی ہیں اور جس میں حقیقتاً ربط الحاد بالقدیم
کے مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے، کتاب ان شخص انخواص کے مطالعہ کے
قابل ہے جو فلسفہ قدیم کے پورے رمز شناس اور وحدۃ الوجود کی تائیدی و تردیدی
بحثوں کے کوہ سے آشنا ہوں، عام اشاعت اور دعوت کی چیز نہیں ہے، کتاب
میں طبی اصطلاحات اور حکمت طبعیہ کے مضامین کی بھی شمولیت ہے، کتاب میں ان
اصولوں کے ماتحت بعض آیات کی لطیف تفسیر بھی ہے کہیں کہیں اپنی تحقیق سے
فلاسفہ اور متکلمین دونوں سے اختلاف ظاہر کیا ہے، تعلیم الہی کے اقسام کو بھی تفصیل
سے ذکر کیا ہے اور اس کے اشکال اور صورتوں کو بیان کیا ہے، شخص اکبر کی اصطلاح
جایجا استعمال کی ہے، ہدایت الہی و بعثت انبیاء سے بحث کی ہے اور یہ کہ وہ کن کن
مظاہر میں ظاہر ہوتی ہے، تجلیات الہیہ ان کے اقسام و مظاہر سے بھی بحث کی ہے کل رسالہ
چوبیس صفحے میں آیا ہے، مطبع احمدی سے رید ظہیر الدین صاحب کے اہتمام میں شائع ہوا،
۱۹۳۹ء میں مولوی فضل احمد صاحب نے بیت الحکمہ کراچی سے اور ۱۹۶۴ء میں مولانا
غلام مصطفیٰ قاسمی نے شاہ ولی اللہ اکیڈمی سے بھی شائع کیا۔

۲۷۔ مسرور المحزون (فارسی) ابن سید الناس کی سیرت پر مشہور کتاب نور العیون
فی سیر الامین المامون کا خلاصہ ہے اپنے نامور معاصر اور سلسلہ مجددیہ کے شیخ کبیر
حضرت مرزا مظہر جانجانا کی فرمائش سے تصنیف کیا، اردو میں اس کے متعدد ترجمے
شائع ہوئے۔

(ش)

۲۸۔ شرح تراجم ابواب صحیح البخاری (عربی) صحیح بخاری کے تراجم اور عنوانات
واحادیث کے مطابق لطائف و اسرار پر ۳۲۳ حصوں میں دائرۃ المعارف حیدرآباد سے
شائع ہوا، اس کے شریع میں تراجم ابواب البخاری بھی ہے۔

۲۹۔ شفاء القلوب (فارسی) حقائق و معارف میں ایک رسالہ ہے۔

۳۰۔ شوارق المعرفة (فارسی) شاہ صاحب کے چچا شیخ ابوالرضا کے حالات پر
مشتمل ہے، انفاس العارفين کا جزء ہے۔

(ع)

۳۱۔ العطية الصمدية فی انفاس المحمدية (فارسی) یہ مختصر رسالہ شیخ محمد کھلئی
کے حالات میں ہے، جو شاہ صاحب کے جہادری تھے، انفاس العارفين کا جزء ہے،
مجموعہ خمسہ رسائل میں بھی شامل ہے۔

۳۲۔ عقد الجید فی احکام الاجتهاد والتقليد (عربی) باب ششم میں رسالہ کا
تعارف گزر چکا ہے۔

العقيدة الحسنة ويكفي من العقيدة۔

(ف)

۳۳۔ فتح الرحمن (فارسی) قرآن مجید کا فارسی ترجمہ، باب پنجم میں اس کا تعارف و تذکرہ گزر چکا ہے، مطبع فاروقی دہلی سے ۱۲۹۷ھ میں شاہ ولی اللہ صاحب کے فارسی فوائد اور شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمہ اردو اور فوائد موضوع القرآن کے ساتھ شائع ہوا، جو کلکتہ کے مطبوعہ نسخہ کی نقل ہے۔

۳۴۔ فتح الخبیر (عربی) قرآن مجید کے مشکل الفاظ کی تشریح، یہ رسالہ الفوز الکبیر کے تتمہ کے طور پر شامل ہے۔

۳۵۔ فتح الودود لمعرفة الجنود (عربی) مطبوعہ مصنف کی نظر سے نہیں گذرا، مولانا رحیم بخش نے "حیات ولی" میں اس کو اخلاق و تصوف سے متعلق لکھا ہے لیکن نام سے اس کی وضاحت نہیں ہوتی۔

۳۶۔ الفضل المبين فی المسلسل من حدیث النبی الامین (عربی) مطبوعہ یہ رسالہ سلسلات کے نام سے معروف ہے، فن حدیث سے متعلق ہے۔

۳۷۔ الفوز الکبیر (فارسی) رسالہ کا تذکرہ و تعارف باب پنجم میں گزر چکا ہے۔

۳۸۔ فیوض المحرمین (عربی) کتاب زیادہ تر قیام حجاز کے زمانہ کے مشاہدات، حقائق باطنی، مسائل کلامی اور مسائل تصوف سے تعلق رکھتی ہے، یہ کتاب بھی خواص کے مطالعہ کی ہے، ان لوگوں کے دسترس سے بالاتر ہے جو فلسفہ اور تصوف میں پورا درک نہیں رکھتے۔

(ق)

۳۹۔ قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین (فارسی) حضرات شیخین کی فضیلت کے اثبات میں متعدد مرتبہ طبع ہو چکا ہے۔

۴۔ القول المجمل فی بیان سوائ السبیل (عربی) عربی کا رسالہ ہے جس میں بیعت کا ثبوت، بیعت کی سنیت، بعض ابتدائی زمانوں میں اس کے عدم رواج اور پابندی نہ ہونے کے اسباب، حکمت بیعت، شرائط مرشد، شرائط مرید، صوفیا کی بیعت کے اقسام، تکرار بیعت کے حکم سے بحث کی گئی ہے، طریقہ تربیت اور تعلیم مرید کو بیان کیا گیا ہے، عالم حقانی کے صفات اور تذکیر و وعظ گوئی کے آداب کا ذکر ہے، پھر سلسلہ قادریہ چشتیہ، نقشبندیہ کے اشغال و مراقبات اور طریقہ مجددیہ کے اشغال کا تذکرہ بھی ہے اور اصطلاحات کی تشریح بھی، شاہ صاحب نے اپنے خاندانی اعمال و تجربات کو بھی درج کر دیا ہے، جو مختلف حالات اور ضرورتوں میں معمول بہا اور آزمودہ ہیں، مختصر کتاب ان طالبین کے دستور العمل اور ہدایت نامہ کی حیثیت رکھتی ہے، جو ان سلاسل ثلاثہ میں کسی سے منسلک ہوں اور ان کو سنت حقہ کا اہتمام اور دعوت و اصلاح کا بھی ذوق ہو۔

کتاب کا مطالعہ کرنے والے کو اس کتاب میں کہیں کہیں وہ محدثانہ و مجتہدانہ رنگ نظر نہیں آئے گا، جو شاہ صاحب کی اہم و مشہور کتابوں کی خصوصیت ہے، بلکہ اس کے بعض مندرجات توحید کے بارہ میں شاہ صاحب کے معروف عالمانہ اور مصلحانہ مسلک سے میل نہیں کھاتے، مثلاً اصحاب کہف کے ناموں کے بارہ میں لکھا ہے، "أسماء أصحاب الکہف امان من الفرق والحرق والنهب والشرق" پھر ان کے نام لکھے ہیں حالانکہ یہ نام بھی کسی صحیح حدیث یا قطعی الثبوت ذریعہ سے ثابت نہیں ہیں۔

اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ کتاب سفر حرمین (۱۱۴۳ھ-۱۱۴۵ھ) کے بیشتر کی تصنیف ہے اس کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ کتاب میں جہاں اپنے شارح تصوف ان کی اجازت اور خرقوں کا ذکر کیا ہے وہاں اپنے محبوب و مرئی استاد شیخ ابوطاہر مدنی کا ذکر نہیں ہے حالانکہ الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف میں اس کی صراحت موجود ہے شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:-

ولبت الخرقۃ الصوفیۃ عن الشیخ الی طاہر المدنی رحمہ اللہ
ولعلہا حاویۃ لخرق الصوفیۃ کلہا^۱

حدیث کی اسانید اور ان کے شیوخ میں بھی والد ماجد (حضرت شاہ عبدالرحیم) اور حاجی محمد افضل کا ذکر کیا ہے شیخ ابوطاہر اور شیوخ حجاز میں سے کسی کا ذکر نہیں ہے حالانکہ اس موقع پر یہ ضروری اور ہر طرح قرین قیاس تھا^۲۔

۱۔ الجزء اللطیف ص ۵۵ مطبوعہ سلفیہ لاہور۔

۲۔ ڈاکٹر مظہر بقا نے اپنی کتاب "اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ" (مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد پاکستان) میں لکھا ہے: "یہ کتاب سفر حرمین کے بعد کی ہے" (ص ۶۵)۔

لیکن یہ ایک مفروضہ سے زیادہ کی حیثیت نہیں رکھتا کہ یہ کتاب سفر حرمین کے بعد کی ہے "قرائن اور داخلی شہادتیں جیسا کہ اوپر گزرا اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ کتاب شاہ عبدالرحیم صاحب کی وفات ۱۱۳۱ھ اور سفر حج ۱۱۳۳ھ کے درمیان کی ہے جب شاہ صاحب کے متنبسین اور طالبین سلوک کا ان کے فرزند جلیل (حضرت شاہ ولی اللہ صاحب) کی طرف رجوع ہوا۔

۳۔ القول الجلیل کے کتب خانہ ندوۃ العلماء میں دو قدیم مخطوط نسخے ہیں ایک نسخہ مولانا سید قطب اہدیٰ حسنی (م ۱۳۳۶ھ) کے قلم کا ہے جو حضرت شاہ عبدالعزیز کے ممتاز تلامذہ میں ہیں اور وہ مستند اور قدیم الہند نسخہ ہے جو مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی کے کتب خانہ کا ہے جو کتب خانہ ندوۃ العلماء میں محفوظ ہے دوسرا نسخہ نواب سید صدیق حسن خان کے کتب خانہ کا ہے۔

پھر بھی اس کتاب میں شاہ صاحب کا اصلاحی رنگ نمایاں ہو کر رہا ہے صوفی کی عبادت کے بعض طریقوں مثلاً صلوٰۃ معکوس کا اس بنا پر ذکر نہیں کیا ہے کہ اس کا سنت اور اقوال فقہائے ثبوت نہیں ہے، اسی طرح مصحف کو آگے پیچھے، دائیں بائیں رکھ کر ضرب لگانے سے اختلاف کیا ہے اور اس کو بے ادبی پر محمول کیا ہے، بعض احادیث پر جو ان سلاسل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سلوک کی تلقین کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں، محدثانہ کلام کیا ہے، شاہ صاحب کا مسلک اور اصلی ذوق اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے :-

”یہ وصیت ہے کہ صحبت نہ اختیار کرے صوفیان جاہل کی“ اور نہ جاہلان عبادت شہار کی“ اور نہ فقیہوں کی جو زاہد خشک ہیں اور نہ محدثین ظاہری کی جو فقہ سے عداوت رکھتے ہیں“ اور نہ اصحاب مقول اور کلام کی جو منقول کو دلیل سمجھ کر استدلال عقلی میں افراط کرتے ہیں، بلکہ طالب حق کو چاہئے کہ عالم صوفی ہو دنیا کا تارک، ہر دم اللہ کے دھیان میں، محالات بلند میں ڈوبا ہو، اسنت مصطفویہ میں راغب، حدیث اور آثار صحابہ کرام کا متجسس، حدیث و آثار کی شرح اور بیان کا طلب کرنے والا، ان فقیہان محققین کے کلام سے جو حدیث کی نظر مائل ہیں نظر سے“ اور ان اصحاب عقائد کے کلام سے جن کے عقائد ماخوذ ہیں سنت سے، جو ناظر ہیں دلیل عقلی میں بطریق تبرع اور عدم لزوم کے“ اور ان اصحاب سلوک کے کلام سے جو جامع ہیں علم و تصوف کے، تشدد کرنے والے نہیں اپنے نفوس پر، اور نہ تدقیق سے کام لینے والے سنت نبویہ پر اضافہ کر کے“

اس کتاب میں شاہ صاحب کا تطبیقی ذوق (جو ان کو دراشت میں ملتا تھا) اور ان کا فطری رجحان تھا) نمایاں ہو کر رہا ہے، انھوں نے مذاہب فقہاء میں سے کسی مذہب کو دوسرے مذہب پر ترجیح دینے کو ناپسند کیا ہے، ان کے نزدیک مناسب یہ ہے کہ ان کو بالا جہاں قبولیت کی نظر سے دیکھ اور پیروی اس کی کرے جو صریح اور مشہور سنت کے موافق ہو۔

ہندوستان کے خطوط نسخوں کے علاوہ یہ رسالہ مولانا محمد صادق مدراسی کے مختصر مقدمہ اور تشریحات کے ساتھ ۱۲۹۹ھ میں اکالج منصور محمد کے مطبع (ابجلیہ مصر) میں عبدالحال احمد کا کتابت کیا ہوا الیقین میں چھپا ہے اور کتب خانہ ندوۃ العلماء میں موجود ہے، کتاب کا ترجمہ مولانا خاتم علی بلہوری (م ۱۳۰۶ھ) نے ۱۲۶۶ھ میں اردو میں کیا وہ لکھتے ہیں کہ جو حواشی مصنف قدس سرہ اور ان کے خلف الرشید علامہ مصر سندھر مولانا شاہ عبدالعزیز کے اس کتاب پر صحیح پائے مزید توضیح و تفسیر فوائد کے ساتھ اس کا ترجمہ بھی ذیلی فوائد میں مندرج کر دیا، یہ ترجمہ پہلی مرتبہ ۱۲۶۸ھ میں مطبع درخشانی میں اور دوسری بار ۱۳۰۶ھ میں مطبع نظامی کانپور میں چھپا۔

(ک)

۴۱۔ کشف الغیب عن شرح البیاضیین (فارسی) حضرت خواجہ باقی باشر کی دو رباعیوں کی خواجہ کے قلم سے شرح ہے، اس شرح کی شرح شاہ صاحب نے فرمائی ہے، مطبع مجتبائی دہلی سے ۱۳۱۰ھ میں شائع ہوئی۔

۴۲۔ لمعات (فارسی) مطبوعہ، علم تصوف سے متعلق ہے۔

۴۳۔ المقالة الوضیة فی النصیحة والوصیة (فارسی) "وصیت نامہ" کے نام سے متعدد بار شائع ہو چکا ہے، مطبع مطیع الرحمن سے قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی کی شرح کے ساتھ بھی ۱۲۶۵ھ میں دہلی سے شائع ہوا، قاضی صاحب کی تشریحات ان کے مشہور رسالہ ارشاد الطالبین سے ماخوذ ہیں۔

۴۴۔ المقدمة السیة فی الإنصار للفرقة الشنیة (عربی) مجدد صاحب کے رسالہ رد و افض کا ترجمہ مع اضافہ فوائد ہے، ٹونک اور بھوپال کے کتب خانوں میں اس کے قلمی نسخے موجود ہیں حال میں مولانا ابوالحسن زیہ صامی دہلی کے ہتھ میں بھی شائع ہوا ہے۔

۴۵۔ المقدمة فی قوانین الترجمة (فارسی) مطبوعہ فتح الرحمن کے شروع میں بھی شامل ہے۔

۴۶۔ المسوی من أحادیث الموطا (عربی) مؤطا کی عربی شرح دہلی سے دوبارہ اور مکہ معظمہ سے ایک بار شائع ہوئی۔

۴۷۔ مصفی (فارسی) مؤطا امام مالک کی فارسی شرح ہے جو بڑے فوائد و تحقیقات پر مشتمل ہے، اور شاہ صاحب کی اہم کتابوں میں ہے، جلد اول مطبع فاروقی دہلی اور جلد ثانی مطبع مرتضوی دہلی سے ۱۲۹۳ھ میں طبع ہوئی۔

۴۸۔ المکتوب المدنی (عربی مطبوعہ) ایک اہم مکتوب وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے تقابل میں جو شیخ اسماعیل بن عبد اللہ شرومی کے نام لکھا گیا،

یہ التفہیمات الإلهیة میں موجود ہے، نیز علیحدہ بھی بعض رسائل کے ساتھ طبع ہوا ہے۔

۴۹۔ مکتوبات مع مناقب امام بخاری و فضیلت ابن تیمیہ (فارسی) مولوی عبدالرزاق صاحب ہنتم کتب خانہ ندیریہ نے شائع کیا، یہ کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے، کلمات طیبات کا ایک مکتوب جو امام بخاری کے مناقب میں لکھا تھا، اور ایک مکتوب جو حافظ ابن تیمیہ کے دفاع میں لکھا گیا ہے، لے کر جمع کر دیا گیا ہے۔

(ن)

۵۰۔ النبذة الابریزمية فی اللطيفة العزیزية (فارسی) اس میں شاہ عبدالرحیمؒ کے نانیہالی جد اعلیٰ شیخ عبدالعزیز دہلویؒ اور ان کے اسلاف و اخلاف کے حالات ہیں، انفاس العارفین کا جزء ہے، مجموعہ خمسہ رسائل مطبوعہ مطبع احمدی میں بھی شامل ہے۔

۵۱۔ النوادر من أحادیث سید الأوائل والأواخر (عربی) مطبوعہ مسلسلات کے ساتھ طبع ہوا ہے۔

(د)

۵۲۔ معانی (فارسی) ضخامت ۶۰ صفحے، متوسط سائز، مطبوعہ تحفہ محمدیہ، در بیان نسبت الی اللہ تمہید میں کہا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے دین محمدیؐ کی حفاظت کا ذمہ لیا اور وہ تمام ادیان پر غالب ہوا، تو تہذیب نفوس عرب و عجم اور ان کے درمیان جو مظالم تھے، ان کا ازالہ بوجہ اتم وجود میں آیا، اور چونکہ دین محمدیؐ کا ایک ظاہر ہے ایک باطن، ظاہر کا تعلق صور و مظاہر، تعیین اوقات، اور

اوضاع و مقادیر سے ہے اور اس کا پورا اہتمام کیا گیا ہے اور تحریف کا سدباب کیا گیا، باطن کا تعلق طاعات کے انوار و آثار کے حصول سے ہے، اس کا تعلق دُوحیزوں سے ہے، ظاہر کے حامل و اژمین پیغمبر ہیں، جنہوں نے ظاہر شرع کی حفاظت کی، ان میں فقہاء و محدثین، مجاہدین و قاری داخل ہیں اور باطن کے حامل (جس کا نام احسان ہے) وہ انوار طاعات، صلاوت کے احساس اور اخلاق فاضلہ سے متعلق اور احوال سنیہ کے حامل ہیں، (جو صوفیہ کرام ہیں) ان پر ہر زمانہ میں ان اشغال کا انقاء ہوا، جو اس زمانہ کے لوگوں کی طبیعت کے مناسب تھے اور ان کے کلام و صحبت میں اللہ تعالیٰ نے ایک جذبہ تاثیر عطا فرمائی اور ان کو کرامات اور نور باطن سے نوازا اور ہر سلسلہ میں مخصوص اشغال و اوراد کا تعین ہوا، اور لوگ ان کی پیروی کر کے فائز المرام ہوئے ہر زمانہ میں ایک خانوادہ کے وابستگان اپنے خانوادہ کو دوسرے خانوادوں پر ترجیح دیتے ہیں یہ ایک طرح سے صحیح ہے، بعض پہلوؤں سے امتیاز ہوتا ہے لیکن حصر صحیح نہیں

پھر شاہ صاحب نے ان خانوادوں اور ان خانوادوں سے نکلنے والی شاخوں اور ان کے بانیوں کا تذکرہ فرمایا، اس کے بعد شاہ صاحب نے ان تغیرات کلیہ کا ذکر کیا ہے جو طریق تصوف میں پیش آئے اور عہد رسالت کے بعد زمانہ کے تغیر سے حصول احسان کے جو طریقے اور معالجات تجویز کئے گئے ان کا ذکر کیا، اس بارے میں شاہ صاحب نے جس دقیقہ رسی اور تحلیل و تجزیہ سے کام لیا ہے، وہ انھیں کا حصہ ہے، شیخ اکبر اور ان کے مسلک وحدۃ الوجود کے ظہور میں آنے کا بھی ذکر کیا ہے، آپ نے بتایا ہے کہ

سید الطائف حضرت جلیلہ بغدادیؒ مسلک تصوف کے سب سے بڑے مقنن اور مرتب ہیں، پھر ان کے نزدیک اس کے جو شرائط اور بنیادی ارکان ہیں، ان کا ذکر کیا ہے، پھر اپنے اپنے زمانہ کے جن مجددین و مجتہدین نے اپنے زمانہ کی استعداد و مزاج کے مطابق اس کا جو نصاب و دستور العمل مرتب کیا، اس کی تفصیل کی ہے، پھر شاہ صاحبؒ نے اپنے زمانہ کے سالک کے لئے جو نصاب ہونا چاہئے وہ بیان کیا ہے، اور جن چیزوں کی طرف اس کی توجہ ہونی چاہئے، اس کو بیان کیا ہے، پھر اس طریق کے موانع اور مضار اسباب کا ذکر کیا ہے، اور ان کا طریق علاج بتایا ہے، اس راہ میں جو منزلیں پیش آتی ہیں، ان کی طرف بھی اشارہ کیا ہے، پھر نسبتوں کا ذکر کیا ہے، اس سلسلہ میں صحابہؓ و تابعین اور جمہور صالحین کی نسبت کا ذکر کیا ہے، اور اس کو احسان سے موسوم کیا ہے، پھر اس کی تعریف کی ہے، پھر مختلف انسانوں کی استعدادات کا ذکر کیا ہے، اور طائف کو بھی بیان کیا ہے، پوری کتاب دقیق مضامین لطیف نکات اور ذاتی تجربات سے اس طرح مملو ہے جیسے کوئی حاذق اور طویل تجربہ رکھنے والا طبیب انسانی مزاجوں، اجسام اور صحت و بیماری کے اسباب اور ان کے معالجات پر روشنی ڈالتا ہے۔

۵۳۔ ہوامع شرح حزب البحر (فارسی) مطبوعہ۔



INDEX

انشکبیکه

تاریخ دعوت و حکمت سر حضرت عیسیٰ بنحیم

مرتبہ

محمد غیاث الدین ندوی

طبع و مطبعہ محمد علی شاہ

شخصیات

۲۴۷	(علامہ) ابن رشد	سیدنا و نبینا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
۲۳	(سلطان) ابن سعود	(الف)
۱۶۴	(علامہ) ابن قیم الجوزیہ	(سیدنا حضرت) آدم علیہ السلام ۲۳۷، ۱۳۲
۲۶۰	(علامہ) ابن کثیر	(سیدنا حضرت) ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام
۳۵	(امام) ابن ماجہ	۲۳۲، ۲۳۱، ۱۵۴، ۱۱۹
۳۵	(علامہ) ابوالسحاق شیرازی	(سیدنا حضرت) اسماعیل علیہ السلام ۲۳۱
۳۴۱	(مولانا سید) ابوالاعلیٰ مودودی	(سیدنا حضرت) ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ۲۶۰، ۲۴
۱۴۸	(امام) ابوالحسن اشعری	۳۰۳، ۲۶۹
۴۱۲	(مولانا) ابوالحسن زید	(ابو محمد مولانا) ابراہیم آروی ۳۶۰
۳۹۳	(شیخ) ابوالحسن ندوی صغیر	(سلطان) ابراہیم شاہ ۲۸
۳۲	(علامہ) ابوالحسن ندوی کبیر	(شیخ) ابراہیم بغدادی ۱۷۹
۲۵۷، ۲۵۵	(علامہ) ابوالحسن علی الماوردی	(شاہ) ابراہیم طینی ۲۸۱
۱۴	(مولانا سید) ابوالحسن علی ندوی	(شیخ) ابراہیم کورانی کردی ۱۰۹-۱۱۲
۳۱	(علامہ) ابوجیان نخوی	ابراہیم خان گاردی ۳۱۹
۲۵۵، ۲۰۳	(امام) ابوحنیفہ	(علامہ) ابراہیم غنی ۲۰۳
۲۴۳، ۳۵	(امام) ابوداؤد	(شیخ الاسلام حافظ) ابن تیمیہ ۱۱۲، ۱۱۱، ۳۱
۸۲، ۸۰، ۷۴-۷۶	(شیخ) ابوالرضا محمد	۱۷۶، ۱۷۵، ۱۶۸، ۱۶۷، ۱۶۴، ۱۳۵
۴۰۶، ۸۶		۴۱۳، ۳۹۷، ۳۹۶، ۲۹۴، ۲۵۷، ۲۵۷
۳۴	(علامہ) ابوالسعود	(علامہ) ابن جوزی ۳۲۴
۳۵۸	(حضرت شاہ) ابوسعید دہلوی	(علامہ) ابن حزم ۲۰۸، ۲۰۴
۱۱۸، ۱۰۵	(حضرت شاہ) ابوسعید حسینی رائے بریلوی	(علامہ) ابن خلدون ۲۹۹، ۱۰۱، ۲۶

۳۶۰، ۲۲۳ (مولانا سید) احمد حسن امرودی	۳۸۹ — ۹۳، ۳۸۱، ۱۲۷، ۱۲۳، ۱۱۹
۳۸۰ (مولانا سید خواجہ) احمد حسنی نصیر آبادی	۲۰۵ (شیخ) ابوطالب مکی
۳۰۵ (نواب سید) احمد دہلیہ	۱۰۹ (شیخ) ابوطاہر کردی مدنی ۱۲، ۳۳، ۱۶
۳۵۸ (حضرت شاہ) احمد سعید دہلوی	۴۱۲، ۴۰۹، ۳۸۸، ۳۵۸، ۱۹۹، ۱۸۹
۹۲، ۳ (حضرت سید) احمد شہید رٹے بریلوی	۱۸۳ (مولانا) ابوالعرفان خاں ندوی ۱۳، ۱۳
۳۲۴، ۳۲۰، ۳۲۱، ۲۸۶، ۱۴۲، ۱۱۹	۸۳، ۸۲ (امیر) ابوالعلاء حسینی اکبر آبادی
۳۸۶، ۳۸۰، ۳۷۱ — ۷۳، ۳۶۹، ۳۵۹	۲۸۸ (میر) ابوالفضل (نوجہدار)
۳۹۸، ۳۹۴	۳۶۳ (شیخ) ابوالفیض دہلوی
۳۵۹ (مولانا) احمد علی سہارنپوری	۸۳، ۸۲ (شیخ) ابوالقاسم اکبر آبادی
۱۰۶ (مولوی) احمد علی خیر آبادی	۳۹۴ (مولانا سید) ابوالقاسم ہنسوی
(شیخ) احمد علی ۱۱۲، ۱۱۰	(نواب) ابوالمنصور خاں صفدر جنگ نیشاپوری
۳۷۲ (مولانا) احمد اللہ شاہ درازی	۳۶۳
(نواب فیروز جنگ نظام الملک) احمد شاہی	۳۸۴ ابوالنصر فارابی
۳۰۶، ۳۰۵	۲۳ (سید) ابونہی
۴۶ (سلطان) احمد شاہ بن محمد شاہ	۳۱۵ (حکیم) ابوالوفاء کشمیری
(درد دریاں) احمد شاہ ابدالی (دڑائی) ۱۷	۳۱۹ آپاچی سندھیا
۲۹۶، ۲۹۳، ۲۸۴، ۲۸۰، ۱۵۷، ۳۰، ۲۹	۱۴۸ (مولوی) احسن مارہروی
۳۱۸، ۳۱۲، ۳۱۵، ۳۱۱، ۳۱۰، ۳۰۵	۶۹ (شیخ) احمد
۳۶۶	۳۹۶ (ڈاکٹر) احمد امین بھری
(حضرت شیخ) احمد فاروقی مجدد دیکھے مجدد الف ثانی	(مولانا) احمد بن ابوسعید المصنوی (ملاحیون)
۶۳ (سید) احمد کبیر	۵۹
۸۴، ۸۱، ۷۵ (حضرت سید) آدم بنوری	۲۰ (سلطان) احمد ثالث
۳۴۴	۱۲۸ (سر سید) احمد خاں
۲۷۶ (آدنیہ بیگ)	۱۷۹ (شیخ) احمد بن اسماعیل ماندوی
۳۸۷، ۱۰۶ (سیدہ بی بی) ارادت خاتون	۲۰۳ (امام) احمد بن حنبل

۲۸۲، ۲۸۱	(گرو) ارچن
۱۰۶	ارچن دیو
۶۷	(شاه) ارزانی بدایونی
	(مولانا) آزاد بگرامی دیکھئے غلام علی
۴۵، ۴۴، ۴۳	اسٹینلی لین پول
۲۰۳	(امام) اسحاق ابن راہویہ
	(شاه) اسحاق دہلوی دیکھئے محمد اسحاق
۲۸۶	(مولانا) اسحاق بن عرفان رکن بریلوی
۳۶۵	(مولوی) اسلمی مدراسی
۳۳	(علامہ) اسامیل حقی
	(مولانا) اسامیل شہید دیکھئے محمد اسامیل
۳۵	(سلطان) اسامیل صفوی
۴۱۲	(شیخ) اسامیل بن عبدالشہر وی
۳۲	(شیخ) اسامیل مجلونی (ابجرامی)
	(شیخ مخدوم) اسامیل فقیر السکری صدیقی
۱۹۹	
۲۶	(سلطان) اشرف خاں
	(حکیم الامت مولانا) اشرف علی تھانوی
۳۹۹	
۲۸۸	اصغر خاں (تورانی)
۵۶، ۵۲	(نظام الملک نواب) آصف جاہ
۳۰۶، ۳۰۵	
۲۸۶، ۵۸، ۵۵، ۴۴	(علامہ) اقبال
۳۹۶، ۳۷۹، ۳۷۳، ۲۹۵	
۳۲، ۲۸۱، ۵۳، ۳۶	(سلطان) اکبر
	(شیخ) اکبر دیکھئے محمد الدین ابوعری
۲۵۶	(ملک) الپ ارسلان
۳۵۸، ۳۴۸	(مفتی) الہی بخش کاندھلوی
۳۸۱	
۲۷۹، ۲۱	(ماونٹ اسٹوارٹ) انفنٹن
۳۸۱	(مولانا) امام الدین دہلوی
۱۰۷	(بی بی) امۃ العزیزہ
۳۴۴	(حضرت حاجی) امداد الشرمہا جوگی
۳۷۲	
۲۸۱	(گرو) امر داس
۳۶۰	(مولانا) امیر احمد ہسوانی
۳۷۱	(نواب) امیر خاں
۳۶۰	(مولانا) امیر علی بیج آبادی
	(شیخ) امین الدین بن حمید الدین ملوی کاکوری
۳۹۳	
۳۶۰	(مولانا) انور شاہ کشمیری
۴۲، ۳۰	(سلطان) اوزنگ زیب عالمگیر
۷۷، ۷۳، ۵۵، ۵۳، ۴۵، ۵۰، ۴۳	
۳۲، ۲۹۵، ۲۸۳، ۲۸۲، ۸۵، ۸۴	
۳۵۸	(مولانا) اولاد حسن قنوجی
۳۹۴، ۱۲۷، ۸۸	(شاه) اہل الشہر
۵۵	(سلطان) بابر
۱۰۶	(امام) باقر بن امام زین العابدین
۳۶	(میر) باقر داماد

(ت) (ث) (ث)

۴۸	(علامہ) تاج الدین سبکی
۱۹۹، ۱۱۲	(شیخ) تاج الدین قلعہ حنفی
۳۰۵	تاج محمد خاں بلوچ
۷۳	(شیخ) تاج محمود جوہوری
۳۱	(شیخ الاسلام) تقی الدین ابن دقیق العید
۷۸	(علامہ) تقی الدین سبکی
۲۸۳	(گرو) تیغ بہادر
۲۸۴	(شہزادہ) تیمور
۳۰	(سلطان) تیمور شاہ
۳۶۷	(سلطان شہید) شیخو سلطان
۴۱۲، ۱۱۹	(قاضی) ثناء اللہ پانی پتی
۱۰۵	(سید) ثناء اللہ سونی پتی

(ج) (ج)

۱۹۱	(سیدنا حضرت) جابر بن عبد اللہ
۳۴۷	(مولوی) جبار اللہ (نزیل کٹر)
۰۰	(مولانا) جامی
۰	جہان جان
۰۰۶	(شہزادہ) جان جہاں خان
۰۰۸ (Jahan Jermam)	جہان جہاں سرمن
۰۰	جہاں علی وردی خان
۸۸۰، ۵۵۷، ۴۳	(سرمہ) جدونا تھہ سرکار
۳۱۹، ۳۰۶	
۲۸۶	(سردار) جتاشنگھ کلاہی
۱۰۶	(امام) جعفر صادق

۴۱۱، ۱۸۴، ۱۸۳، ۱۸۱	(خواجہ) باقی باللہ
۳۱۹	بالاجی
۴۱۳، ۱۸۹	(امام) بخاری
۳۳۰	(شاہ) بدیع الدین مدارکنپوری
۶۹	(قاضی) بدہ
۲۳	(سید) برکات (شریف کٹر)
۴۳	(ڈاکٹر) برنیر (BERNIER)
۳۵۹	(مولانا) بزرگ علی مارہروی
۳۱۹	بسواس راؤ
۳۵۹	(شاہ) بشارت الشہرہ راجی
۱۱۵	(مولوی) بشیر الدین
۱۷۸	(امام) بنوی
۲۸۴، ۲۸۳	بندہ بیراگی
۳۸۴	بو علی سینا
۳۱۴	(نواب) بہادر خاں بلوچ
۴۶، ۴۹	(شاہ عالم) بہادر شاہ اول (محمد معظم)
۲۸۷، ۲۸۴، ۲۸۳، ۵۵، ۷۴	
۳۰۴	(سلطان ابو ظفر) بہادر شاہ
۱۹۵	(میرزا) خواجہ بہا الدین اکبر ندوی
۱۷۹	(شیخ) بہلول بیہشتی راجہ
۳۱۹، ۲۷۷	(سردار) بھاؤ
۲۰۷	(امام) بیہشتی
۱۰۶	پنچویں راج
۳۵۹	(شاہ) پناہ سلسلوی
۲۶	بیر اعظم

۱۱۲/۱۱۰/۳۳	(شیخ) حسن العجمی	۷۵	(شیخ) جلال
۳۶۳	(سید) حسن علی خاں	۲۸۱	(پیر) جلال
۳۸۶/۳۵۸	(مرزا) حسن علی شافعی لکھنوی	۷۱	(شیخ) جمال
۲۷۱	(سبط اکبر سیدنا) حسن مجتبیٰ	۳۹۳	(مولانا) جمال الدین بن محمد صدیق قطب
۲۵۳/۲۹۱/۲۷۱/۲۲۰	(سیدنا امام) حسین	۲۷۳/۲۲۱	(معارف الہام مولانا) جمال الدین خاں
۳۶۰	(مولانا) حسین احمد مدنی	۴۲	(میر) مجملہ
۳۵۸	(مولانا) حسین احمد علی آبادی محدث	۴۱	جمیل الدین بدایونی علیگ
۲۶	(سلطان) حسین شاہ	۴۱۵	(حضرت) حفید بغدادی
۳۶۳	(سید) حسین علی خاں	۳۲۰/۲۷۷	(مرزا) جواں بخت
۶۲/۵۳/۵۱/۵۰	(امیر الامراء) حسین علی خاں	۱۷۹	(شیخ) جوہر کشمیری
	(الامام المنصور بالشر) اکھین بن المتوکل علی الشر	۳۲۰/۲۸۲	(شہنشاہ) جہانگیر
۲۵		۳۱۹	جی سندھیا
۵۹	(طا) حمد الشرنبلوی	۲۸۲	J. P. CUNNINGHAM
۳۸۷	(سید) حمیرہ بنت علم الہدیٰ	۲۸۲	چند دلال
۳۵۰	(امیر) حیدر بن نور الحسنین بکرامی		(ح)
۲۵۱/۲۷۵/۳۵۸	(مولانا) حیدر علی رامپوری ٹوکی	۸۵	(طا) حامد
۳۸۱/۳۵۷	(علامہ) حیدر علی فیض آبادی	۳۶۲/۳۶۱	(مولوی سید) حامد حسین کنتوری
	(خ)		(نواب صدیق جنگ مولانا) حبیب الرحمن خاں شروانی
۲۶۹	(سیدنا حضرت) خالد	۳۶۵	
۳۸۰	(ام المؤمنین حضرت) خدیجہ	۱۰۲	حیری
۲۸۸	(امیر) خانی خاں	۶۷	(سالار) حسام الدین
۲۱	(سلطان) خدیو محمد علی	۳۵۴/۲۷۱/۲۲۰	(سیدنا امام) حسن
۴۱۱/۳۵۸	(مولانا) خرم علی بلہوری	۲۸۱	(شیخ سید) حسن
۲۸۲	(شہزادہ) خسرو	۲۰۱/۱۹۱/۹	(امام) حسن بصری
۲۱۹	(علامہ) خطابی		(شیخ) حسن بن محمد اعظمی (نظام فیما پوری دولت آبادی)

۵۰	رتن چند	۳۶۰	(حضرت مولانا) خلیل احمد سہا پوری
۵۰	(راجہ) رتن سنگھ	۲۲۱	(مولانا) خلیل احمد سہا پوری
۲۰۷	(مولانا) رحیم بخش	۲۲	(امیر) خلیل پاشا
۲۸	(سلطان شاہ) رُخ مرزا	۳۲	خلیفہ چلی
۵۹	(مولانا) رستم علی قنوجی	۲۸۸، ۲۸۷، ۱۸۱	(پروفیسر) خلیق احمد نظامی
۱۵۸	(مولوی) رشید احمد انصاری	۳۲۰، ۳۱۰، ۳۰۷، ۲۹۶	
۳۶۰	(حضرت مولانا) رشید احمد گنگوہی	۶۵	(امیر) خورد
۳۸۱	(مولانا) رشید الدین دہلوی	عبد اللہ	(خواجہ) خورد دیکھ
۱۸۳	(علامہ) رشید رضا مصری	۳۷۷	(فتی) خیر الدین
۲۶	(سلطان) رفیع الدرجات ابن رفیع القدر	۲۷۶	داتا گنج بخش
۵۲، ۴۷		۳۶۰	(مولانا) داؤد غزنوی
۲۶	(سلطان) رفیع الدولہ ابن رفیع القدر	۳۶۲	(مولوی) دلداری مجتہد
۵۲، ۴۷		۱۰۰، ۳۶	(محقق) دوآنی
۱۷۹	(شیخ) رفیع الدین چشتی شیرازی	۳۰۷	(نواب) دونمے خان روہیلہ
۱۲۸، ۱۲۲، ۱۰۶	(شاہ) رفیع الدین دہلوی	۴۲	ڈی پی مہاجن
۳۸۱، ۳۲۹، ۳۲۸، ۳۲۵، ۱۵۰، ۱۲۹		۲۷۸، ۲۶۹، ۱۲۸	(مولوی) دکاء اللہ دہلوی
۴۰، ۲۱، ۳۸۹، ۳۸۷، ۳۸۵، ۳۸۲		۳۱۹، ۳۱۸، ۳۰۶، ۲۸۹	
۸۲، ۷۹، ۷۳	(شیخ) رفیع الدین محمد	۳۵۱	(استاد) ذوق
۲۸۲	رگھوپا		(س)
۲۷۶	رگھوناتھ راؤ	۱۷۹	(شیخ) راجہ بن داؤد گجراتی
۲۵۲	(آیت اللہ العظمیٰ الامام) روح اللہ انجینی	۲۸۸	راجہ رام
۲۸۹، ۲۸۶، ۲۸۵	(مہاراجہ) رنجیت سنگھ	۲۴۷	(امام) رازی
	(سن)	۲۸۶	(علامہ) راغب صفہانی
۸۲، ۳۸، ۳۷	(مرزا قاضی) زاہد پروی (میرزاہد)	۲۸۸	رام چہرہ
۱۱۰	(علامہ) زردکی		

۲۹۶، ۲۸۹	(راج) سورج ل	۳۸۶	(علامہ) زمخشری
۱۳۸، ۹۳	سینکاد پوی	۱۹۶	(علامہ) زلمی
۲۲۱	(شیخ) سید سابق مصری	۲۲	رام (زید بن زین العابدین)
۳۶۲	(سلطان العلماء) سید محمد	۳۲۱، ۳۲۰، ۱۵۷	(نواب) زینت محسن
	(من)	۱۹۹	(شیخ مخدوم) رمن الدین طیبیاری
۲۱۳، ۲۰۷، ۲۰۳	(امام) شافعی		(س)
۳۲۰، ۲۸۸، ۲۸۲، ۲۴	شاہ جہاں یاد شاہ	۱۱۳	(شیخ) سالم بن عبداللہ بصری
۲۷۷	شاد محمد علی	۲۷۶	ساجی سندھیا
۲۵۶	(ملک) شاد بوقت	۷۸	(ڈاکٹر) شیش چندر
۴۶	(سید) شاد مامرائی بن غزیر الدین	۶۳	(شیخ) سدو
۵۸، ۵۷، ۴۷		۳۶۷	سراج الدولہ
۳۶۷، ۳۲۱، ۳۲۰، ۳۱۹، ۳۱۵، ۳۱۴، ۳۱۳، ۳۱۲، ۳۱۱، ۳۱۰، ۳۰۹، ۳۰۸، ۳۰۷، ۳۰۶، ۳۰۵، ۳۰۴، ۳۰۳، ۳۰۲، ۳۰۱، ۳۰۰، ۲۹۹، ۲۹۸، ۲۹۷، ۲۹۶، ۲۹۵، ۲۹۴، ۲۹۳، ۲۹۲، ۲۹۱، ۲۹۰، ۲۸۹، ۲۸۸، ۲۸۷، ۲۸۶، ۲۸۵، ۲۸۴، ۲۸۳، ۲۸۲، ۲۸۱، ۲۸۰، ۲۷۹، ۲۷۸، ۲۷۷، ۲۷۶، ۲۷۵، ۲۷۴، ۲۷۳، ۲۷۲، ۲۷۱، ۲۷۰، ۲۶۹، ۲۶۸، ۲۶۷، ۲۶۶، ۲۶۵، ۲۶۴، ۲۶۳، ۲۶۲، ۲۶۱، ۲۶۰، ۲۵۹، ۲۵۸، ۲۵۷، ۲۵۶، ۲۵۵، ۲۵۴، ۲۵۳، ۲۵۲، ۲۵۱، ۲۵۰، ۲۴۹، ۲۴۸، ۲۴۷، ۲۴۶، ۲۴۵، ۲۴۴، ۲۴۳، ۲۴۲، ۲۴۱، ۲۴۰، ۲۳۹، ۲۳۸، ۲۳۷، ۲۳۶، ۲۳۵، ۲۳۴، ۲۳۳، ۲۳۲، ۲۳۱، ۲۳۰، ۲۲۹، ۲۲۸، ۲۲۷، ۲۲۶، ۲۲۵، ۲۲۴، ۲۲۳، ۲۲۲، ۲۲۱، ۲۲۰، ۲۱۹، ۲۱۸، ۲۱۷، ۲۱۶، ۲۱۵، ۲۱۴، ۲۱۳، ۲۱۲، ۲۱۱، ۲۱۰، ۲۰۹، ۲۰۸، ۲۰۷، ۲۰۶، ۲۰۵، ۲۰۴، ۲۰۳، ۲۰۲، ۲۰۱، ۲۰۰، ۱۹۹، ۱۹۸، ۱۹۷، ۱۹۶، ۱۹۵، ۱۹۴، ۱۹۳، ۱۹۲، ۱۹۱، ۱۹۰، ۱۸۹، ۱۸۸، ۱۸۷، ۱۸۶، ۱۸۵، ۱۸۴، ۱۸۳، ۱۸۲، ۱۸۱، ۱۸۰، ۱۷۹، ۱۷۸، ۱۷۷، ۱۷۶، ۱۷۵، ۱۷۴، ۱۷۳، ۱۷۲، ۱۷۱، ۱۷۰، ۱۶۹، ۱۶۸، ۱۶۷، ۱۶۶، ۱۶۵، ۱۶۴، ۱۶۳، ۱۶۲، ۱۶۱، ۱۶۰، ۱۵۹، ۱۵۸، ۱۵۷، ۱۵۶، ۱۵۵، ۱۵۴، ۱۵۳، ۱۵۲، ۱۵۱، ۱۵۰، ۱۴۹، ۱۴۸، ۱۴۷، ۱۴۶، ۱۴۵، ۱۴۴، ۱۴۳، ۱۴۲، ۱۴۱، ۱۴۰، ۱۳۹، ۱۳۸، ۱۳۷، ۱۳۶، ۱۳۵، ۱۳۴، ۱۳۳، ۱۳۲، ۱۳۱، ۱۳۰، ۱۲۹، ۱۲۸، ۱۲۷، ۱۲۶، ۱۲۵، ۱۲۴، ۱۲۳، ۱۲۲، ۱۲۱، ۱۲۰، ۱۱۹، ۱۱۸، ۱۱۷، ۱۱۶، ۱۱۵، ۱۱۴، ۱۱۳، ۱۱۲، ۱۱۱، ۱۱۰، ۱۰۹، ۱۰۸، ۱۰۷، ۱۰۶، ۱۰۵، ۱۰۴، ۱۰۳، ۱۰۲، ۱۰۱، ۱۰۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱، ۰		۳۶۰	(شیخ) سعد بن احمد نجدی
۲۴۷، ۲۴۳	(شیخ) سعدی	۲۶۱، ۱۴۷، ۱۴۴	(شیخ) سعدی
۷۳	(سلطان) سعد بن عبدالوہاب	۲۱	(سلطان) سعد بن عبدالوہاب
۳۰۷، ۲۸۰، ۱۵۷	(شیخ) سعید کوکبی	۱۱۰	(شیخ) سعید کوکبی
۳۶۷، ۳۶۳، ۳۱۸-۲۰	(نواب) سکندر بیگم	۳۵۷	(نواب) سکندر بیگم
۳۶۸	(سلطان) سکندر لودھی	۷۵	(سلطان) سکندر لودھی
۲۵	(سلطان) سلیم	۲۳	(سلطان) سلیم
۲۸۱	(شیخ) سلیمان بن الابدل	۳۳	(شیخ) سلیمان بن الابدل
۲۳	(شاہ) سلیمان چترالی	۳۶۹	(شاہ) سلیمان چترالی
۱۴۵	(سلطان) سلیمان قانونی	۲۵	(سلطان) سلیمان قانونی
۳۹	(مولانا) سلیمان ندوی	۲۹۲، ۱۶۷، ۶۴	(مولانا) سلیمان ندوی
۱۲۷، ۱۱۳	(سلطان) شان پاشا	۲۵	(سلطان) شان پاشا
۳۶۰	(ملک) سنجر	۲۶۱	(ملک) سنجر
۶۵-۶۹	سندھیا	۵۸	سندھیا

طباطبائی دیکھے غلام حسین	۳۱	(علامہ) شمس الدین ذہبی
۳۶، ۲۶ (شاہ) طہاسپ صفوی	۳۱۹	شمسیر بہادر
۳۰ (سلطان) ظاہر شاہ	۲۷۷	فکر داؤد
۳۵۹ (شیخ) ظہور الحق پھلواری	۱۷۹	(شیخ) شہاب الدین احمد مصری
۳۴۷ (مولوی) ظہور الشہر مراد آبادی	۱۰۰	(مکمل العلماء شیخ) شہاب الدین دولت آبادی
۱۲۰۵، ۳۹۹، ۳۹۱ (سید) ظہیر الدین احمد دہلوی	۱۰۶	(سلطان) شہاب الدین غوری
(۷) (سیدنا حضرت) عزیم	۲۶۹	(علامہ) شہاب الدین محمد آوسی
۱۳۵ (ام المومنین حضرت) عائشہ	۳۶	(شیخ) شہاب الدین بہروردی مقبول
۳۶۴، ۱۲۳۲ (سیدنا حضرت) عمر فاروق	۱۸۱	(مولانا) شیخ الاسلام شایع بخاری دہلوی
۲۱۹، ۶۶، ۲۴	۱۸۲	شیواجی
۳-۳۱۲، ۱۰۲۷	۲۷۹	(ص) (ص)
۲۷۱ (سیدنا حضرت) عثمان	۳۵۸، ۲۵۳	(مولانا مفتی) صدر الدین دہلوی
۷۷، ۱۳۸، ۲۴ (سیدنا حضرت) علی مرتضیٰ	۳۸۱	(علامہ میر) صدر الدین شیرازی
۲۷۱، ۲۷۰	۱۵۳، ۱۰۰-۱۳۶	(امیر الملک قلبید) صدیق حسن خاں بہادر
۲۷۱، ۲۷۰	۱۹۱	۲۰۹، ۱۳۸-۱۳۷۵، ۲۲۱
عالمگیر اعظم دیکھے افنگ زب	۱۷۸	(امام) صفائی
۳۶۵ (شیخ الاسلام) عارف حکمت بے	۵۹	(شیخ) صفۃ الشہیر آبادی
۳۵۹ (مولانا سید) عالم علی مراد آبادی	۲۷۶	(نواب) صفدر جنگ
۳۶ (شاہ) عباس صفوی	۸۸	(شیخ) صلاح الدین بن شاہ عبدالرحیم
۳۷۶ (مولوی) عبدالاحد	۱۰۵، ۱۹۷	
۱۱۳ (شیخ) عبدالاحد بن خواجہ محمد سعید سرہندی	۱۹۱	(شیخ) صلتہ بن اشم العودی
۱۰۰ (شیخ) عبدالعزیز	۳۷۲	(حضرت حافظ) ضامن شہید
۳۶۰ (شیخ) عبدالحجیاد عزیزی	۱۷۹	(شیخ) ضیاء الدین مدنی
۲۲۵، ۲۲۱، ۱۱۴۵ (مولانا) عبدالحق حقانی		(ط) (ظ)
۲۲۸ (شیخ) عبدالحق محدث دہلوی	۳۳	طاش کبری زادہ
۱۸۱، ۱۸۰، ۱۱۰، ۶۵ (شیخ) عبدالحق محدث دہلوی		
۸۰، ۷۷ (شیخ) عبدالحکیم بن شیخ وجیہ الدین		
۱۱۰، ۷۸ (ملا) عبدالحکیم سیالکوٹی		

۳۶۳، ۳۶۱، ۳۴۹-۵۶، ۳۴۶	۷۸ (مولانا) عبدالحکیم لکھنوی
۳۷۵، ۳۷۳، ۳۷۱، ۳۶۷، ۳۶۵	۳۴۸ (مولانا) عبدالحی بن بیتہ الشریف خانوی
۳۸۹، ۳۸۵-۸۷، ۳۷۹-۸۲، ۳۷۷	۳۸۵، ۳۷۷، ۳۵۹
۴۱۱، ۴۰۹، ۴۰۷، ۳۹۸، ۳۹۰	۸۰ (شیخ) عبدالحی
۸۴، ۸۲، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰ (شیخ) عبدالعزیز شکر بار	(مولانا حکیم سید) عبدالحی حسنی ۱۰۱، ۸۵، ۷۰
۴۱۳، ۴۱۲، ۴۱۱	۳۶۱، ۳۴۶، ۱۸۳، ۱۷۷، ۱۴۲، ۱۱۶
۲۵۶ (ڈاکٹر) عبدالعظیم الدیب	۴۰۹، ۳۹۰
۳۴۵، ۱۰۶ (شاہ) عبدالغنی دہلوی	۲۵۱، ۷۸ (مولانا) عبدالحی فرنگی محلی
۳۸۷، ۳۸۵، ۳۴۸	۲۸۱ (پیر) عبد الرحمن
۳۳ (شیخ) عبدالغنی تالپسی	۳۵۹ (قاری) عبد الرحمن پانی پتی
(حضرت شاہ) عبدالغنی مجددی بہا جوردنی	۳۶۰ (مولانا) عبد الرحمن بیارکپوری
۳۶۰، ۱۹۱	(حضرت شاہ) عبد الرحیم ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰
۶۹ (شیخ) عبدالغنی بن عبدالحکیم	۱۰۴، ۱۰۳، ۱۰۲، ۱۰۱، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۸۹
۱۹۵ (شیخ) عبد الفتاح البوقدہ	۴۱۳، ۴۰۹، ۴۰۷، ۳۰۵، ۱۴۸، ۱۲۹، ۱۲۸
۱۲۸، ۷۷ (سیدنا) عبد القادر جیلانی	۴۱۳ (مولوی) عبد الرؤف
(مولانا) عبد القادر خاں خالص پوری	(حضرت سید) عبد الرزاق بانسوی ۶۰
۳۹۳	(مولوی) عبد الرزاق کانپوری ۲۵۶
(حضرت شاہ) عبد القادر دہلوی ۱۰۶	۳۹۳ (میر) عبد السلام بدخشی
۳۴۵، ۱۱۵-۱۱۴، ۱۱۳، ۱۱۲، ۱۱۱، ۱۱۰	(مولانا) عبد الشکور فاروقی لکھنوی ۲۷۴
۴۰۷، ۳۸۵-۸۷، ۳۸۱، ۳۴۹، ۳۴۸	(مولوی) عبد العال احمد (کاتب) ۴۱۱
۳۵۹ (مفتی) عبد القیوم بڑھانوی	(شاہ) عبد العدل دہلوی ۳۸۵
۳۹۸ (خلیفہ سید) عبد اللہ	(حضرت شاہ) عبد العزیز دہلوی ۶۰، ۳۷
۳۷۲ (مولانا) عبد اللہ	۱۱۵-۱۷، ۱۱۱، ۱۰۸، ۱۰۶، ۱۰۵، ۱۰۴
۸۲، ۸۱ (حافظ سید) عبد اللہ	۲۸۶، ۱۹۰، ۱۵۰، ۱۴۲، ۱۳۷، ۱۲۲
۳۹۳ (مولانا) عبد اللہ آفندی	۳۴۵، ۳۴۰، ۳۳۱، ۳۰۷، ۲۹۱

۳۵۹ (مولانا) عبدالنار وزیر آبادی	۳۹۱/۱۱۸ (ملا) عبدالشریف طھوی
۱۷۹ (شیخ) عبدالنبی گنگوہی	۱۱۰ (شیخ) عبدالشہر بصری
۳۹۱ (حافظ) عبدالنبی (عبدالرحمن)	۳۶۰ (شیخ) عبدالشہرین ادوی حسنی سنوسی
۱۹۹ (شیخ) عبدالوہاب متقی	۲۵۶ (شیخ) عبدالشہرین ابراہیم انصاری
۷۶ (شیخ) عبید الشہر	۳۳ (شیخ) عبدالشہرین حسین الشویدی
۸۳ (خواجہ) عبید الشہر احوار	(قطب الملک) عبدالشہر خان (حسن علی) ۵۰
۳۹۱/۱۱۸/۱۰۳ (شیخ) عبید الشہر بھلتی صدیقی	۵۳/۵۱
۳۰۵ (نواب) عبید الشہر خان کشمیری	۲۱ (امیر) عبدالشہرین سود
۳۹۰/۱۱۹۲ (مولانا) عبید الشہر سندھی	۱۱۲ (شیخ) عبدالشہرین سالم بصری
۱۳ (مولوی) عتیق احمد	(شیخ) عبدالشہرین عبدالباقی (خواجہ خور) ۸۱
۲۱/۱۲۰ (سلطان) عثمان ثالث	۴۰/۴۱/۸۲
(شیخ) عجمی دیکھے حسن	۳۸۰ (شیخ) عبدالشہر سراج مکی
۲۹۹ (عرفی شاعر)	۶۹ (شیخ) عبدالشہرین عبدالغنی
(شیخ الاسلام) عزیز الدین بن عبدالسلام ۲۱۹	(شیخ) عبدالشہر سلطانپوری ۱۷۹
(سلطان) عزیز الدین عالمگیر جہاندار شاہ	(مولانا حافظ) عبدالشہر غازی پوری ۳۶۰
۴۶	(عارف بالشہرید) عبدالشہر غزنوی امرتسری
(شیخ) عزیز الشہر ملتان	۳۵۹
(مولانا) عطاء الشہر حنیف ۲۲۱	(شیخ) عبدالشہر لاہوری ۱۱۰
(علامہ) علامہ الدین الباجی ۳۱	(شیخ) عبدالشہر ملتان
(علامہ) علاء الدین امرتسری ۳۱۶	(شیخ) عبداللطیف حسینی مصری ۳۹۳
(حضرت شاہ) علم الشہر حسنی ۱۱۹/۱۱۸	(مولانا) عبدالماجد دریابادی ۳۹۸
(شاہ) علم الہدیٰ نصیر آبادی ۳۸۷	(شیخ) عبدالمعطی مکی ۱۷۹
(شیخ) علی اصغر قنوجی ۵۹	(شیخ) عبدالملک ۶۹
(مولانا مفتی) علی کبیر محبلی شہری ۳۵۸	(امام اکرمین ابوالعالی) عبدالملک الجونی ۳۵۶
(امیر) علی بے ۲۲	(خلیفہ) عبدالملک بن مروان ۲۷۰

۵۹	(مولانا) غلام نقشبند کھنوی	۲۸	(سلطان) علی قلی عادل شاہ
	(حضرت) غوث الاعظم دیکھیے	۱۸	(حکیم) علی گیلانی
	عبدانقادر جیلانی	۱۹۹/۱۷۵	(علامہ ملا) علی قاری
۱۰۰/۳۶	(میر) غیاث الدین منصور	۱۹۹/۱۷۶/۱۷۷	(علامہ) علی شفیق برہانپوری
۱۳	(محمد) غیاث الدین ندوی	۱۷۹	(شیخ) علیم الشرنادوی
	(ت)	۳۰۵	(وزیر) عماد الملک
۱۰۰/۳۶/۱۸	(امیر) فتح الشیرازی	۹	(خلیفۃ المسلمین) عمر بن عبدالعزیز
۶۰	(شاہ) فخر الدین دہلوی (شاہ فخر)	۳۵۹	(مفتی) عنایت احمد کاکوروی
۱۰۵	(شاہ) فخر العالم	۲۴۲	(قاضی) عیاض
۹۸	(سیدہ) فخر النساء		(غ)
	(سلطان محمد) فرخ سیرابن عظیم الشان	۱۱۳	غازی الدین خاں
۲۹۶/۲۸۴/۸۹/۵۱/۵۰/۴۷/۴۶		۶۳	غازی میاں
۲۸۱	(شیخ) فرید ثانی (پٹنی)		(حجۃ الاسلام امام ابو حامد) الغزالی
۴۰۵	(مولوی) فضل احمد کراچی		دیکھیے محمد الغزالی
۳۸۵/۲۵۰	(مولانا) فضل حق خیر آبادی	۵۲/۴۹/۴۷	غلام حسین طباطبائی
	(حضرت مولانا) فضل رحمن گنج مراد آبادی	۱۳	(مولوی محمد) غفران ندوی
۳۵۹		۳۴۷	(شیخ) غلام حسین کٹی
۱۲۲	(بابا) فضل الشر	۳۷۰	غلام حیدر خاں
۱۹۹	(شیخ مخدوم) فقیہ علی مہایمی	۳۷۶/۲۸	(مولانا) غلام رسول مہر
۳۱۳	(مسٹر) فیروز	۳۶۰	(مولانا) غلام رسول قلعوی
۷۱	(شیخ) فیروز	۵۹/۳۶	(مولانا) غلام علی آزاد بلگرامی
	(ق)	۲۷۹/۶۱	
۵۷	(میر) قاسم	۳۵۸/۱۱۶	(حضرت شاہ) غلام علی دہلوی
۱۲۲	(میر) قاسم علی	۴۰۵	(مولانا سید) مصطفیٰ قاسمی
۲۵	قاسم بن حسین (امام مین)	۵۸	غلام قادر روہیلہ

۲۸	(سلطان) لطف علی	۷۳	(شیخ) قاضی خاں ظفر آبادی
	(اتحاد العلماء مولانا) لطف الشریعہ	۱۹۱	(شیخ) قرہ بن خالد السدوسی
۳۵۹		۶۹	(شیخ) قطب الدین
	(ڈاکٹر) لوتھرپ اسٹارڈ	۳۵۹	(نواب) قطب الدین دہلوی
۳۹	(LOTHROP STODDARD)	۳۶۳	(شیخ) قطب الدین احمد
۳۷۲	(مولانا) بیات علی آبادی	۹۸	(خواجہ) قطب الدین بختیار کھلی
۵۸	(لارڈ) ایک	۱۷۹	(شیخ) قطب الدین عباسی گجراتی
	(۳)		(امیر کبیرید) قطب الدین نجد الدینی
۱۳۵	سیدنا حضرت مسیح علیہ السلام	۹۲	(علامہ) قطب الدین نیرولی (پٹنی) ۱۹۱، ۲۵
	(امام) ملک	۷۳	(شیخ) قطب العالم
۴۱۲، ۳۹۹، ۲۰۳	ماوردی دیکھو ابوالحسن علی		(مولانا سید) قطب الدینی حسنی محدث رائے بریلوی
	ماونٹ اسٹوارٹ انفسٹن دیکھو انفسٹن	۴۰۹، ۳۵۸، ۳۴۸، ۱۱۲۲	
۵۹	(قاضی) مبارک گوپاوی	۶۲، ۵۶	(نواب) قمر الدین خاں
۲۸۱	(میاں) مٹھا	۳۴۸	(سید) قمر الدین سولی پتی
	(امام ربانی) مجدد الف ثانی (شیخ احمد رندی)		(ک) (ک)
۲۲۶، ۲۲۴، ۳۳۹، ۱۱۳، ۸۴، ۸۳، ۴۵، ۱۰، ۴۱۲		۳۷۰	(شہزادہ) کامران
۳۰۵	(نواب) مجدد الدولہ بہادر	۳۷۶	(مولانا) کرامت علی بونپوری
۳۶۱، ۵۹	(قاضی) محب الشریعہ	۲۸	(سلطان) کریم خاں ٹرنڈ
۳۸۶	(مولانا سید) محبوب علی جعفری	۶۰	(شاہ) کلیم الشریعہ آبادی
۳۵۲، ۲۵۰، ۱۱۰	(علامہ) محسن بن یحییٰ ترمذی	۶۹	(شیخ) کمال الدین مفتی
۳۸۲، ۳۸۳، ۳۶۱		۳۱۳	C. COLLIN DOVIES
۱۱۲	(امام) محمد	۳۱۳	(ڈاکٹر) گنڈا سنگھ
۲۷۳، ۲۲۱	(مولانا) محمد احسن صدیقی	۲۷۸	گنگارام (شاعر)
۳۴۸، ۱۹۱	(مولانا شاہ) محمد اسحاق عمری دہلوی	۲۸۳، ۲۷۶	گوہنہ داسے بندیلہ
۳۸۶، ۳۸۰، ۴۷۹، ۳۵۸، ۶۰، ۳۵۵، ۳۴۹			(ل)

۳۹۵	(امیر) محمد بن سعود	۳۷	(قاضی) محمد اسلم ہروی کابل
۲۵۱، ۲۵۵، ۱۲۲، ۱۰۵	(شیخ) محمد بن شاہ ولی اللہ	۳۲۱، ۲۸۶، ۱۹۱	(مولانا شاہ) محمد اسماعیل شہید
۳۳	(علامہ) محمد بن عبد الباقی الزرقانی	۲۸۵، ۲۸۰، ۲۷۸، ۲۷۷، ۲۷۲، ۳۳۵، ۳۳۰، ۳۸۷	
۲۲	(امیر) محمد بن عبد اللہ	۴۷	(سلطان) محمد اعظم شاہ
۳۹۴-۹۷، ۳۱	(شیخ) محمد بن عبد الوہاب النجدی	۱۴۲	(میاں) محمد اعظم شتانی نصیر آبادی
۱۱۸	(حضرت سید) محمد بن شاہ علم اللہ	۵۹	(مولانا) محمد علی تھانوی
۳۳، ۲۵	(علامہ) محمد بن علی الشوکانی	۲۵۹	(حضرت شاہ) محمد آفاق دہلوی
۲۹۴	(سلطان) محمد بن قلاوون	۴۰۹	(اکملج) محمد افضل
۳۶۰	(شیخ) محمد بن ناصر نجدی	۴۰۹، ۱۱۳	(شیخ) محمد افضل سیالکوٹی
۲۲	(سردار) محمد بن (ابوالذہب)	۳۷۹	(مولانا شاہ) محمد افضل عمری
۹۸، ۹۷، ۸۸، ۷۶، ۷۵	(شیخ) محمد بختیاری صدیقی	۲۸۵	(پروفیسر) محمد اقبال
۴۰، ۶۱، ۱۰۷		۴۰، ۴	(مولوی) محمد اکرم ندوی
۸۲	(شیخ سید) محمد ترمذی	۱۱	(حضرت مولانا) محمد ایاس کاندھلوی
۳۴۷، ۱۲۲	(شیخ) محمد جواد بختیاری	۳۵۷	(ابوالفرید) محمد امام الدین
۵۹	(مولانا) محمد حسن فرنگی علی (قاصد)		(خواجہ) محمد امین ولی اللہ کشمیری (جمال الدین شاہ)
۳۵۱	(مولوی) محمد حسین آزاد	۲۹۱، ۳۹۰، ۳۸۱، ۳۸۸، ۳۴۷، ۱۹۰، ۱۲۷، ۱۲۲	
۳۶۰	(مولانا) محمد حسین بٹالوی	۴۰، ۳، ۱۶۴	(مولانا) محمد اویس ندوی نگرانی
۱۹۹، ۳۲	(مولانا) محمد حیات ہندی	۱۰۶	(ڈاکٹر) محمد باقر
۳۷۶	(نواب) محمد خان عالم خان بہادر تھوڑنگ	۱۳	(مولانا) محمد برہان الدین سنہلی
۴۰، ۲، ۱۶۶	(مولانا حافظ) محمد حرم بخش دہلوی	۳۶۰	(مولانا) محمد بشیر سہسوانی
۲۷۱	(ڈاکٹر) محمد واس قلعہ جی	۱۱۷	(مولوی) محمد بشیر الدین صدیقی
۱۹۳، ۱۹۲	(شیخ) محمد بیت مولانا محمد زکریا سہارنپوری	۳۸۸	(حضرت) محمد بن ابی بکر الصدیق رضی
۳۶۰		۳۳	(شیخ) محمد بن احمد سفارینی
۴۳	محمد ساقی مستعد خان		(امیر) محمد بن اسماعیل اکسی الصغانی
۴۰، ۴	(پروفیسر) محمد سرور	۳۳، ۲۵	
۳۴۴	(خواجہ) محمد سعید	۶۵	(شاہ) محمد بن حسن غوثی ملاوی

۳۹۲	(حکیم مرزا) محمد کمال دہلوی	۳۳	(علامہ) محمد سعید انصاری
۱۷۹	(شیخ) محمد الکی مصری	۵۱۳۷۱۳۶	(سلطان) محمد شامین چیلان شاہ
۲۱۶	(استاد) محمد الیاس	۳۰۳۱۲۹۶۱۸۵۶۱۱۵۳-۵۷	
۳۴۴-۴۶	(خواجہ) محمد مصوم	۳۹۱	(سید) محمد صابر حسینی
۱۲۷	(سید) محمد حسین (ابن سید محمد ضیاء)	۳۴۴	(خواجہ) محمد صادق
۱۹۰	(مولانا) محمد حسین سندھی	۴۱۱	(مولانا) محمد صادق مدنی
۱۱۲	(استاد) محمد مغربی	۱۷۹۱۷۶۱۷۴	(علامہ) محمد طاہر ثنی
۳۹۳	(شیخ) محمد میرداد انصاری	۶۰	(شیخ) محمد مابد شامی
۶۰	(خواجہ) محمد ناصر عذیب	۱۲۲۱۱۵۱۱۳۷۷	(شیخ) محمد عاشق پھلتی
۱۳۲۱۱۱۸	(مولانا سید) محمد نعمان حسینی	۳۸۵۳۳۷۷۳۳۷۳۳۷۳۰۲۰۲۲۰۱۱۲۶	
۳۹۴۱۳۴۸	(مولانا) محمد وفاق حسینی ریلوے بریلوئی	۳۹۴۱۳۹۱۳۸۷۳۸۴۳۸۱	
۱۹۹۱۱۱۲	(شیخ) محمد وفاد شرمائی	۷۵	(شیخ) محمد ماق
۱۳	(مولوی) محمد یارون ندوی	۱۲۲	(میر) محمد مصطفیٰ
۳۴۴	(خواجہ) محمد یحییٰ	۱۱۹	(حضرت سید) محمد مدد (شاہ فضل)
۳۶۰	(مولانا) محمد یحییٰ کاندھلوی	۳۷۶	(مولانا سید) محمد علی حافظ ماموری
۳۸۰۳۵۹۱۳۵۸	(مولانا شاہ) محمد یعقوب دہلوی	۱۲۸۱۳۵	(مجتہد الاسلام امام ابو حامد) محمد انصاری
۶۹	(شیخ) محمد	۳۲۳۱۲۵۶۱۳۷۷۲۱۹	
۲۲۱۲۰	(سلطان) محمد داول	۶۰	(شاہ) محمد غوث قادری لاہوری
۳۶۰	(شیخ الہند مولانا) محمد حسن دیوبندی	۱۷۴	(شیخ) محمد غوث گویا ری
۲۶	(سلطان) محمد خان غلزئی	۱۹۸	(مولانا) محمد خوزارہ آبادی
۳۶۷	محمد خلیل محمد بنگلوری	۱۷۹	(شیخ) محمد فاکہی حنبلی
۱۰۶۱۳۰۱۲۹	(سلطان) محمد خزنوی	۱۲۲۱۱۰۷	(مولوی) محمد فائق پھلتی
۵۷۱۳۶	(سلطان) محمد السید بن کام بخش	۲۱	(استاد) محمد فرید المہامی
۳۴۴۱۸۴	(شیخ اکبر) محمد الدین ابن عربی	۳۶۰	(حضرت مولانا) محمد قاسم نانوتوی
۲۷۰	مختار عراقی	۳۶۲	(مفتی) محمد قلی خان کنتودی
۳۴۱۳۳	المرادی		

۲۸۴	معین الملک (میرتو)	۱۳	(مولوی سید) مرتضیٰ نقوی
۱۰۰	ملازاده	۱۹-	(علامہ سید) مرتضیٰ بلگرامی زبیدی
۳۱۹، ۳۰۷، ۲۷۶	مہر راؤ بھکر	۳۸، ۳۶	(فاضل) مرزا جان
۳۲۶	(مولانا سید) مناظر احسن گیلانی	۲۸۸	مرشد قلی خاں (فوجدار)
۴۱۱	(اکھاج) منصور محمد	۳۰۴	(خلیفہ) مروان بن محمد (مروان اکھار)
۷۰، ۶۹	(شیخ) منصور	۲۶۰	(خلیفہ) سترشد باشر
۶۰	(شاہ) غیب الشربالہ پوری	۳۰۴، ۲۶۱، ۲۶۰	(خلیفہ) مستعصم باشر
۵۴	(ملکہ) مہر پرورد	۳۹۱	مسعود انور علوی علیگ
۴۱	(امیر قاضی) میرزا ہدیکھے	۲۳	(امیر) مسعود بن سعید
۶۰	(خواجہ) میر قدرد	۲۶۱، ۲۶۰	(سلطان) مسعود سلجوقی
(ن)		۳۹۵	(مولانا) مسعود عالم ندوی
۵۱، ۲۶، ۲۹، ۱۷	(سلطان) نادر شاہ افشار	۳۳۰	(مید سالار) مسعود غازی
۲۹۳، ۲۹۱، ۵۶، ۵۵		۳۵	(امام) مسلم
۱۰۰	(قاضی) ناصر الدین بیضاوی	۲۰	(سلطان) مصطفیٰ ثانی
۳۶۲	(مولوی سید) ناصر حسین	۲۱، ۲۰	(سلطان) مصطفیٰ ثالث
۱۰۷، ۱۰۶، ۱۰۷	(امام) ناصر الدین تھمید سونی پتی	۲۱	مصطفیٰ خاں
۲۸۵، ۲۸۱	(گرد بابا) نانک	۲۵	(سید) المطہر
۱۳	(مولوی) نثار الحق ندوی	۲۳	(خلیفہ) المطیع لشر
۳۶۳	(نواب) نجف علی خاں	۱۹۰، ۱۱۳، ۶۰	(حضرت مرزا) مظہر جان جاناں
۲۸۰، ۲۷۶، ۵۸	(نواب) نجیب الدولہ	۲۰۶، ۳۵۸، ۳۲۸، ۲۹۰	
۳۱۲، ۳۱۰، ۳۰۹، ۳۰۵، ۷۰، ۲۹۷، ۲۸۹		۲۷۰، ۲۶۵	(حضرت) معاویہ
۳۲۰، ۳۱۹، ۳۱۸، ۳۱۵		۲۷۷، ۲۶۶	(سلطان) معز الدین جہاندار شاہ
(مولانا سید) نذیر حسین محدث دہلوی (ریاں صاحب)		۶۹-۷۱	(شیخ) منظم
۳۵۹، ۱۱۶		۱۷۹	(شیخ) معز ابراہیم بن داؤد دانی پوری
۲۰۷، ۳۵	(امام) نسائی	۱۱۴	(مخدوم) معین الدین سندھی

کتابیات

اسلامی مزاج و ماحول کی تشکیل و حفاظت میں	قرآن مجید
حدیث کا بنیادی کردار (رسالہ) ۱۴۶، ۱۴۰	(الف)
۲۱۶	آب حیات
۳۶ اشراق ہیا کل النور	۳۵۱
۱۰۰ اصول بزدوی	۲۵۶
۴۰۹ اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ	۲۶۱
اطیب النعم فی مدح سید العرب والعجم	اتحاد السادة المتقين لشرح لصیاء
۳۹۹	علوم الدین
۱۱۰، ۲۳ (الأعلام) (زرکلی)	۱۲۸
۳۶ الأفق البین	اثار الصنادید
۳۹۹، ۱۲۵ أ لطاف القدس	الأحكام السلطانية والولايات الدينية
۳۹۹، ۳۱۶ الامداد فی مآثر الأجداد	۲۵۵، ۲۵۴
۴۰۰ الانتباه فی سلاسل اولیاء اللہ	۳۲۳، ۳۲۲ احیاء علوم الدین
۶۶ انسان العین فی مشائخ الحرمین (رسالہ)	۶۵ اخبار الأخیار
۴۰۰، ۱۹۹، ۱۰۹-۱۲۱۹۴	۳۹۸ الأربعین
۳۱۳ انسا ئکلو پیڈیا آت اسلام	۳۵۴ ارجوزة اصمعی
۲۸، ۲۴ انسا ئکلو پیڈیا تاریخی عالم	۱۰۰ الارشاد الی مهمات علم الاسناد
۱۹۴ الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف	۳۲۸، ۱۰۵
۴۰۰، ۲۰۳، ۱۹۵	۴۱۲ ارشاد الطالبین
۸۰۰، ۸۴، ۷۸، ۷۷، ۶۷، ۶۶ انفس العارفين	ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء ۱۲۵
۳۹۹، ۲۰۱، ۱۲۵، ۱۰۳، ۹۸، ۹۷، ۸۹	۲۶۹، ۲۶۶، ۲۶۳، ۲۶۲، ۲۶۱، ۲۶۰-۵۵
۴۰۶، ۴۰۳، ۴۰۰	۳۹۹، ۳۶۱، ۳۲۱، ۳۲۰، ۲۹۶، ۲۷۳، ۲۷۰
۳۳ الأفاضل السنبلیہ فی أوائل کتب الحدیث	۳۸۳ اسرار المحیة (رسالہ)
	۳۶ الاسفار الأربعة
	اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں ۱۸۱، ۱۸۰
	۳۶۱، ۱۸۳

۳۵	تاریخ اخبار و آثار	۳۶۰، ۱۹۲	اوجز السالك
۲۸۸	تاریخ اوزنگ زيب	۱۶۷	اهل السنة والجماعة (رساله)
۲۳، ۱۶، ۱۵، ۱۱، ۹	تاریخ دعوت و عزیمت	۲۲۱	آیات الله الكامله
۲۹۲، ۲۵۸، ۱۷۴، ۱۳۶، ۱۳۵، ۹۲، ۶۸		۳۷۸	ایضاح الحق الصریح فی احکام اللیت والضریح
۳۳۹، ۳۲۲		۲۳-۲۵	AURANGZEB
۲۱	تاریخ الدوله العلیه العثمانیه	۲۳	AURANGZEB AND HIS AGE
۳۶۷	تاریخ سلطنت خدا داد میسر	۳۱۳	AHMAD SHAH DURRANI
۶۸	تاریخ فیروز شاہی		A HISTORY OF THE SIKHS GUARD
۲۲	تاریخ المذاهب الاسلامیه	۲۸۲	ORME COLLECTIONS
۱۴۸	تاریخ نزار دو	۲۸۸	
۲۷۹، ۶۲، ۵۴، ۵۳	تاریخ ہمد		(ب) (پ)
۵۶، ۵۵، ۴۸-۵۲، ۴۵	تاریخ ہندوستان	۳۳	البد والاطالع بحاسن من بعد القوق السالغ
۳۰۷، ۳۰۶، ۲۸۹، ۲۸۲، ۲۸۰، ۲۷۸، ۵۸		۲۰۰	البدور والبارغہ
۲۱۸-۲۰		۳۶۰	بذل المجهود
۲۰۱	تاویل الأحادیث	۲۵	البرق الیمانی فی الفتح العثماني
۳۸۹	تبیین المصطفیٰ شرح الموطا	۳۹۱، ۱۳۸	برہان (رساله)
۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۱، ۳۵۳	تحفہ اشاعشریہ	۳۵۸، ۳۵۳	بتان المحدثین
۳۶۰	تحفہ الأخوذی	۲۰۰	البعث الاسلامی (مجله)
۲۰۲، ۱۴۴، ۱۴۲	تحفہ الموقدین	۳۳	بلوغ المرام
	تحقیق واعمال کی عدالت میں ایک منظوم مصلح کا	۲۰۱، ۲۰۰	بوارق الولایۃ (رساله)
۳۷۶	مقدمہ (رساله)	۱۴۵	یوستان
۲۳	تذیل شفاء الغرام (اخبار البلد المحرام)	۱۴۵	البيان فی علوم القرآن (مقدمہ تفسیر حقانی)
۱۹۳	تراجم البخاری (رساله)	۳۵۶، ۹۹، ۷۷	بیضاوی شریف
۲۰۲، ۱۹۳	تراجم البواب البخاری (رساله)		PARTIES AND POLITICS IN THE MUGHAL COURT
۳۵۳	تعبیر رؤیا (رساله)	۲۷۹	PORTUGUESES
		۱۹۰	(ت) تاج العروس

(ج) (ج)

۳۲۷/۱۸۳	جانب التردی
۱۲۹/۱۲۵	جائزه تراجم قرآنی
	المعز واللطیف فی ترجمه العبد الضعیف
۲۰۱۲۰۱۲۰۰۱۰۹۱۰۳۱۰۲۱۹۹۱۹۷۱۸۸	
۴۰۹۱۲۰۲	
	جلاء العینین فی محاکمة الأحمدين III
۱۶۸/۱۱۲	
۳۸۵/۳۵۶	جلالین
۱۷۲	جواهر خسته
۲۸۸	چهار گلزار شجائی
۳۹۸	چهل حدیث ولی اللهی (اربعین ولی اللهی)
	(ح) (خ)
۸۲/۸۱	حاشیه خیالی
۸۱	حاشیه شرح عقائد
۱۰۰	حاشیه ملا زاده
۳۵۲	حاشیه ملا کوسج
۳۹	حاضر العالم الاسلامی
۱۶۰/۱۵۸/۲۵۰/۱۰۱	حجة الله البالغه
۲۰۱۰۱۹۵۰۱۹۳۰۱۸۵۰۱۸۲۰۱۶۷۰۱۶۲	
۲۳۷/۲۱۵-۲۹۰/۲۱۰۰۲۰۸۰۲۰۵۰۲۰۳	
۲۷۰/۲۵۴/۲۵۱/۲۴۹/۲۳۸/۲۳۹-۲۲۷	
۴۰۳/۴۰۰/۳۹۹/۳۹۷/۳۲۱/۲۹۹	
۳۶۵	حامد الاسلام
۱۰۰	حای

۲۵۱	التعلیق المجدد علی مؤطا الامام محمد
۵۹	التفیرات الاهدیه
۱۹۹	تفسیر تبصیر الرحمن وتبصیر المنان
۲۲۸/۱۲۵	تفسیر حقانی
۲۶۹	تفسیر روح المعانی
۴۰۵	تفسیر زهرا وین
۲۰۷/۲۷۷/۱۲۵/۱۲۲/۱۲۱	تفسیر فتم الرحمن
۴۱۲	تفسیر فتم العزیز (تفسیر عزیزی - بستان التفامیر)
۳۵۶/۳۵۳	
۱۰۰	تفسیر کشف
۹۹	تفسیر مدارک
۱۹۰	تفسیر منظره
۱۶۸/۱۶۵/۱۳۹/۱۳۸	التفهيمات الالهيه
۲۰۷/۲۲۹/۳۲۸/۳۲۶/۳۲۵/۳۲۱/۱۸۹	
۴۱۳/۴۰۲/۳۹۹/۳۲۸/۳۲۱	
	تقصار وجود الامرار من تذکار جنود الانبار
۳۷۵	
۳۷۸	تقوية الايمان
۳۵۷	تکمله تفسیر فتم الرحمن
۲۸۲	تکمیل الصناعة
۳۲۲	تلبیس ابلیس
۳۹۰	التمهید
۸۷	تنبيه الغافلين
۳۳	تفہیم الأنظار وتوضیح الأفكار
۲۹۲	التوحيد الذي هو حق الله على العبيد
۱۰۰	توضیح وتلویح

۴۰۴	دیوان اشعار	حسرتہ العالم بوفاتہ مرجع العالم (رسالہ)
۳۷۶	الذکر الجلی فی کرامات السید محمد علی	حسن العقیدہ دیکھئے العقیدۃ الحسنہ
۳۶۵	ذوالفقار (کتاب)	۳۹۹
	(س) (ش)	۳۴۷
۴۰۴	الرحیم	۲۵۲
۴۰۲	رد و وافض	۱۸۱
۴۰۴	رسالہ	۴۰۷۴۰۲۰۱۱۳۱۰۱۱۳۱۶۶
۴۰۴	رسالہ دانشمندی	۲۳
۳۷	رسالہ قطبیہ	۱۰۰
۱۰۰	رسائل نقشبندیہ	۲۰۳
	روح البیان فی تفسیر القرآن (تفسیر حقانی)	(ذ) (ذ)
۳۳	روح المعانی دیکھئے تفسیر روح المعانی	۱۱۵
	ROLE OF HADITH IN THE	۲۸۵
	PROMOTION OF ISLAMIC CLIMATE	دراسات اللیب فی الأسوۃ الحسنۃ بالمحبیب
۱۷۰	& ATTITUDES	۱۹۰
۱۶۴	زاد المعاد	۳۶۸
۳۹۶	زعماۃ الاصلاح فی العصر الحديث	الدر المصنوعات فی الاحادیث الموضوعات
۳۷	زواہد ثلاثہ	۳۳
	(س)	۲۸۷
۳۳، ۲۵	سبل السلام	۱۶۵، ۱۳۳
۲۸۹	سبل الرشاد	۳۸۳
۳۵۲	السراجیل فی مسئلۃ التفضیل	دور الحديث فی تکوین المناخ الاسلامی وصیائہ
۳۵۲	سوا شہادتین (رسالہ)	۱۷۰
۴۰۶	سرود محزون	۱۱۷، ۱۱۶
		دہلی اور اس کے اطراف

۱۰۰، ۳۵	شرح جای	۴۰۵	سطحات
۳۸۹	شرح دعائے اعتقاد		سلك الدرر فی اعیان القرن الثانی عشر
۱۰۰	شرح رباعیات (جای)	۳۳-۳۵	
۵۹	شرح سلم (حمد الشر)	۳۶۱، ۵۹	سلم العلوم
۵۹	شرح سلم (ملاحسن)	۳۴۴، ۱۹۳	سنن ابن ماجه
۵۹	شرح سلم (قاضی)	۳۴۴، ۱۸۳	سنن ابی داؤد
۱۰۰	شرح شمسیہ	۲۴۲، ۱۶۴	سنن بیہقی
۱۰۰، ۸۱	شرح عقائد	۳۴۴	سنن النسائی
۱۰۰	شرح مطالع	۳۴۶	سوانح احمدی
۱۰۰، ۸۲، ۳۴	شرح مواقف	۳۴۶	سید احمد شہید (قبر صاحب)
۱۰۰، ۳۸، ۳۴	شرح وقایہ		السیاسة الشرعية فی اصلاح الراعی والرهیہ
۳۵۴، ۱۰۰، ۳۶	شرح ہدایۃ المحکمۃ	۲۵۴	
۴۱۱، ۴۱۰، ۳۴۸	شفاء العلیل	۶۵	سیر الاولیاء
۴۰۶	شفاء القلوب	۲۸۶، ۹۲، ۴۱، ۱۳، ۱۱	سیرت سید احمد شہید
۳۴۴، ۱۸۱، ۱۰۵، ۹۹	شمائل ترمذی	۳۴۴، ۳۴۶، ۳۶۹-۴۱، ۳۴۰، ۱۳۲۲	
۱۵۰	شمائل نبوی	۲۸۱، ۵۲، ۴۴-۴۹	سیر المتأخرین
۴۰۶، ۴۰۰	شوارق المعرفۃ (رسالہ)	۳۶۵	سیف نامری
	(ص)		(ش)
۱۹۲، ۱۸۳، ۱۴۴، ۱۱۲، ۳۲	صحاح ستہ	۱۴۴	ثانیہ
۳۵۸، ۳۴۴		۲۸۴	شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات
۱۹۲، ۱۸۱-۸۳، ۱۳۹، ۱۱۲، ۹۹	صحیح بخاری	۳۱۴-۱۴، ۳۰۳-۱۰، ۳۰۱، ۲۹۹، ۲۸۸	
۴۰۶، ۲۵۹، ۲۴۴، ۲۱۸		۳۲۰، ۳۱۹	
۱۱۲	صحیحین	۳۵	شرح اشارات ابن سینا
۳۴۴، ۱۸۳، ۱۴۸، ۱۳۹، ۹۶	صحیح مسلم	۴۰۶، ۱۹۳	شرح تراجم الباب صحیح البخاری
۳۴، ۳۶	صدرا (شرح ہیاکل النور)	۳۴	شرح تہذیب

٣٦٠	غاية المقصود	٣٣٠	صراط مستقيم
١٣٥	غرائب القرآن	٣٦٥	صوارم الألهيات
٨٤	غنية الطالبين		صيانة الناس عن وسوسة الخامس
	حيات الأعمى في التياث الظلم (الغياثي)	٣٤٦، ٣٤٥	
٢٥٦			
	(ف)		(ط) (ظ)
٢٣٠، ٢٣٣	فتاوى عالمگیری (الفتاوى الهندية)	٢٥٦، ٤٨	طبقات الشافعية الكبرى
٨٢		٣٦٠	طريق النجاة
٣٦٩	فتاوى عزيزي	٢٢	ظفر نامه شاهجهان
٣٥٣	الفتاوى في المسائل المشككة		(ع) (غ)
٣٨٠، ١١٠	فتح اباري		عبيقات الاخوان في امامة الأئمة الأطهار
٢٠٤	فتح النجيب	٣٤٨، ٣٦١	
	فتح الرحمن ديكھے تفسير فتح الرحمن	٣٩٠، ٣٥٨، ٣٥٣	الجمالة النافعة
١٩٩	فتح المعين	١٩٩	عرب وديار هند
٢٠٤	فتح الودود لمعرفة الجنود	٣٥٢	عزيزيه (حاشية)
٣٥	فتوحات كيه		العطية الصمدية في الأنفاس المحمدية
٢٣١، ٣٢٦، ٢٩٣، ١٩٢	الفرقان (رساله)	٢٠٦، ٢٠٠، ١٤٥	عقائد الاسلام
٣٢٢		٢٢٨	
٨٢، ٣٥	فصوص الحكم		عقد المجيد في احكام الاجتهاد والتقليد
	الفضل المبين في السلسل من حديث	٢٠٦، ٢١٢، ١٩٥	
٢٠٤، ١٩٣	النبي الأمين (رساله)		العقيدة المحنة (حسن العقيدة)
١٠٠	الفوائد المائة	٢٠٦، ٢٠٣، ١٦٥، ١٦٢	
١٢٠، ١٣٩	الفوز الكبير في أصول التفسير	٢٠٣، ١٦٢	العقيدة السنية
٢٠٤، ٣٩٩، ١٥٨، ١٥٦، ١٥٠ - ٥٣		١٦٢	العقيدة والعبادة والسلوك
٢٠٤، ١٩٨، ١٢٥، ١١٢	فيوض المحرمين	٢٢٨	علم الكلام
٣٠٦، ٢٤٨، ٥٢	قال آت دی نعل اسپاثر	٢٢	عنوان المجد
		١٠٠	عوارف

۲۸۵، ۲۸۳، ۲۸۲	گزنفه	ق (ق)	قاسوس
۶۵	گلزار ابرار	۱۹۰	
۱۴۵	گلستان	۲۰۳	قرة العين
	ل (ل)		قوة العينين في تفضيل الشيخين ۴۰۷
۱۰۰	لب الالباب	۱۰۶	قصر عارفان
۲۲۵	لسان العرب	۲۰۵	قوت القلوب
۴۱۲	لغات		القول الجلي في مناقب الولي ۹۷، ۸۸
۱۰۰	لوائح	۳۸۹، ۲۹۲، ۱۱۳، ۱۰۹، ۱۰۸، ۹۸	
۲۸۷	LATER MUGHALS		القول الجميل في بيان سواد السبيل
	م (م)	۴۰۹، ۴۰۸، ۳۹۳	
	مآثر الاجداد ويحيى الامداد في مآثر الاجداد	ک (ک)	کاروان ايمان و عزيمت ۳۸۰، ۳۷۲، ۳۴۰
۴۳	مآثر المگيرى		کافيه
۶۲، ۶۱	مآثر الکرام	۱۴۴، ۱۰۰، ۹۹	
۱۹۰	مال بد منه	۱۱۲	کتاب الآثار
۱۷۹، ۱۷۶	مجمع بحار الانوار	۲۵۵	کتاب الخراج
۴۰۰، ۳۹۹	مجموعه رسائل شاه ولي الله	۵۹	کشاف اصطلاحات الفنون
۴۱۳			کشف الخفا ومزيل الالباس عما اشهر
۴۰۲، ۱۹۳	مجموعه رسائل اربعه	۳۲	من الاحاديث على السنة الناس
۷۵، ۷۳، ۶۷	مجموعه رسائل شاه ولي الله	۲۷۴	کشف الغطاء عن السنة البيضاء
۱۶۵		۳۶۷	کلمة گزٹ
	مجموعه کشف الآثار عن رجال معالي	۳۹۱، ۲۹۰، ۱۸۹، ۱۸۶، ۶۰	کلمات طبیات
۱۱۰	الآثار	۴۱۳	کمالين
	مجموعه مکتوبات شاه عبدالرحيم و شاه ولي الله	۱۸۱	کنز العمال
۳۰۵		۱۹۹، ۱۷۶	کيمبرج، سٹری آف انڈيا
۱۸۱	محلّی	۴۲	کيمبرج، سٹری آف دي ورلڈ

۳۶	ہیاکل النور	۴۱۳/۱۲۵	ہمعات
(HISTORY	ہسٹری آف اورنگ زیب		ہندوستان کا نظام درس اور اس کے تغیرات
۴۳	OF AURANGZEB)	۱-۱	(رسالہ)
	الیانہ الجنی فی أسانید الشیخ عبد الغنی		ہسٹری آف دی افغانس (HISTORY
۳۸۲/۳۶۱/۳۵۲/۳۵۱/۲۵۰-۱۱-۱-۲		۳۱۴	OF THE AFGHANS)

مقامات

۲۸۹	الحد		(الف)
۳۶۷/۳۲/۵۸	الریاباد	۲۷۷	افک
۳۸۳/۲۸۱	امرتسر	۲۸۷	اجمیر
۲۷۷	امروہہ	۱۷۹	احمد آباد
۲۲	اناطولیہ	۴۰۲	آرہ
۱۷۶	اندلس	۳۶۶/۵۷/۵۶	اڑبہ
۳۴	انڈونیشیا	۴۲	آسام
۶۲/۴۹	اورنگ آباد	۱۱۲	استنبول
۳۶۴/۳۲/۲۷۹/۹۲/۵۷	اودھ	۴۰۹	اسلام آباد
۳۶۳		۲۶	اصفہان
۲۵-۲۸/۳۲/۲۵-۲۹/۱۷-۱۹	ایران	۳۶۱/۱۸۳	اعظم گڑھ
۱۴۲/۱۳۷/۱۰۰/۹۱/۶۸/۵۱/۴۳		۳۰/۲۹/۲۶/۱۹/۱۸/۱۷	افغانستان
۳۶۳/۲۵۲/۱۷۷/۱۶۷		۱۹۹/۱۷۵/۱۵۲/۱۳۷/۳۸/۳۷	
۱۹	ایشیائے کوچک	۱۷۶/۱۷۹	افریقہ
	(ب)	۱۸۲/۱۷۹	اکبر آباد
۷۵	بارہ بنکی	۱۹۶/۱۸۷-۸۹/۱۸۲/۱۶۳/۵۷/۵۱	آگرہ

۱۹۵/۲۲/۲۱	بیروت	۵۱	یارہ
	(پ)	۲۱	بازارجن (TOBULKHIN)
۲۸۱	پاک پٹن	۱۴	بائی کٹ
۴۰۹/۴۰۱/۳۹۸	پاکستان	۳۲۵	بجنور
۲۸۰/۲۴۴/۵۸/۵۴/۱۴	پانی پت	۱۰۸	بحراحر
۳۲۰/۳۱۳/۲۸۴		۲۲	بحر روم
۲۴	پشاور	۱۰۸	بحر ہند
۳۶۴	پلاسی	۲۴	بحیرہ خزر (CASPIAN SEA)
۲۸۳-۸۵/۲۸۱/۲۴۶/۲۹	پنجاب	۸۰/۶۰/۲۹/۲۴	بخارا
۳۴۰/۳۵۹		۳۱	بخارسٹ
۹۴/۴۶/۴۵	پھلت	۴۴	برہانپور
	(ت) (ط)	۲۹۲/۱۲۱/۱۰۵	بڑھانہ
۱۴۲/۱۳۴/۹۱/۶۸/۳۵/۱۸	ترکستان	۲۴۳/۲۲۱	یریلی
۳۴۵/۱۴۴		۲۸۱/۲۶۰/۲۵۶/۳۳/۳۱	یغداد
۳۴۵/۴۳/۳۹/۳۴/۲۴/۲۱	ترکی	۳۶۴/۵۴	بکسر
۵۱	توران	۲۴	بلخ
۱۴۶/۳۳	تونس	۲۹/۲۴	بلوچستان
۴۱۲/۳۴۱	ٹونک	۲۴۹/۱۴	بسنی
	(ج) (ج)	۳۶۶/۳۶۲/۲۴۸/۵۴/۵۶/۴۹	بنگال
۱۰۹	جذہ	۴۳/۵۰/۴۴	بنگالہ
۱۴۶	الجزائر	۳۶۶/۳۶۲/۵۴/۵۶/۴۹	بہار
۳۹۵/۹۳/۲۱	جزیرۃ العرب	۱۹۸	بھٹکل
۲۸۴/۲۴۶	جنا	۳۳۰	بہرائچ
۳۸۰	جنت المعلّٰی	۴۱۲/۳۸۰/۳۴۵/۲۴۳/۲۲۱	بھوپال
۱۱۶	چلی قبر (دہلی)	۲۹۴	بیانہ

۱۷	درہ خیبر	۴۲	چٹاگانگ
۲۷۷	درگاہ حضرت نظام الدین	۲۸۷	چنبلی
۲۷	دریائے سندھ	۱۲۲	چوک سدا اللہ خاں (دہلی)
۵۱	دریائے شور	(ح) (خ)	
۳۶۱/۸۵/۳۴/۲۲	دشت	۹۱/۵۵/۳۲/۲۱-۲۵/۱۶	حجاز مقدس
۲۷۶	دوآبہ	۱۳۱/۱۱۱/۱۱۳/۱۰۷/۱۰۲/۹۷/۹۳	
۵۵/۵۲/۵۱/۴۹/۴۲/۲۷/۱۷	دہلی	۱۸۲/۱۷۶/۱۷۵/۱۷۳/۱۴۵/۱۴۲	
۱۹۲/۷۴/۶۸/۶۶/۶۱/۵۶-۵۸		۲۷۹/۳۵۹/۳۵۸/۲۰۰/۱۹۹/۱۹۱	
۱۱۸/۱۱۳-۱۵/۱۱۱/۱۰۹/۱۰۰/۹۴		۵۱۲/۴۰۹/۴۰۷/۳۹۸/۳۹۵	
۱۹۰/۱۸۰-۸۲/۱۵۰/۱۲۶/۱۲۲		۲۶۹/۲۷۶	حدیبیہ
۲۸۷-۹۳/۲۸۲-۸۴/۲۷۷/۲۷۶		۳۳/۳۲/۳۳/۲۲/۱۶	حرمین شریفین
۲۴۱/۳۱۹/۳۱۱/۳۰۷/۲۹۸/۲۹۶		۱۲۲/۷۹/۱۷۴/۱۴۶/۱۰۷-۱۳/۹۴	
۳۶۷/۳۶۳/۳۶۲/۳۵۹/۳۵۷		۴۰۹/۲۸۱/۲۰۰/۱۹۹/۱۹۱	
۴۰۲/۴۰۰/۳۹۹/۳۸۵/۳۸۰		۱۷۵	حرم کی
۴۱۲/۴۰۷		۱۷۶	حضرت موت
۱۴۵/۱۱۰	دیوبند	۳۲	حلب
۴۰۴/۳۲۵/۲۷۴	ڈابھیل	۱۵۶/۱۹۳/۷۴/۵۲	حیدرآباد دکن
(۷)		۲۶/۳۹۵/۳۷۶/۳۶۸/۲۸۰/۲۷۷	
۱۰۸/۵۷	راجپوتانہ	۴۰/۴۰/۴۰	حیدرآباد (پاکستان)
۳۶۸	رامپور	۱۷۸/۱۰۶	خراسان
۲۷۷	رام گنگا	۲۷	خوارزم (خیوہ)
۱۱۸	راٹے بریلی	۲۹۳/۲۶۷	خیبر
۲۶/۲۱/۲۰	روس	(۵) (۵)	
۲۷	روم	۳۹۵	درعیہ
۲۷۶	روہیلکھنڈ	۱۷	درہ بولان

۳۷۲	(ص) ط	۶۵-۶۹	رہنگ
۳۹۳	صادقپور	(س)	سامانہ قصہ
۳۵	طائف	۹۵	سڈھو
	طہران	۷۵	سرحد
	(ع)	۳۷۰	سرنگاپٹن
۱۵-۱۷۱۱۱۹	عالم اسلام۔ مالک اسلامیہ	۳۶۷	سرہند
۱۶۳، ۱۶۸، ۳۹، ۳۴، ۳۱، ۳۰، ۲۰		۲۸۳، ۲۸۳	سکندر آباد
۲۶۱، ۲۶۰، ۲۱۷، ۲۱۰، ۱۹۵، ۱۶۷		۳۷۶	سکندرہ
۱۵۶، ۱۱۶، ۲۷، ۱۱۹	عرب۔ مالک عربیہ	۲۸۸	سمرقند
۱۸۳، ۱۷۷، ۱۷۶، ۱۷۴، ۱۵۸-۶۰		۶	سندھ
۲۲۵، ۲۹۵، ۲۷۴، ۲۳۵، ۲۳۲، ۱۹۱		۴۰، ۴۱، ۹۰، ۱۷۸، ۱۷۷، ۱۰۶	سورت
۳۱۳		۳۲۵، ۱۰۹، ۱۰۸	سونی پت
۱۹۱، ۱۶۸، ۳۸، ۳۵، ۳۲، ۱۹	عراق	۱۰۶، ۶۹	سیوازا
۲۷۰، ۱۸۴، ۱۷۶، ۱۳۶		۷۴	(ش)
۲۷۹، ۲۸	علی گڑھ		شام
۳۹۵	حیثیہ	۳۸، ۳۵، ۳۴، ۳۲، ۲۳، ۱۹	
	(غ) ف	۲۷۰، ۱۸۴، ۱۷۶، ۱۷۳، ۱۳۶، ۴۳	
۱۷۵، ۱۰۶، ۹۲	غزنی	۲۹۴	تاہ ابوالخیر مارک
۲۲	غزہ	۱۱۶	شاہبہاں آما
۳۳	فاس	۱۲۸	شکوہ آماد
۲۹۶	فیروز آباد	۲۹۶	شکوہ پو
	(ق)	۷۰	شیراز
۲۲	قدس	۲۶۱، ۳۶، ۲۸	شیش محل روڈ
۲۷۷	قدم شریف (دہلی)	۱۴۴	
۳۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱	قسطنطنیہ		

۲۵۶	فیثاپور	۳۸۶، ۳۸۰، ۳۷۹، ۳۵۹، ۳۶۶، ۲۲۰	
۱۰۶	واسط	۳۱۲، ۳۹۵، ۳۹۳	
	(۵) (۴)	۳۱۳، ۱۰۶، ۱۰۰	مقتان
۱۷۵، ۳۷	ہرات	۱۰۶	منصورہ
۲۸۲	ہرگوندپور	۱۲۸، ۱۱۷، ۱۱۵	منہدیان (محلہ)
۲۷۷، ۵۳	ہمالیہ	۲۹۶، ۲۸۹	میوات
ہندوستان - تقریباً پوری کتاب			(۵) (۴)
۷۴	ہندیا	۲۲	نابلس
۲۲	یاف	۳۹۴، ۲۱	نجد
۱۹۹، ۱۷۶، ۱۷۳، ۳۳، ۳۲، ۲۵، ۲۴	مین	۱۱۸	نصیر آباد
۱۸۷، ۱۶۷، ۱۳۷	یونان	۷۴	نوبہریا